امیر تیمور
ہیرلڈ لیم

عرض ناشر

ہیرلڈلیم کی مشہور کتاب "ٹیمرلین" کا اردو ترجمہ جب پہلی بار شائع ہوا تو' چونکہ لوگ اس مایہ ناز مورخ کو اس کے افسانوی انداز بیان کی وجہ سے ناول نگار سمجھتے تھے' اس کتاب کو بھی ایک ناول سمجھا گیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ "ٹیمرلین" کوئی ایسا ناول نہیں ہے جس کے واقعات تانا بانا تیمور کے گرد بنا گیا ہو بلکہ یہ تاریخی ادب کا ایک غیرفانی شاہکار ہے۔

اس کے اوراق پر لرزندۂ جہاں' صاحب قراں' امیر تیمور گورگاں' فاتح ایشیا کی قلمی تصویر ہیرلڈلیم نے اس قدر چابکدستی سے کھینچی ہے کہ اسے ہمیشہ کے لئے زندہ کردیا ہے۔ انداز بیان بیشک قصہ گوئی کا سا ہے مگر ہر واقعہ پوری تصدیق اور چھان بین کے بعد لکھا ہے اور سونے پر سہاگا یہ ہے کہ اس کے ماخذ تیمور کے دور کی فارسی اور دیگر زبانوں کی تاریخیں یا تذکرے ہیں۔ یوں اس کتاب کو تیمور جیسی اہم تاریخی شخصیت کی ایک ایسی مستند سوانح حیات کا درجہ حاصل ہوگیا ہے جس میں مورخانہ انداز نگارش کی عمومی خشکی نہیں پائی جاتی۔

بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے اردو میں اس کا ترجمہ بھی اتنا ہی شگفتہ اور دلکش کیا تھا جتنی انگریزی کتاب ہے' چنانچہ یہ بے حد مقبول ہوا اور چند سال کے اندر اندر "امیر تیمور" دو مرتبہ چھپی۔ مگر لیم کی کتاب منظرعام پر آنے کے بعد سے اب تک انگریزی اور اردو زبانوں میں تیمور پر کئی بلند پایہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ پیش نظر کتاب کو مکمل' مستند اور دلچسپ بنانے کے لئے ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور جن مقامات پر ضروری سمجھا گیا وہاں ان کی مدد سے تبدیلیاں اور اضافے کئے گئے ہیں۔ اس بنا پر اس میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں جن سے کتاب پہلے سے زیادہ معلومات افزا بن گئی ہے۔ خاص کر حواشی میں جو اضافے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے اس کی کشش اور دلچسپی کو چارچاند لگ گئے ہیں۔ چنانچہ اب یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ اردو زبان میں امیر تیمور پر سب سے زیادہ مکمل اور مستند کتاب ہے۔ تاہم ہمیں اعتراف ہے کہ اب بھی خامیاں رہ گئی ہوں گی مگر ان کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ جناب مترجم پر' جنھوں نے اپنی شگفتہ زبان اور دلکش انداز تحریر سے ترجمے میں جان ڈال دی ہے' ہماری کسی فروگزاشت کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

ناشر

ترتیب

آغاز

تیمور عزم کی ایک جھلک

اب سے ساڑھے پانچ سو سال پہلے کی بات ہے' ایک شخص نے ساری دنیا کو فتح کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس نے جس طرف رخ کیا فتح و ظفر نے آگے بڑھ کر اس کے قدم چومے۔ اس کا نام تھا تیمور۔ (1)

وہ وسطی ایشیا سے اٹھا۔ یہ وہی سرزمین ہے جس نے دنیا کے مشہور ترین فاتح پیدا کئے ہیں۔ اس شخص کا کل اثاثہ چند مویشی تھے اور تھوڑی سی اراضی' اور اس کا خاندان بھی کچھ ایسا عالی مرتبہ نہ تھا۔ مگر اس کم مائیگی کے باوجود اس نے اپنی ہیبت خیز فتوحات سے دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور اس کی لرزہ خیز یلغاروں نے دنیا سے منوا لیا کہ وہ تاریخ عالم کے عظیم ترین فاتحوں میں سے ایک ہے۔

سکندر اعظم ایک بادشاہ کا بیٹا تھا' اس کی فتوحات کا انحصار اس فوج پر تھا جو اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ چنگیز خان ایک سردار قبیلہ کا فرزند تھا' اس کے ساتھ منگولوں کے ٹڈی دل قبائل تھے۔ قدرت نے تیمور کو اس قسم کے اسباب کامرانی سے محروم رکھا تھا مگر اس نے اپنی ہمت اور ذہانت سے ایک ایسی قوم پیدا کرلی جس کا مرکز اس کی ذات تھی اور یہ انبوہ کثیر اس کی قیادت میں آندھی کی طرح سارے ایشیا پر چھا گیا۔

اس نے نصف دنیا کی فوجوں کو یکے بعد دیگرے شکستیں دیں۔ وہ پے بہ پے بھرے پرے شہروں کو برباد کرتا اور اپنی پسند کے مطابق دوبارہ آباد کرتا رہا۔ جن شاہراہوں پر اس کا تسلط تھا ان پر دو برا عظموں کے تجارتی قافلے دن رات گرم سفر رہتے تھے۔ اس کے تصرف میں عظیم الشان سلطنتوں کی دولت آئی اور اس نے یہ دولت اپنی مرضی کے مطابق صرف کی۔ وہ دشوار گزار پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایک مہینے کے اندر اندر عالیشان محلات تعمیر کرا لیتا اور ان میں داد عیش دیتا۔ غرض اس خرابہ ہستی پر در و بست قابو پائے اور پھر اسے اپنی منشا کے مطابق ڈھالنے کی جتنی کامیاب کوشش اس نے چند روزہ زندگی کے محدود عرصے میں کی اتنی شاید ہی کسی انسان نے کی ہوگی۔

یورپ تیمور کو آج بھی اس طرح "ٹیمرلین" کہتا ہے جیسے وہ کوئی معمولی سا بادشاہ تھا'

اور یورپ کی موجودہ تاریخی کتابوں میں اس کی مملکت کا نام سلطنت تیمور ہی لکھا جاتا ہے لیکن جو باشندگان یورپ تیمور کے ہمعصر تھے وہ پانچ سو سال قبل اس کی مملکت کو "ملک تاتار" کہتے تھے گو ان کے ذہنوں میں تیمور کا تصور بس اتنا ہی تھا کہ یورپ کی حدود کے اس طرف ایک مطلق العنان اور ظالم بادشاہ' سنہری خیموں میں بیٹھا اپنے گردوپیش پر حکومت کررہا ہے اور وہ کٹے ہوئے انسانی سروں کے مینار کھڑے کرتا ہے جن پر راتوں کو غیبی شعلے لہراتے ہیں۔

مگر ایشیا اس سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ اہل ایشیا کو اس پر فخر بھی تھا اور وہ اس سے آزردہ خاطر بھی تھے۔ اس کے دشمن اسے بھیڑیا سمجھتے تھے جو دنیا کو جھنجھوڑے ڈال رہا تھا مگر اپنوں کی نظر میں وہ شیر ژیان تھا۔ البتہ یورپ کا حال یہ تھا کہ نابینا ملٹن نے سنے سنائے حالات کی بنا پر تیمور کے کردار کا ایسا بھیانک تصور پیش کیا کہ اسے شیطان ہی بنا دیا۔

مگر شاعروں کے برعکس تاریخ نویسوں نے خاموشی اختیار کی کیونکہ تیمور کا مقام متعین کرنا آسان نہ تھا۔ وہ نہ کسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا نہ کسی عظیم انسان کی نسل تھا۔ ہاں خود ایک خاندان کا موسس اعلیٰ ضرور تھا' وہ روم کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے والا اٹیلا بھی نہ تھا جسے وحشی کہا جاتا ہے' اس نے تو صحرا کی ویرانیوں میں اپنا ایک روم تعمیر کر ڈالا۔ اس نے اپنے لئے تخت پیدا کیا مگر خود بیشتر عمر گھوڑے کی پیٹھ پر گزار دی اور جب تعمیرات کی طرف توجہ کی تو کسی نمونہ تعمیر کی نقل نہ کی بلکہ اپنی پسند کا ایک نیا اور اچھوتا طرز تعمیر نکالا۔ جب اس نے دمشق کو نذر آتش کیا شاید اس وقت وہاں کے واحد گنبد نے اس کے ذہن میں اپنے وطن کی فلک رس پہاڑی چوٹیوں اور اس گنبد کا جو مجموعی نقش ابھارا اسی سے اس نے یہ نیا طرز تعمیر نکالا۔ موجودہ روس کی تمام عمارتیں اسی طرز کی ہیں اور یہی طرز تعمیر دنیا کی حسین ترین عمارت تاج محل کا بھی ہے جو ایک مغل بادشاہ کے ذہن کا شاہکار اور آل تیمور کی حسن کاری کی ایک غیرفانی یادگار ہے۔

مورخوں نے تیموری عہد کے یورپ پر پوری روشنی ڈالی ہے اور اس زمانے کے یورپ کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ کس طرح ان دنوں وینس میں مجلس ارکان عشر (2) برسراقتدار تھی' کس طرح دانتے کے تقریباً ایک پشت بعد ر۔نزی (3) اس زمانے کا مسولینی بننے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ پٹرارک ان دنوں تصنیف و تالیف میں مصروف تھا۔ فرانس میں صد سالہ جنگ اپنا بے برکت دور پورا کررہی تھی اور اورلین اور

برگنڈی کے لوگ نیم دیوانہ چارلز کی غیرملتفت نظروں کے سامنے پیرس کے قصابوں (4) سے نبرد آزما تھے۔ یورپ اس وقت اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں تھا' ازمنہ وسطیٰ کی جہالت کا پردہ ابھی تک اس کی آنکھوں پر سے پوری طرح نہ ہٹا تھا اور نشاۃ الثانیہ کی چنگاریاں ابھی شعلہ افروز نہ ہوئی تھیں۔

ابھی تو تہذیبی آسائشوں کے لئے بھی یورپ مشرق ہی کا دست نگر تھا۔ حریر و دیبا' چاندی' سونا' لونگ' الائچی' دارچینی' زیرہ' لوہا اور فولاد بلکہ چینی کے دیدہ زیب برتن تک مشرق سے جاتے تھے' اسی تجارت سے جو خشکی کے راستے ہوتی تھی' وینس اور جنوآ کو دولت کی فراوانی سے' چار چاند لگ گئے تھے پھر یورپ پر مشرق کا ایک اور احسان بھی تھا۔ ہسپانیہ میں تمدن اور علم و ہنر کے مراکز' اشبیلیہ اور قرطبہ' عربوں نے قائم کئے تھے اور انہیں کے ہاتھوں غرناطہ میں الحمرا جیسا عجوبہ روزگار محل تکمیل کو پہنچا تھا اور تو اور قسطنطنیہ بھی' جو ایک یورپی شہر سمجھا جاتا تھا' نیم مشرقی تھا۔ آج کل یورپ سے سائبیریا کو جانے والی ریلوے لائن پر ایک چھوٹا سا اسٹیشن آتا ہے جہاں ایک سنگی ستون نصب ہے۔ اس کے ایک طرف "یورپ" اور دوسری طرف "ایشیا" کندہ ہے۔ اگر تیمور کے زمانے میں کسی کو یہ ستون نصب کرنے کا خیال آیا ہوتا تو اس نے اسے وینس میں نصب کیا ہوتا جو یورپ کی سرزمین ہے۔ اس زمانے میں یورپ کی حیثیت ایشیا کے ایک صوبے سے زیادہ نہ تھی ایک صوبہ بھی ایسا جس میں چند چھوٹے چھوٹے زمینداروں اور جاگیرداروں کی حکومت تھی اور جہاں کے شہر قصبوں سے بھی کمتر تھے' جن کے بدنصیب باشندے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں میں روتے پیٹتے زندگیاں بسر کیا کرتے تھے۔

تعجب ہے کہ ہم اس دور کے یورپ کے کوائف سے تو آگاہ ہیں مگر ہمیں اس صاحب عزم انسان کے حالات کا علم نہیں جس نے تسخیر عالم کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس دور کے اہل یورپ جب تیمور کے کارناموں کا حال سنتے تو انہیں یقین نہ آتا' وہ انہیں ناممکن قرار دیتے اور جب ان کی صحت کا یقین ہو جاتا تو اسے فوق البشر قرار دے کر خاموش ہو جاتے۔ جب وہ یورپ کی دہلیز پر نمودار ہوا تو وہاں کے بادشاہوں نے "امیر تاتار تمبرلین اعظم" کی خدمت میں سفیر روانہ کئے۔ انگلستان کے ہنری چہارم نے جو پروشیا کے سرداروں سے جنگیں لڑ چکا تھا' تیمور کی فتوحات پر اسے مبارکباد دی' فرانس کے چارلز ششم نے "فاتح تیمور" کی تعریف میں قصیدے لکھوا کر بھیجے' دور اندیش اہل جنوآ نے اس کا علم قسطنطنیہ کے باہر نصب کرکے اعتراف عظمت کیا' شہنشاہ یونان مینوئل نے اس سے امداد کی درخواست

کی اور ڈان ہنری سوم "بفضل خدا" بادشاہ قشتالیہ (اسپین) نے تیمور کے دربار میں اپنے ایک موقر سردار روئے دے گونزالز کلاویہو (5) کو سفیر بنا کر بھیجا جو تیمور کی بارگاہ میں باریابی کے لئے سمرقند تک گیا اور جس نے واپسی پر یورپ کو بتایا کہ تیمور کون ہے۔ اس نے اپنے تذکرے میں لکھا:

"بادشاہ سمرقند تیمور جب مغلوں کی تمام سرزمین فتح کر چکا تو اس نے سرزمین آفتاب (خراسان) کی طرف، جو ایک وسیع مملکت ہے، توجہ کی اور اسے بھی سر کیا، پھر ملک خوارزم کو بھی زیر کیا اور پورے ایران اور مازندران کو فتح کیا جن میں تبریز اور سلطانیہ بھی شامل ہیں۔ اس نے "ارض حریر" اور "ارض ابواب" کو بھی فتح کر کے رکھ دیا، اور آرمینیا کوچک، ارض روم اور کردستان پر قبضہ کیا۔ جب وہ شہنشاہ ہندوستان کو شکست دے کر اس کی وسیع مملکت پر قابض ہو چکا اور اس نے دمشق کو برباد کرنے کے بعد حلب اور بابل اور بغداد جیسے شہروں کو بھی فتح کرلیا تو بہت سے دیگر ممالک کو فتح کرنے اور بہت سی جنگوں میں کامیاب ہونے کے بعد، بایزید کے مقابلے پر آیا، جو دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں سے تھا اور اس سے جنگ کر کے اسے بھی شکست دی اور قیدی بنا لیا۔

یہ اس کلاویہو کا بیان ہے جو تیمور کی بارگاہ میں باریاب ہوا اور جس نے سمرقند کے دربار میں ملک ملک کی شہزادیاں دیکھیں اور مصر و چین تک کے سفیروں کو دست بستہ حاضر پایا۔ خود اسے بھی ایک فرنگی سفیر کی حیثیت ہی سے باریابی نصیب ہوئی تھی اور اس کے ساتھ مشفقانہ سلوک محض اس خیال سے روا رکھا گیا تھا کہ "سمندر میں چھوٹی مچھلیوں کے لئے بھی جگہ ہوتی ہے۔" (6)

تیمور کو یورپ کے بادشاہوں میں شامل نہیں کیا گیا اور اس براعظم کی تاریخ کی کتابوں میں بھی اس خوف و ہراس نیز ہیبت کی ایک ہلکی سی جھلک ہی نظر آتی ہے جس سے اہل یورپ کے دلوں میں تھرتھری پیدا ہو جاتی تھی۔ آج ساڑھے پانچ صدی بعد اہل یورپ پر عیاں ہو رہا ہے کہ وہ دنیا کا آخری فاتح تھا۔ نپولین اور بسمارک کی عظمت مسلم سہی مگر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ نپولین کی موت ناکامی و نامرادی کی ظلمت میں ہوئی اور بسمارک کو ایک محدود ملک کی سیاسی قیادت سے زیادہ کچھ نصیب نہ ہوا۔ اس کے برعکس تیمور نے ایک وسیع سلطنت بنائی، جتنی جنگیں لڑیں ان میں فتح مند ہوا اور جو آخری سلطنت تسخیر ہونے سے رہ گئی تھی اسے زیر کرنے کی غرض سے سفر کے دوران میں داعی اجل کو لبیک کہی۔

اس کے کارناموں کی عظمت و اہمیت کا اندازہ کرنے اور اس کے عزائم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے حالات پر غور کریں اور تیمور کا مطالعہ اس نگاہ سے کریں جس سے وہ شہسوار اسے دیکھا کرتے تھے جنہیں اس کی ہمرکابی کا فخر حاصل ہوتا تھا۔

ہمیں وہی کرنا چاہئے جو کلاویہو نے کیا تھا۔ آیئے خوف و ہراس کے پردے کو ہٹا کر ہولناک کلہ میناروں کے ماوراء دیکھیں، تصور میں ایشیا کی اس عظیم شاہراہ پر جو سرزمین آفتاب (خراسان) کو جاتی ہے، سمرقند کی جانب روانہ ہو جائیں اور اپنے ذہن کو ساڑھے پانچ صدی پیچھے لے جا کر 1335ء پر مرکوز کر دیں۔

لیجئے دیکھئے!

اب ہمارے سامنے ایک دریا ہے ....

پہلا حصہ

ماوراء النہر

کلاویہو اپنے تذکرے میں لکھتا ہے:

"یہ دریا ان چار دریاؤں میں سے ہے جو جنت سے نکلے ہیں!" اور اس دریا سے سیراب ہونے والے علاقے کے بارے میں کہتا ہے:

"یہ ملک حسین، تابناک اور خوش باش ہے۔"

دور، افق کے پس منظر پر، پہاڑوں کے سلسلے بلند ہوتے ہوئے تخت سلیمان کی چوٹی تک پہنچ رہے ہیں، دامن کہسار کی پست و بلند پہاڑیاں ہری ہری گھاس سے ڈھکی ہوئی ہیں اور ان کے درمیان صاف شفاف ٹھنڈے پانی کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ اس سرسبز پہاڑی خطے میں چرواہے بھیڑیں چرانے پھرتے ہیں اور اس سے ذرا نیچے، دیہات کے قریب جہاں گھاس زیادہ گھنی ہے، مویشیوں کے ریوڑ چر رہے ہیں۔

دریا چونے کی چٹانوں میں بل کھاتا ہوا تیز بہہ رہا ہے، ہموار علاقے میں پہنچ کر شہتوت کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے پٹی ہوئی وادی میں اس کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے، یہاں اس میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی ہیں جو دھان، تربوز اور جو کے کھیتوں کو سیراب کرتی ہیں۔ جہاں تہاں رہٹ چل رہے ہیں، جو اپنی روں روں سے سنسان فضا کے سکوت کو توڑتے رہتے ہیں اس کے ساتھ ہی پانی نہروں کی سطح تک بھی پہنچاتے رہتے ہیں۔

اس دریا کو دریائے آمو کہتے ہیں۔ یہ صدیوں سے ایران اور توران یعنی شمال اور جنوب کے درمیان حد فاصل ہے۔ اس کے جنوب کی جانب خراسان ہے، جس کے فارسی بولنے اور کھیتی باڑی سے گزر اوقات کرنے والے عمامہ پوش باشندے متمدن، مہذب اور ایشیائے قدیم کے شریف طبع درویش صفت لوگ ہیں۔

دریا پار، شمال کی طرف توران ہے، جس کی نامعلوم گہرائیوں سے گھوڑے اور مویشی پالنے اور خود نما ٹوپی پہننے والے خانہ بدوش ابھرے تھے۔ اس دریا کے سوا اور کوئی حد فاصل نہیں ہے، اسی لئے اس سے شمال کی طرف واقع سرزمین کو ماوراء النہر یعنی دریا پار کا

علاقہ کہتے ہیں۔

سمرقند جانے کے لئے مسافروں کو یہی دریا عبور کرنا پڑتا تھا۔ دریا کے اس طرف پہلے شاہ بلوط کے گھنے جنگل سے گزرنا پڑتا تھا۔ پھر بھربھرے پتھر کے چھ سو فٹ اونچے پہاڑوں کی تنگ گھاٹی کا درہ آتا تھا جس میں آواز کی بازگشت آواز نکالنے والے کا مضحکہ اڑاتی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا نام دربند آہنیں (باب الحدید) تھا' کیونکہ اس کے تنگ و تاریک راستے سے دو سے زیادہ اونٹ ساتھ ساتھ نہ گزر سکتے تھے۔ یہاں دو مہیب پہریدار کھڑے رہتے تھے جو مسافروں کے چہروں کو بغور دیکھتے تھے۔

یہ پہریدار قوی الجثہ ہوتے تھے' ان کی چھدری مونچھیں ان کی ٹھوڑیوں پر جھکی پڑتی تھیں' آہستگی سے بولتے اور الفاظ کو طول دے کر ادا کرتے' جیسے ہر لفظ سوچ سوچ کر بولا جارہا ہے۔ ان کے جسم پر باریک کڑیوں دار زرہ' اور سر پر خود اور خود پر گھوڑے کی دم کا طرہ ہوتا تھا یہ ماوراء النہر کے سرحدی محافظ تھے۔

باب الحدید سے گزرنے کے بعد جس جگہ پہلی سرائے آتی تھی وہ نہایت زرخیز اور شاداب تھی۔ وہاں ایک چھوٹا سا دریا اس طرح بہتا تھا جیسے اسی خطے کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے چاروں طرف پہاڑ کھڑے تھے اور گرداگرد پانی سے بھری ہوئی خندق تھی۔ اس کا نام شہر سبز تھا۔ اس پر پہلی نظر انجیر اور خوبانی کے پھولوں سے لدے ہوئے درختوں سے گزر کر اندرون شہر کے مزاروں کے سفید گنبدوں اور نیزوں کی شکل کے میناروں پر پڑتی تھی جو پہریداری کرنے کے کام بھی آتے تھے۔

تیمور کی پیدائش (7) اسی شہر سبز میں ہوئی تھی اور اسے اس سے بے حد انس تھا۔ اس کا گھر لکڑی اور کچی اینٹوں کا تھا۔ چار دیواری کے اندر صحن میں ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی تھا۔ مکان کی چھت ہموار اور منڈیر دار تھی جس کی اوٹ میں ایک بچہ شام کو چوری چھپے لیٹ کر کھیتوں سے لوٹتے ہوئے مویشی اور بھیڑوں کو دیکھ سکتا اور موذن کی صدا سن سکتا تھا۔

یہاں دراز ریش لوگ جو کھلے عبا پہنے ہوتے تھے' برابر آتے رہتے تھے۔ وہ اپنے غالیچے بچھا کر ان پر دراز ہو جاتے اور قافلوں کی آمد و رفت اور دیگر اہم واقعات کے ذکر اذکار کرتے رہتے۔ جنگ کا ذکر تو ہمیشہ ہی کرتے کیونکہ جدال و قتال کا سایہ اس شہر پر ہر وقت پڑتا رہتا تھا۔

تیمور یہ فقرہ اکثر سنا کرتا تھا ----- "ارین مور لیکین بو!" (مرد کے سامنے ایک ہی

راستہ ہوا کرتا ہے)۔

اسے اس عمر میں اور باتوں کی تو زیادہ سمجھ نہیں تھی البتہ بزرگوں کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اس کے لئے قانون ہوتا تھا مگر نوجوان بڑوں کے الفاظ سے بھی زیادہ ان کے ہتھیاروں کی طرف توجہ دیا کرتے۔ ان نوخیز بہادروں کے نزدیک تلوار کی دھار کی تیزی اور نیزے کی سان رکھی ہوئی انی زیادہ قابل توجہ ہوتی تھی۔

یہ لڑکے گھوڑوں کے ساتھ پل کر جوان ہوتے تھے۔ سمرقند کی سڑک کے کنارے چراگاہوں اور خیابانوں میں جہاں کہیں کھلی زمین نظر آجاتی' شہسواری کے مقابلے ہوتے۔ کبھی سوار سے سوار کا مقابلہ' کبھی گھوڑے کا گھوڑے سے مقابلہ اور "شہسوار" خالی ہاتھ نہیں بلکہ تیر کمان سے مسلح ہوتے اور ان سے چرند پرند کا شکار بھی کر لیتے۔ ان کا ایک قلعہ بھی ہوا کرتا تھا جو کسی چٹان کے آگے کو نکلے ہوئے حصے کے تلے ایک کشادہ سا غار ہوتا تھا۔ اسی میں شکاروں کی یادگار چیزیں رکھا کرتے اور اسکے گرد جنگ کھیلتے۔ کبھی حملہ' کبھی دفاع اور کبھی محاصرہ۔ جب ان کے گھوڑے چرتے اور کتے سوتے ہوتے وہ اس کھیل میں محو ہو جاتے۔ تیمور ہمیشہ سردار بنتا تھا۔ یوں تو اس کی فوج تین چار ساتھیوں ہی پر مشتمل ہوتی تھی مگر ہوتی تھی فوج ہی اور شغل بھی وہی ہوتا تھا جو فوجوں کا ہوا کرتا ہے۔

تیمور یہ کھیل بڑی سنجیدگی سے کھیلا کرتا تھا اور اس کی کسی بات کو کبھی ہنسی مذاق نہ سمجھتا تھا۔ اس کے گھوڑے تو اتنے اچھے نہ ہوتے جتنے اس کے ساتھیوں کے ہوتے تھے مگر شہسواری میں سب سے بڑھ چڑھ کر رہتا اور پھر جب یہ لڑکے اتنے بڑے ہوئے کہ انہیں شکار کے لئے سچ مچ کی تلواریں دی گئیں تو تیمور ان تلواروں کے استعمال کے معاملے میں بھی سب کا استاد بن گیا۔

اس کی سنجیدگی کا باعث شاید اس کی تقریباً تنہا زندگی ہو۔ ماں کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا' باپ جو قبیلہ برلاس (8) کا سردار تھا' اپنا وقت ان سبز پوش بزرگوں کی صحبت میں گزارا کرتا تھا جو بیت اللہ کا حج یا مقدس مقامات کی زیارت کرکے واپس آتے تھے۔ مگر زندگی میں تنہا ہونے کے باوجود تیمور کبھی تنہا ہوتا نہ بیکار رہتا۔ اس کے گھوڑے' باز اور کتے اسکے ہجولی تھے' اور وہ ان کو ساتھ لئے ہوئے ہر وقت سیر و شکار میں مشغول رہتا تھا۔ یہ سب کچھ تو تھا مگر امارت نہ تھی۔ گھر میں صرف دو نوکر تھے اور گھوڑے اتنے بھی نہ تھے کہ ان سے آدھا اصطبل ہی بھر جاتا۔ اسکا باپ اپنے قبیلے کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ مگر صاحب حکومت نہ تھا۔ وہ صاحب سیف تو تھا مگر غریب تھا۔

نوجوان تیمور جی بھر کر سواری کرتا اور اکثر اپنے "قلعے" میں بیٹھا سمرقند کی اس سڑک کی طرف دیکھا کرتا جس سے دولتمند ایرانی تاجروں کے قافلے گزرتے تھے۔ ان کی نقاب پوش عورتیں، جن کے گرد محافظوں کا حلقہ ہوتا تھا، تاتاری عورتوں سے بہت مختلف ہوتی تھیں جو بے پردہ اور بے نقاب رہتی تھیں۔ اس عظیم شاہراہ پر چھریرے بدن کے عرب سوداگر جو اپنے گھوڑوں کی باگیں تھامے، پیدل چلتے نظر آتے تھے، بلاد شمال کا ابریشم اور قالین اور خطا (9) کا زر بفت لے کر جاتے تھے۔ غلاموں کے قافلے بھی زردی مائل دھول اڑاتے ہوئے گزرا کرتے تھے اور اس راہ میں ان گداگروں کی بھی کمی نہ تھی جو ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں کشکول لئے شہر شہر بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھی کوئی یہودی بھی اپنے خچر پر سوار گزر جاتا یا کوئی ہندو بیوپاری اس دور دراز دیس میں افغان ڈاکوؤں کا رونا روتا ہوا آنکلتا۔

شام کو جب قافلے سرائے میں پہنچتے تو خیمے نصب کر چکنے کے بعد الاؤ اور چولہے سلگا لئے جاتے۔ غروب آفتاب کا وقت انسانوں کی آوازیں اونٹوں، خچروں اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کہیں کہیں پس نقاب نقرئی قہقہے اور آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دھواں، سب مل کر ایک عجیب سا منظر اور ایک انوکھی سی فضا پیدا کر دیتے۔ تیمور دو زانو بیٹھ کر قافلے والوں کی داستانیں اور مختلف اشیاء کی گھٹتی بڑھتی قیمتوں پر ان کے تبصرے سنتا اور اسے سمرقند میں بیٹھے بیٹھے دنیا بھر کی خبریں معلوم ہو جاتیں۔ جب اس کا باپ اسے قافلے والوں کے پاس بیٹھنے پر برا بھلا کہتا تو وہ سوکھا سا منہ بنا کر کہہ دیتا "مرد کے سامنے صرف ایک راستہ ہوا کرتا ہے۔"

خود پوش جوان

ہرچند یہ پوری وادی اور جو کچھ اس میں تھا سب برلاس قبیلے کی میراث تھا مگر یہ کہنا کہ یہ سب کچھ ان کی ملکیت تھا اس لئے درست نہ ہوگا کہ وہ اس سرسبز و شاداب وادی میں زراعت کرتے اور مویشی پالتے رہنے کے صرف اس وقت تک مجاز تھے جب تک ان کے بازوؤں میں قوت اور ان کی آبدار تلواروں کی دھار تیز رہے۔ سلسلہ کوہ کے اس طرف جو خان اعظم حکومت کرتا تھا اس نے بہت عرصے پہلے ان کے آبا و اجداد کو یہ وادی عطا کی تھی مگر صرف اس کا عطا کر دینا کافی نہ تھا۔ وہ اس وادی پر اپنے ذہن اور جسم کی تندرستی و توانائی نیز اپنے سرداران قبیلہ کی دوراندیشی و معاملہ فہمی کے بل پر قابض چلے آرہے تھے۔

برلاس نسلاً تاتاری (10) تھے۔ قد اونچے اونچے، جثے مضبوط اور چوڑے چکلے، چہرے تمازت آفتاب سے جھلسے ہوئے اور ان چہروں پر ڈاڑھیاں۔ پا پیادہ بہت کم چلتے مگر جب پیدل چلنا پڑ ہی جاتا تو ان کی چال میں ایک عجیب بانک پن اور تمکنت ہوتی۔ کیا مجال جو کسی ہم قبیلہ یا ہم پلہ قبیلے کے کسی فرد کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیں۔

وہ گھوڑے پالتے جو مضبوط، جفاکش اور کوہستانی راستوں کے عادی ہوتے۔ بہت کم ایسے ہوتے جن کی مالی حالت صبا رفتار گھوڑے یا چوگان کے قابل یابو پالنے کی اجازت دیتی مگر جو اس قابل ہوتے تھے ان کے گھوڑوں کی راسوں پر چاندی کا کام ضرور ہوتا اور وہ کاٹھیوں پر کڑھے ہوئے زین پوش بھی ضرور ڈالتے۔ غریب سے غریب تاتاری کو بھی اپنے خیمے سے مسجد تک جانا ہوتا تو گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا۔

ان کی قبائلی زندگی کا آغاز خیموں کے رہن سہن سے ہوا تھا اور اب یہ طرز زندگی ان کے خون میں رچ گیا تھا۔ ان کے ہاں یہ مثل مشہور تھی کہ صرف بزدل چھپ کر رہنے کے لئے قلعے اور مینار بناتا ہے۔

ان کے گنبدوں جیسے خیمے سفید نمدے کے ہوا کرتے تھے یا پھر وہ قالین بچھے ہوئے شامیانے یا تنبو کے تلے بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ عام طور پر ہر تاتاری کا شہر میں بھی ایک مکان ضرور ہوتا تھا۔ اس میں وہ مہمانوں کی ضیافت کرتا یا وقت ضرورت اپنے اہل و عیال کو بھیج دیتا۔ سو سال قبل تاتاری سچ مچ خانہ بدوش تھے اور چراگاہوں کی تلاش میں صحراؤں

میں سرگرداں پھرا کرتے تھے۔ ان کے آباؤاجداد لڑبھڑ کر ایشیا کے بیشتر حصے کے مالک بنے تھے چنانچہ وہ ہر اعتبار سے تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے تھے۔ وہ اپنے قبیلے کی اس کہاوت کی حقیقت سے آشنا تھے کہ "صحرا کی ریت تو ہوا کے ایک ہلکے سے جھونکے سے اڑ ہی جاتی ہے مگر انسان کی دولت اس سے بھی زیادہ ہلکے جھونکے سے اڑ سکتی ہے۔"

جب ضیافتوں میں شریک ہوتے تو خوب کھاتے پیتے۔ شراب پیتے وقت نشے کی وجہ سے ان پر رقت طاری ہو جاتی مگر میدان جنگ میں ہنستے ہی رہتے تھے۔ ان میں شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو جس کے چہرے پر زخموں کے نشان نہ ہوں۔ چھت کے نیچے مرنا ان کا دستور نہ تھا۔ کڑیوں دار فولادی زرہ پہننا ان کی عادت میں داخل تھا اور جب باہر نکلتے تھے تو دھاری دار ریشمی جبے کے نیچے یہ فولادی زرہ ضرور پہنے ہوتے تھے۔

زمانہ امن میں اپنا سپاہیانہ جوش و خروش شکار میں نکالتے تھے۔ یوں ان کا تیز و تند لہو گرم رہتا۔ پہاڑی لوگ انہیں باز اور شاہین دے کر ان کی بھیڑیں لے جاتے۔ باز رکھنے سے وقار میں اضافہ ہوتا تھا مگر شاہین سے تو اس کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ جب وہ ہرن پر جھپٹتا تو دیکھنے والے اس کے مالک کی تعریفیں کرتے۔ بعضوں نے سدھائے ہوئے چیتے بھی پال رکھے تھے جنہیں پنجروں میں بند کر کے رکھا جاتا تھا۔ ان کی آنکھوں پر اندھیریاں چڑھی رہتی تھیں' جب ہرن نظر آتے ہی چیتے کی آنکھوں پر سے پٹی ہٹا دی جاتی تو وہ فوراً ہرن کے پیچھے پڑ جاتا اور شہسوار اس تعاقب کا تماشا دیکھتے۔

وہ لمبی بھاری کمان سے تیر چلانے میں کمال رکھتے تھے۔ دہرے پھل کے تیروں سے اڑتے ہوئے پرندوں کو گرا لیتے اور شیر کا شکار پیدل کرتے۔ جب وہ دسترخوان پر کھانا کھانے بیٹھتے تو سب ایک ہی برتن میں کھاتے' اس وقت ان کے باز اڈوں پر سے شور مچاتے رہتے اور ان کے وفادار کتے ان کے پیچھے خاموش بیٹھے رہتے اور ان کی مرغوب غذا شکاری جانور کا گوشت' گھوڑے کا گوشت اور اونٹ کے پٹھے کا گوشت تھا۔

وہ عربوں کی شجاعت کے مداح تھے اور صحرا کے ان مکینوں کی طرح انہیں بھی گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بغیر کل نہ آتی۔ یہ بے چینی شکار کھیلنے' جنگ میں حصہ لینے اور علم کے ساتھ ساتھ چلنے ہی سے دور ہوتی۔ ان کا زیادہ وقت بادشاہ گر کے دربار میں گزرتا تھا۔

خاندان برلاس کا طنطنہ ایک جنگجو نسل کا طنطنہ تھا۔ ان کی امارت اور سرداری شمشیر کی امارت اور سرداری تھی۔ تاجروں اور زراعت پیشہ لوگوں میں شادی کرنا اپنی نسل برباد کرنا سمجھتے تھے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ سوداگری سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مالی طور

پر تباہی کے قریب ہوتے چلے جا رہے تھے۔ یہ تاتاری بہت فیاض بلکہ ضرورت سے زیادہ فیاض ہوتے تھے۔ معمولی معمولی ضیافتوں کے لئے جائیدادیں بیچ ڈالتے یا رہن رکھ دیتے' مہمان نوازی کو سب سے بڑا مجلسی فریضہ سمجھتے تھے چنانچہ ان کے صحن مسافروں سے جو ان کے مہمان ہوتے بھرے رہتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی بھیڑیں ایک ایک کر کے دیگوں میں پہنچتی رہتی تھیں۔ مگر اتنے ہی ظالم اور سرکش بھی تھے۔

وہ قبیلے جو شہر سبز کی وادی میں آباد تھے' قبیلہ برلاس سے زیادہ فائدے میں تھے۔ وہاں کاشتکار اپنی زمینوں' کھیتوں اور آبپاشی کی نالیوں کے آس پاس بے روک ٹوک اپنے کام میں مصروف رہتے' تجارت پیشہ لوگ' جو شہروں میں آباد تھے' اپنی دکانوں پر مال کے انباروں کے پاس بیٹھے رہتے اور ایرانی امراء بھی اپنے اپنے شوق پورے کرتے رہتے' کوئی لہو و لعب میں مگن رہتا' کوئی باغوں میں دادعیش دیتا اور کوئی قرآن مجید کی تلاوت کر کے ثواب دارین حاصل کرتا کیونکہ ایرانی اسلامی شرح کے پابند ہوگئے تھے' یہ تو خود پوش تاتاری ہی تھے جو ابھی تک چنگیزخانی قوانین کے پابند اور جنگ و جدل کے دلدادہ تھے۔

قبیلہ برلاس کی حالت اس وجہ سے بھی دگرگوں ہوگئی تھی کہ اس کا کوئی سردار نہ تھا۔ طراغائی جو ایک زمانے میں اس کا سردار ہوا کرتا تھا۔ نہایت نرم دل انسان تھا اس لئے جس رنگ میں اسلام اس کے سامنے پیش کیا گیا اس کا اثر طراغائی پر یہ ہوا کہ اس نے عزلت نشینی اختیار کرلی۔ طراغائی تیمور کا باپ تھا۔ جب سے اس نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی' بیرون شہر کا قصر سپید خالی پڑا تھا۔ پہلے اس میں طراغائی رہا کرتا تھا۔

اس نے ایک دفعہ تیمور سے کہا تھا: "یہ دنیا اس سنہری پیالے کی مانند ہے جس میں سانپ اور بچھو بھرے ہوئے ہوں۔ میں اب اس سے بیزار ہو چکا ہوں۔"

مگر اس نے بیٹے کو اپنے آبا و اجداد کی عظمت سے بے خبر نہ رہنے دیا وہ اسے ہر مناسب موقعے پر بزرگوں کے زریں کارناموں کے حالات سناتا اور شمالی خطے میں جو صحرائے گوبی کے اوپر تھا' ان کی جو وسیع مملکت تھی اس کا برابر ذکر کرتا رہتا۔ یہ داستانیں جو عہد بربریت کے عجیب و غریب کارناموں کی داستانیں ہوتی تھیں طراغائی تارک الدنیا ہونے کے باوجود فخریہ سناتا تھا۔

یہ ان شہسواروں کی داستانیں ہوتی تھیں جن کا فرش گھاس کے سبز قالین پر بچھے ہوئے نمدے کا ہوا کرتا تھا اور جن کے سروں پر سائے کے لئے دن کو آفتاب اور رات کو ماہتاب اور ستارے ہوتے تھے۔ ان ستاروں سے انہیں عشق تھا۔ انہیں کی طرح وہ خود بھی

ہر وقت حرکت میں رہتے تھے۔ گرمیوں میں جوں جوں برف پگھلتی جاتی وہ اس کے تعاقب میں بلندیوں پر چڑھتے جاتے اور موسم سرما شروع ہونے پر جب وہ نیچے اترتے آتے تو برف کے انبار ان کے عقب میں نظر آتے۔ اس آمد و رفت میں کبھی ان کے گھوڑوں کے سموں سے برف کے گالے اڑا اڑ کر ایک سفید سفوف سا بکھرنے کا سماں دکھاتے اور کبھی ریت کے تودے ان کی مشق ناز سے پامال ہوتے۔ وہ جہاں جا نکلتے مالک کل بن جاتے۔ کبھی کاروانوں کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے' کبھی کسی کمزور مملکت کا گلا دبوچ لیتے۔ انہوں نے قرن دار علم کے سائے میں بارہا خطا کے محاصرے کئے۔ ان محاصروں کی داستانیں بڑی دلچسپ ہوتی تھیں۔ اسی طرح اس شکار کا حال بھی کچھ کم دلچسپ نہ ہوتا تھا جو پانچ سو میل اور کئی مہینے تک جاری رہا تھا۔

طراغائی دور بربریت کی قربانیوں کا ذکر بھی کیا کرتا تھا کہ کس طرح سردار قبیلہ کی قبر پر سفید گھوڑے چڑھائے جاتے تھے اور کس طرح وہ گھوڑے آسمان کے اس دروازے سے جنت میں داخل ہو کر روحوں کو قرار و سکون بخشتے تھے جو دنیا کی شمالی بلندیوں کی سمت' قطب شمالی کے قریب واقع ہے۔

طراغائی خطا کی ان شہزادیوں کا بھی ذکر کیا کرتا تھا جو صحراء کے خوانین کو پیش کی جایا کرتی تھیں اور جو جہیز میں حریر و کتان اور ہاتھی دانت کی نقشین چیزیں لاتعداد اونٹوں پر لاد کر اور بے شمار گاڑیوں میں بھر کر ساتھ لایا کرتی تھیں۔ وہ ان جنگوں کے کامیاب اختتام اور ان ضیافتوں کا تذکرہ بھی ضرور کرتا جن میں فاتح خان اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں کے مرصع سنہری پیالوں میں گھوڑیوں کا دودھ پیا کرتے تھے۔

"بیٹا یہ تھے حالات" طراغائی کہتا "خان بزرگ چنگیز خان کی تسخیر عالم سے پہلے' پھر وہ مر گئے۔ تقدیر میں یونہی لکھا تھا چنانچہ یونہی ہوا۔ جب موت کا فرشتہ ان کی روح قبض کرنے آیا تو انہوں نے ساری دنیا چار سلطنتوں میں تقسیم کر کے اپنے بیٹوں میں اور اپنے بڑے بیٹے کے بیٹوں میں' جو اس کی زندگی میں مر گیا تھا' بانٹ دی۔ منجھلے بیٹے چغتائی کو اس خطے کی سلطنت بخشی تھی جس میں ہم آباد ہیں مگر چغتائی کی اولاد مے و مینا اور سیر و شکار کی دلدادہ ہو کر تباہ ہونے لگی اور پھر شمالی پہاڑوں کی جانب چلی گئی۔ وہاں خان "ترا" (11) ضیافتیں کھانے کھلانے اور شکار کھیلنے میں مصروف رہتا ہے اور سمرقند' نیز جملہ ماوراء النہر کی حکومت امیر قزغن کے حوالے کر رکھی ہے' جسے بادشاہ گر کہتے ہیں۔ باقی حالات سے تم واقف ہی ہو!"

"مگر بیٹا" عموماً وہ اپنی بات ان الفاظ پر ختم کرتا: "میری خواہش ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے احکام حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر رہ کر درویشوں اور سیدوں کی دعائیں لیتے رہو اور ہمیشہ اسلام کے چہار ارکان: نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کے پابند رہو۔"

طراغائی نے تیمور کو اپنی دنیا خود بنانے کی آزادی دے دی تھی۔ مگر اس اثنا میں علماء و مشائخ کی توجہ مبذول ہو چکی تھی۔ ایک دن ایک سفید ریش سید بزرگ نے تیمور کو مسجد کے ایک گوشے میں قرآن کے ایک پارے کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو قریب آ کر اس سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "تیمور!"

ان بزرگ نے جھک کر قرآن شریف میں وہ مقام (12) دیکھا جس کی وہ تلاوت کر رہا تھا' پھر کچھ سوچا اور کہا: "بیٹا! جب تک تم اسلام کا تحفظ کرتے رہو گے خود بھی حفاظت خداوندی میں رہو گے۔"

تیمور پر ان بزرگ کی اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ کچھ عرصے تک چوگان اور شطرنج سے بھی تائب رہا۔ کسی بزرگ یا درویش کو راستے میں کسی درخت کے نیچے بیٹھا دیکھتا تو گھوڑے سے اتر پڑتا اور اس سے اپنے لئے دعائے خیر کا طالب ہوتا۔ اسے قرآن شریف پڑھنے میں دقت ہوتی تھی اس لئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس نے اپنی توجہ پہلے ہی پارے پر مرکوز رکھی اور اسے حفظ بھی کر لیا۔

اس وقت اس کا سن سترہ سال کے لگ بھگ تھا۔ مسجد کے صحن میں علمائے دین کے پاس بیٹھ کر ان کے مباحث سنتا اور خطبے کے دوران میں نمازیوں کی آخری صف میں نمازیوں کے جوتوں کے قریب بیٹھتا۔ اس کا وقائع نگار لکھتا ہے کہ ایک روز مشائخ میں سے ایک بزرگ مولانا زین الدین نے اسے وہاں بیٹھے دیکھ لیا اور اپنے پاس بلا کر اپنی چادر' کلاہ اور انگوٹھی عطا کی۔ اس انگوٹھی کا نگینہ فیروزے کا تھا۔ مولانا زین الدین مردم شناس' دانشمند اور رہنما قسم کے مشائخ میں سے تھے۔ تیمور کو شاید ان کا یہ عطیہ بھی تمام عمر یاد رہا ہو مگر ان کے دل میں اتر جانے والی نظریں اور بھاری آواز تو یقیناً یاد رہی ہوگی۔

ان دنوں جو شخص قبیلہ برلاس کا سردار مانا جاتا تھا وہ تیمور کا حقیقی چچا حاجی برلاس تھا۔ مگر وہ شہر سبز میں شاذ و نادر ہی نظر آتا۔ اسے تیمور سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی اور یوں بھی وہ رعونت پسند' شکی اور مردہ دل آدمی تھا چنانچہ اس کے زمانے میں قبیلے کی حالت پہلے سے

بھی بدتر ہوگئی اور اس کے اکثر امرا اور جنگجو بہادر امیر قزغن کے دربار میں چلے گئے۔ تیمور کے باپ نے اسے بھی وہیں پہنچ جانے کا مشورہ دیا' چنانچہ تیمور نے بھی اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے ادھر ہی کا رخ کیا۔

سالی سرائے کا بادشاہ گر

ان دنوں تیمور ایک ایسا شریف زادہ تھا جو کوئی کام دھندا نہ کرتا ہو' مگر جہاں تک اس کے مزاج کا تعلق تھا اس میں بیکاری کو مطلق دخل نہ تھا۔ وہ کشادہ سینے' مضبوط اعضا اور صحت مند بدن کا قوی ہیکل نوجوان تھا۔ اس کا سر بڑا تھا اور اسے یہ سر اونچا رکھنے کا انداز بھی آتا تھا۔ پیشانی کشادہ تھی اور آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں چنانچہ جب مخاطب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تو اسے مسحور کر لیتا۔ اس کی رگ رگ میں زندگی تھی جو اس کے حساس دہن اور کشادہ چہرے سے ظاہر ہوتی تھی۔ بولتا کم تھا مگر جب بولتا تو اس کی بھاری آواز پر اثر ہوتی۔ بے مصرف باتوں اور ہنسی مذاق سے اسے چڑ تھی' تمام عمر کبھی کسی لطیفے کی داد نہ دی۔

اس کی زندگی کی ایک جھلک اس واقعے میں نظر آتی ہے کہ ایک دفعہ موسم سرما میں ہرن کے تعاقب میں اس حالت میں گھوڑا سرپٹ دوڑائے چلا جارہا تھا کہ سب ساتھی پیچھے رہ گئے تھے۔ اچانک ایک گہرا پاٹ دار نالا سامنے آگیا۔ تیمور نے گھوڑا موڑنے کی کوشش کی مگر مڑنے کے لئے جگہ نہ تھی اس لئے مڑ نہ سکا۔ اس نے مہمیزیں گھوڑے کے پہلو میں گاڑ کر اسے نالا پھاندنے پر مجبور کیا مگر نالا گھوڑے کی جست سے زیادہ چوڑا تھا چنانچہ اس کی پچھلی ٹانگیں ادھر ہی رہ گئیں اور وہ لڑکھڑا کر نالے میں گر پڑا۔ مگر اس کے سوار نے پلک جھپکتے میں اپنے پاؤں رکاب سے آزاد کئے اور کود کر نالا پار کرگیا' پیچھے ایک خالی گھوڑا ساتھیوں کے ساتھ آرہا تھا' مڑ کر اسے پکڑا اور اس پر سوار ہوگیا۔ اس وقت سورج غروب ہورہا تھا۔ سب نے گھر کا رخ کیا مگر ایک تو رات اندھیری تھی' اوپر سے بارش شروع ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راستہ بھول گئے۔ سردی اتنی زیادہ تھی کہ دانت سے دانت بج رہا تھا۔ اس حال میں چلتے چلتے چند سیاہ ٹیلوں کے پاس سے گزرے۔ تیمور کے ساتھی کہنے لگے کہ یہ ٹیلے ریت کے تودے ہیں مگر تیمور کی رائے ان سے مختلف تھی۔ اس نے گھوڑے کی راسیں چھوڑ کر اس کی ایال پکڑ لی اور تودوں کی جانب مڑ گیا۔ معاً" روشنی نمودار ہوئی جس میں کالے کالے نمدے کے خیمے نظر آئے اور پھر ان خیموں میں سے کچھ آدمی کتوں سمیت جھپٹ کر نکلے اور قریب تھا کہ نووارد شکاری پر حملہ کر دیں اتنے میں تیمور پکار اٹھا "خیموں

کے لوگو! میں طرغائی کا بیٹا ہوں۔"

تیمور کی یہ بات سنتے ہی ادھر شمشیریں نیاموں میں ڈال لی گئیں۔ دیگر ہتھیار بھی الگ رکھ دیئے گئے اور اس کی ضیافت کی تیاریاں کی جانے لگیں۔ دیگیں چڑھا دی گئیں' بھیڑیں ذبح کی جانے لگیں اور جہاں جہاں فرش سوکھا تھا وہاں مہمانوں کے لئے تو شکیں بچھا دی گئیں۔ مگر ان میں پسو تھے' تیمور کو نیند نہ آئی' بستر سے نکل کر آگ پر اور لکڑیاں ڈلوا کر اس کے قریب جا بیٹھا اور قصے سننے سنانے لگا' اسی میں صبح ہوگئی۔ بارش تھم چکی تھی' تیمور اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے رخصت ہوا۔ سالہا سال بعد اس نے اس رات کی میزبانی کے صلے میں سیاہ خیموں والوں کو بیش بہا تحائف بطور انعام بھیجے۔

تاتاری بڑے زبردست جہاں گرد تھے۔ تیمور' سمرقند سے خراسان تک جہاں چاہتا جاتا اور جس جگہ چاہتا رک جاتا۔ وہ ہر خیمے اور ہر صحن میں ڈیرہ ڈال سکتا تھا اور ہر جگہ اس کی خاطر مدارات ہوتی تھی' اکثر اپنے چند ساتھیوں سمیت ہزاروں میل کا سفر ایک عشرے میں طے کرلیتا۔ پہاڑوں کی دشوار گزار پگڈنڈیاں' میلوں لمبے ریگزار اور سرسبز و شاداب وادیاں' سب اس کی جولانگاہ تھیں۔ اس کا سامان بہت مختصر ہوتا تھا۔ صرف ایک تلوار اور ایک ہلکی شکاری کمان۔ کون تھا جو اس سے باتیں کرنے میں حظ محسوس نہ کرتا۔ کاروانوں کے عرب سردار برلاس قبیلے کے سردار کے بیٹے سے باتیں کرنا باعث عزت سمجھتے تھے۔ اور تو اور پہاڑی علاقوں کے جو باشندے دریا کے کنارے ریت نتھار کر سونا اکٹھا کیا کرتے تھے وہ بھی تیمور سے مل کر خوشی محسوس کرتے اور اسے اپنے خاندان کے واقعات اور گھوڑوں اور غیر قبیلوں کے حالات سناتے۔ تیمور کو قبائلی سرداروں سے شطرنج کھیلنے کا بھی شوق تھا اور وہ اکثر ان کے قلعوں میں بیٹھ کر گھنٹوں اس کھیل میں مشغول رہتا۔ انہیں سرداروں میں سے ایک نے ایک مرتبہ تیمور سے کہا "سالی سرائے کے بادشاہ گر نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔"

تیمور جانے کو تیار ہوگیا مگر ادھر روانہ ہونے سے پہلے اسے اپنی چیزوں کا بندوبست بھی تو کرنا تھا۔ بھیڑیں چرواہوں کے سپرد کیں' دودھ مکھن اور اون کا چوتھا حصہ دیکھ بھال کر اجرت مقرر کی اور اونٹوں گھوڑوں اور بکریوں کا بھی ایسا ہی انتظام کردیا۔ تاریخوں میں اور کسی شے کا ذکر نہیں آیا۔

پھر اس نے بہترین گھوڑوں کا ایک دستہ اور ایک خانہ زاد لڑکا عبداللہ ساتھ لیا اور جنوب کی طرف دریائے آمو کا رخ کیا۔ اتنا اہم سفر اتنی بے سروسامانی سے شاید ہی کسی شہزادے نے کیا ہوگا۔ نرم چمڑے کا گھٹنوں تک کا جوتا' نمدے کی سفید نوک دار ٹوپی'

مہین اعلیٰ قسم کے چمڑے کی نیم آستین اور کمر میں بھاری چرمی پٹکا جس پر چاندی کا کام اور فیروزے ٹکے ہوئے تھے۔ بھلا کون سا شہزادہ یا امیرزادہ ایسے لباس میں' اور یکہ و تنہا' اپنے بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا ہوگا۔ یوں بھی وہ دنیا میں تنہا ہی تھا۔ ماں کا انتقال ہوچکا تھا۔ باپ گوشہ نشینی اختیار کر چکا تھا۔ ہم قوم سردار موقع ملتے ہی دشمنی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ یہ تیمور ہی کی ہمت تھی کہ اس نے ایسے حالات میں ایسے خود سر شہسواروں اور شمشیر آزماؤں کے گروہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا جو طاقت کے سوا اور کسی چیز سے نہ دبتے تھے۔

سالی سرائے کے بادشاہ گر امیر قزغن نے چھوٹتے ہی کہا "خون اور نسل کا رشتہ مذہب پر مقدم ہے۔" (13)

سالی سرائے میں اس کے جوہر پرکھنے والے لاتعداد لوگ موجود تھے۔ شہسوار کس پائے کا ہے؟ تلوار کیسی چلاتا ہے؟ چھوٹی موٹی جھڑپوں ہی میں ذرا سی چوک سے آدمی کا کام تمام ہوجاتا تھا۔ اسے دربار کے حلقوں میں اس لئے بھی اہمیت دی گئی کہ وہ طراغائی کا اکلوتا بیٹا تھا۔ طراغائی برلاس قبیلے کا سردار رہ چکا تھا۔

اس وقت سالی سرائے میں کم از کم دو ہزار تاتاری سردار' سپہ گر اور جوانان قوم ایک جنگل میں خیمہ زن تھے مگر کسے پڑی تھی کہ تیمور کو کچھ سکھاتا۔ اسے سب کچھ اپنی ذہانت اور محنت ہی سے سیکھنا سکھانا تھا۔ اور وہ یہ کام کرکے رہا۔

ایک دن ایک گھڑسوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور یہ خبر دی کہ سرحد پار سے حملہ آور آئے ہیں اور گھوڑے ہنکا کر لے جارہے ہیں۔ قزغن نے تیمور کو طلب کیا اور چند نوجوان ساتھ لے جاکر گھوڑے چھین لانے کی ہدایت کی۔ تیمور اس وقت قزغن کے سرداروں کے پاس بیٹھا تھا' فوراً اٹھا اور روانہ ہوگیا۔ شہسواری' میلوں کا سفر' حملہ آوروں کا تعاقب اور حرب و ضرب ----- یہ کام تو اس کا من بھاتا مشغلہ تھا!

اس نے حملہ آوروں کو جالیا۔ مغربی علاقے کے ایرانی تھے' جنہوں نے لوٹ کا سامان چرائے ہوئے گھوڑوں پر لاد رکھا تھا۔ وہ تاتاریوں کو دیکھتے ہی دو ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ ایک ٹکڑی لوٹ کے سامان اور گھوڑوں کے ساتھ رہ گئی' دوسری مقابلہ کرنے کے لئے بڑھی۔ تیمور کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ سامان والی ٹکڑی پر حملہ کیا جائے۔

"نہیں!" اس نے سختی سے کہا: "اگر ہم نے لڑنے والی ٹکڑی کو مار لیا تو دوسری ٹکڑی کے ایرانی خود ہی بھاگ جائیں گے۔"

لٹیرے زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کرسکے۔ ان کو تلوار کے چند ہی وار کافی تھے' بہت جلد بکھر گئے اورراہ فرار اختیار کی۔ تیمور نے تمام گھوڑے اور لوٹ مار کا سامان اکٹھا کیا اور لاکر مالکوں کے حوالے کر دیا۔ قزغن بہت خوش ہوا اور اس کو ایک ترکش بطور تحفہ پیش کیا۔

تیمور کی اس کارگزاری سے بادشاہ گر قزغن کی نظروں میں اس کی وقعت بڑھ گئی اور وہ اس پر مہربان ہوگیا۔

"تم خاندان گورگان کے ایک فرد ہو۔" ایک دن قزغن نے تیمور سے کہا۔ مگر "ترا" نہیں ہو۔ تمہاری پیدائش سے سالہا سال قبل تمہارے جد امجد قاجولی خان نے قبل خان سے جو خاندان چنگیزی کا جداعلیٰ تھا (14) یہ عہدنامہ کیا تھا کہ فوج کے سپہ سالار قاجولی خان کی اولاد میں سے ہوا کریں گے اور قبل خان کی اولاد حکومت کرے گی۔ یہ عہدنامہ ایک فولادی تختی پر کندہ کیا گیا تھا جو چنگیزی خوانین کے پاس محفوظ ہے۔ یہ بات تمہارے والد نے مجھے بتائی ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔"

پھر کچھ سوچ کر اس نے کہا: "میرے لئے ایک ہی راستہ تھا۔ میں نے جنگ و جدل کرکے لوگوں کو مطیع کیا اور آج تک کبھی حرب و ضرب سے منہ نہیں موڑا ہے۔ اب میرے نام کا ڈنکا بجتا ہے اور لوگوں نے میری قیادت قبول کررکھی ہے کیونکہ ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں۔"

یہ سب باتیں تیمور بھی جانتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ چنگیز کا منجھلا بیٹا چغتائی خان اس پورے خطے پر حکومت کر چکا ہے جس میں جنوب کی جانب افغانوں کا ملک اور تخت سلیمان کی پشت کا کوہستانی علاقہ بھی شامل ہے۔ مگر گزشتہ سو سال کے عرصے میں چغتائی کی اولاد کی گرفت اپنی مملکت پر ڈھیلی پڑ گئی اور تاتاری صوبیدار یکے بعد دیگرے خود مختار ہوگئے۔ چغتائی خواتین نے شراب و شکار کو کافی سمجھا تھا اور شمال میں جا بسے تھے۔ اس کے بعد سے اب تک انہوں نے شہر سبز کا رخ لوٹ مار کے سوا اور کسی مقصد سے کبھی نہیں کیا تھا گو جب کبھی آتے تھے کہتے یہی تھے کہ بغاوت فرو کرنے آئے ہیں۔

قزغن کو ایک چغتائی خان (15) نے سمرقند کا حاکم مقرر کیا تھا۔ مگر مسلسل لوٹ مار بھی جاری رکھی اس سے تنگ آکر قزغن نے بغاوت کر دی۔ جنگ نے طول کھینچا مگر خان کی موت کے بعد قزغن ولایت سمرقند نیز ان علاقوں کا واحد حکمراں تسلیم کرلیا گیا جن میں برلاس قبیلے کے' نیز دیگر تاتاریوں کے صوبے بھی شامل تھے۔ اس نے چنگیزی قانون نافذ کرنے کی غرض سے ان سب سرداروں کو جمع کیا جو اس کی اطاعت قبول کرنے کے خواہاں

تھے اور اس اجتماع میں خاندان چنگیز کے ایک شہزادے (16) کو جانشین نامزد کیا مگر اسے اپنے قابو میں رکھ کر اس کے نام سے خود حکومت کرنے لگا۔ یہ تھی امیر قزغن کے بادشاہ گر کہلانے کی وجہ۔

تیمور کی طرح وہ بھی "ترا" نہیں تھا۔ مگر خوددار' عادل اور منصف مزاج انسان تھا۔ اس نے مختلف قبائل سے عہد نامے کرکے ان سے اتحاد کرلیا تھا اور سرکش تاتاریوں سے بھی' جو کبھی چین سے نہ بیٹھتے تھے' اپنا لوہا منوا لیا تھا۔ اس کی ایک آنکھ تیر سے گھائل ہو چکی تھی۔ خان کے خلاف بغاوت کرنے کے بعد وہ عام طور پر سیر و شکار میں مشغول رہا اور ضرورت پڑ جانے کے سوا کبھی لڑائی بھڑائی پر آمادہ نہ ہوا۔ اسے تاتاریوں کی طرف سے اک گونہ تشویش رہتی اور ان کے مطیع ہو جانے کا بھی یقین نہ تھا' تیمور کی جسارت اور معاملہ فہمی دیکھ کر اسے امید بندھی کی شاید اس کی مدد سے تاتاریوں کو اپنا مطیع و منقاد بنا لے۔

بادشاہ گر کے دربار کے امراء غرض کے بندے تھے۔ وہ اس کی طرف سے تخت پر بٹھائے ہوئے نام نہاد والی سمرقند کے برائے نام باج گزار تو تھے مگر چونکہ انہوں نے بھی بغاوت میں حصہ لیا تھا اس لئے خود کو قزغن سے کمتر ماننے کو تیار نہ تھے اور ان میں سے بعض تو ایسے بھی تھے جو دس ہزار جانباز اپنے جھنڈے تلے جمع کر سکتے تھے۔ یہ قزغن کی غیرمعمولی فراست ہی تھی جس کی وجہ سے اتنے طاقتور اور خود غرض سردار اس کی قیادت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

قزغن نے بہت جلد محسوس کرلیا کہ تیمور نے "بہادروں" کا دل موہ لیا ہے۔ یہ لقب ان جانبازوں کو دیا گیا تھا جو مختلف قبیلوں کے چنے ہوئے خونخوار اور دیوہیکل افراد تھے' بے جگری سے لڑنے میں مشہور تھے اور ایام امن میں بھی اپنے آپ کو باقی شہسواروں اور شمشیر زنوں سے علیحدہ ہی رکھتے تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ جنگ میں اس طرح کودتے ہیں جیسے کوئی ضیافت کھانے جارہے ہیں۔ طراغائی کے بیٹے کو ان کی صفوں میں اس طرح جگہ مل گئی جیسے وہ سالہا سال سے ان میں شامل چلا آرہا ہے۔ وہ ہر محاربے میں ان کے ساتھ رہتا اور قزغن کے حاشیہ نشین واپسی پر قزغن کو اس کی جانبازی اور جرانمردی کی داستانیں سناتے۔

بہت جلد لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ تیمور کو خطرے میں کود پڑنے کا از بس اشتیاق رہتا ہے اور اس سے بھی زیادہ قابل ذکر صفت اس میں یہ ہے کہ کتنے ہی گھمسان کا رن کیوں

نہ پڑ رہا ہو یا حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں مگر یہ ذرا بھی نہیں گھبراتا بلکہ تلواروں کے سائے میں بھی کچھ سوچتا ہی رہتا ہے۔ "بہادر" اکثر کہا کرتے تھے کہ "تیمور ایک معرکہ آرا شخصیت کا مالک ہے۔" اس کی جسمانی قوت اور شہزوری کا یہ عالم تھا کہ لمبے سے لمبا سفر اور مشکل سے مشکل معرکہ اس کو نڈھال نہ کر سکتا تھا۔ اس نے بڑی بڑی طویل مسافتیں گھوڑے کی پیٹھ پر ہنستے کھیلتے طے کیں اور کئی کئی راتیں جاگ کر کاٹنے کے باوجود تازہ دم رہا۔ اسے قدرت نے قیادت کی خصوصیتیں وافر مقدار میں عطا کی تھیں اور وہ قیادت قبول کرنے کے لئے ہروقت تیار بھی رہتا تھا۔ اسے اپنے اوپر بھروسا اور اپنی طاقت پر ناز تھا چنانچہ ایک دن اس نے قزغن سے بکھرے ہوئے برلاس قبیلے سنبھالنے کی قیادت کی اجازت چاہی۔

قزغن نے قدرے ناپسندیدگی کے لہجے میں کہا "ابھی کیا جلدی ہے ایک نہ ایک دن تم ہی ان کے سردار بنو گے!"

پھر کچھ عرصے بعد قزغن کو تیمور کی شادی کر دینے کا خیال پیدا ہوا تو اس نے اپنی ایک پوتی سے، جو ایک اور برسراقتدار قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی، تیمور کی نسبت کر دی۔

خاتون آغا

تاریخ میں لکھا ہے کہ تیمور کی دلہن حسن میں یکتائے زمانہ تھی، سروقد، سیمیں بدن، صورت و شکل میں چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ گمان غالب ہے کہ شادی کے وقت اس کا سن پندرہ کا تھا کیونکہ سننے میں آیا ہے کہ شادی سے پہلے باپ کے ساتھ شکار کو جایا کرتی تھی۔ اس کا نام الجائی تھا۔ شادی کے بعد الجائی خاتون آغا رکھا گیا، یعنی آقا کی بیوی الجائی۔

ان دنوں حسن تاتار پر نقاب کی پابندی نہ تھی اور وہ حرم کی چار دیواری میں قید بھی نہ رہتا تھا۔ شکار، سیاحت، سفر، حضر، جنگ، امن، حج، زیارت سب میں تاتاری عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں، یہی نہیں فاتح قوم کی یہ بیٹیاں فتوحات اور حرب و ضرب میں بھی حصہ دار ہوتی تھیں اور فتوحات سے ان کا سرافتخار بھی مردوں جتنا ہی بلند ہوتا تھا۔ کھلی فضا، صحت مند ماحول اور آزاد طبیعت، ان سب سے ان کے حسن کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ جوان عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ ساتھ پھرتی تھیں اور گھر اور گھر کے تمام اثاثے کی نگہداشت بڑی بوڑھیاں کرتی تھیں۔ دودھ دوہنے سے لے کر چمڑے کے موزے سینے تک سب کام کاج ان کے ذمے ہوا کرتے تھے۔

تیموری عہد کی تاتاری عورتیں جائیداد کی مالک بھی ہوتی تھیں۔ ان کو جہیز نیز مہر میں جو کچھ ملتا تھا وہ ان کی ذاتی املاک سمجھا جاتا تھا۔ امراء اور بڑے سرداروں کی بیویوں کا محلات میں اپنا علیحدہ نظام ہوتا تھا، جن کے بعض حصے ان کے لئے مخصوص ہوتے اور سفر کے دوران میں منزل پر پہنچ کر ان کے خیمے علیحدہ نصب کئے جاتے جن میں انہیں کا حکم چلتا۔

اس زمانے میں یورپ میں عورتیں اپنا وقت کشیدہ کاری اور قالین بافی ہی میں گزارا کرتی تھیں مگر تاتاری خواتین شہسواروں اور جنگ آزماؤں کے دوش بدوش مہمات میں شریک ہوتی تھیں۔ ان کا کام سپاہی بچوں کی پرورش کرنا بھی تھا مگر اس کے علاوہ وہ قبیلے اور خاندان کی ہر محفل اور جشن میں بھی ہوتی تھیں۔ اسی لئے تو جب دشمن فتح پاتے تو ان کے مردوں کی طرح انہیں بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا۔

شہزادی الجائی خاتون اپنے میکے سے، جو شمالی علاقے میں تھا، چند رشتہ داروں اور غلاموں

کے ساتھ اپنے دادا قزغن کے پاس سمرقند آئی تو یہاں اس نے اپنے ہونے والے شوہر کو پہلی بار دیکھا۔ ایک دبلا سا نوجوان تھا جس کے چہرے پر ایک چھوٹی سی ڈاڑھی بھی تھی۔ تیمور اسی دن ایک مہم پر سے اپنے رفیقوں سمیت لوٹا تھا۔

الجائی خاتون کو انجم شناس بتا چکے تھے کہ تمہاری قسمت تمہارے ماتھے پر لکھی ہوئی ہے اور تم اسے بدل نہیں سکتیں۔

امیر قزغن اور اس کے درباریوں کے لئے تو یہ شادی محض ایک عظیم الشان ضیافت کا موقع تھا مگر قبیلہ جلایر کے طاقتور سردار کی بیٹی الجائی کے لئے یہ دن اس کے سہاگ کی زندگی کا پہلا دن تھا۔ نکاح کے وقت وہ حسب رواج' محفل میں موجود نہیں تھی۔ نکاح کا خطبہ پڑھا گیا' دولہا اور دلہن کے نام باآواز بلند پکارے گئے۔ دولہا نے ایجاب و قبول کے فقرے دہرائے اور پھر نکاح نامے پر معتبر گواہوں کے دستخط ہوئے۔ الجائی کو اس وقت عورتوں کے خیمے میں دلہن بنایا جارہا تھا۔ اسے پہلے عرق گلاب میں نہلایا گیا پھر اس کے لمبے لمبے بال روغن کنجد سے دھونے کے بعد گرم گرم دودھ سے مل مل کر دھوئے گئے یہاں تک کہ ان میں ریشم کی سی نرمی آگئی۔ اب اس کے مرمریں بدن اور دراز بالوں کو خشک کیا گیا پھر اسے زردوزی کا سرخ عروسی جوڑا اور اس کے اوپر سنہری روپہلی کام کا جبہ زیب تن کیا گیا۔

اس وقت اس کے ریشم جیسے بال شانوں پر بکھر کر اس کے حسن کو دوبالا کررہے تھے۔ کانوں میں آویزے تھے گلے میں زمرد کا گلوبند تھا اور سر پر طلائی ٹوپی' جس میں ریشمی پھولوں کا طرہ بھی لٹک رہا تھا۔

جب اس سج دھج سے الجائی محفل میں آئی تو سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ محفل میں اس کی آمد اس بات کی دلیل تھی کہ اس نے تیمور کی رفیقہ حیات بننے پر آمادگی ظاہر کردی ہے۔ تھوڑی دیر محفل میں بیٹھنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور زنانے خیمے میں چلی گئی' پھر دوبارہ آئی تو اب کے دوسرا جوڑا پہنے ہوئے تھی۔ چہرے پر چاول کا آٹا اور غازہ ملا ہوا تھا جس سے اس کا گندمی مکھڑا گورا گورا نکل آیا تھا۔ اور بھنوؤں کے درمیان کسی درخت کے پتوں کے عرق سے ایک سیاہی مائل نیلا خط کھنچا ہوا تھا جس سے پیشانی کی آب و تاب دوبالا ہوگئی تھی۔

مہمان شراب کے خم پر خم لنڈھا رہے تھے۔ الجائی خاموش' سنجیدہ کچھ شرماتی' کچھ گھبراتی' ان کی صفوں میں سے گزری۔ امیر قزغن مٹھیاں بھر بھر کر موتی دلہن پر نچھاور کررہا

تھا۔ معاً اس نے حکم دیا کہ نقاروں پر ضرب لگائی جائے۔ جشن ہو یا جنگ' تاتاریوں کے ہاں نقارے ضرور بجائے جاتے تھے۔

مولانا زین الدین نے بلند آواز سے کہا "اس جوڑے پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہو!"

جواب میں سب نے آمین کہی۔

اب تحفے بٹنے لگے۔ قزغن نے حاضرین میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبے کے مطابق خلعت' تلواریں' خنجر اور بیسیوں دوسری نفیس چیزیں دیں وہ ایک قدیم تاتاری خاندان سے تھا اور تاتاری ایسے موقعوں پر کنجوسی نہیں دکھاتے۔

جشن جاری رہا ----- مہمان قالینوں پر' اور خیموں کے باہر ہری ہری گھاس پر' دراز ہوکر مئے ناب کی تندی کا لطف اٹھا رہے تھے۔ داستان گوؤں نے چھتارے پر تاتاریوں کی محبوب داستانیں چھیڑ دیں۔ چھتارے کی دھیمی دھیمی جھن جھن تن تن اور داستان گوؤں کی پاٹ دار آواز' سماں بندھ گیا' اور بارہا سنی ہوئی داستانوں کے مناظر شراب کے خمار میں حقیقت کا رنگ بھرنے لگے۔ داستان گو الفاظ اور آواز کے اتار چڑھاؤ ہی سے نہیں ہاتھوں کی حرکتوں' سر کی جنبشوں اور چشم و ابرو کے اشاروں سے بھی داستانوں کو دلکش اور پرکشش بنا رہے تھے۔ اگر کسی داستان گو کی ان حرکات میں کمی آجاتی یا وہ کوئی پھبتا ہوا فقرہ بھول جاتا تو سامعین ناک بھوں چڑھاتے اور پہلو بدلنے لگتے۔ کیونکہ یہ داستانیں جتنی داستان گوؤں کو یاد تھیں اتنی ہی سننے والے کو بھی آتی تھیں۔ داستان گو وقفے وقفے سے شراب کے بڑے بڑے گھونٹ بڑی بیتابی سے حلق کے نیچے اتارنے اور آداب محفل نبھانے کے خیال سے چٹخارے بھی لیتے جاتے تاکہ میزبانوں کو ان کی جانب سے یہ بدگمانی نہ ہو کہ پوری طرح خوش نہیں ہیں۔

شام ہوئی تو غلام قندیلیں اور مشعلیں لئے حاضر ہوگئے۔ درختوں کے نیچے اور دریا کے کنارے دور دور تک قندیلیں روشن کر دی گئیں۔ سینیوں میں رکھ کر ماحضر پیش کیا گیا۔ بھیڑ کے بچے سالم بھنے ہوئے اور گھوڑوں کے پٹھوں کے کباب' جن سے بھاپیں اٹھ رہی تھیں' اور شہد چپڑی ہوئی جو کی موٹی موٹی روٹیاں۔ مہمانوں نے ان چیزوں کی خوب تعریفیں کیں اور سب کھانا کھانے میں مشغول ہوگئے۔

الجائی ایک بار پھر آئی اور خراماں خراماں چل کر مہمانوں کے درمیان سے گزر گئی مگر اب اسے پلٹ کر نہیں آنا تھا۔ تیمور اپنا عربی النسل سفید گھوڑا قالین کے فرش تک لایا جس کی زین کی ریشمی اور اونی جھالریں قالینوں کے منہ چومتی معلوم ہوتی تھیں' اس نے

الجائی کو اٹھا کر اپنے آگے بٹھا لیا اور عروسی خیمے میں لے گیا۔

وہاں بھی کچھ مہمان جمع تھے' ان کے علاوہ الجائی کے میکے کی عورتیں بھی تھیں۔ انہیں دلہن کو عروسی جوڑا اتارنے میں مدد دینی تھی اور الجائی کے جہیز کے سامان کے صندوق بھی انہیں کی تحویل میں تھے۔ جب انہوں نے اس کا جبہ بھی اتار دیا اور محض کھلی آستینوں کی عبا اور اس کے تابہ کمر بال ہی اس کی ستر پوشی کرتے رہ گئے تو الجائی حیا سے لرز اٹھی مگر ان دیکھی بھالی عورتوں کے مسکرا دینے سے اس کی خود اعتمادی عود کر آئی۔

جب تیمور دبے پاؤں خیمے کے اندر داخل ہوا تو ان عورتوں نے اسے ادب سے سلام کیا اور باہر نکل گئیں۔ تیمور کے ساتھی بھی خاتون آغا کی خدمت میں آداب بجا لا کر جا چکے تھے۔

اس رات الجائی اپنے شوہر کے پہلو میں لیٹی ہوئی دریا کے بہتے ہوئے پانی کے دھیمے نغمے اور انسانی آوازوں کے شور میں ملی ہوئی طبل جنگ کی آواز بھی سنتی رہی۔ تیمور کے سرمایہ زندگی میں الجائی پہلی دولت بن کر شامل ہوئی۔ وہ زیادہ عرصے زندہ نہ رہی مگر جب تک رہی تیمور نے کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

بیس سے چوبیس سال کی عمر تک تیمور کے لئے زندگی نہایت پر لطف رہی۔ اس نے قصر سپید کے ایک حصے میں الجائی کے لئے اپنی پسند کا گھر بنایا اور اسے ان قالینوں' پردوں اور نقرئی ظروف سے آراستہ کیا جو لڑائیوں میں ہاتھ آئے تھے۔ اس کے باپ نے اپنے تمام مویشی اور چراگاہیں پہلے ہی اسے دے دی تھیں۔ گھر' فرحاں و خنداں رفیقہ حیات اور فارغ البالی' یہی چیزیں زندگی کو پرلطف بناتی ہیں۔

امیر قزغن نے اسے مینک باشی ----- ایک ہزار سواروں کا کماندار یعنی ایک رجمنٹ کا کرنیل مقرر کیا۔ تیمور اپنے ان ایک ہزار جانبازوں میں خوش رہتا' ان کی خوراک اور طعام کا خیال رکھتا' جب کھانے بیٹھتا ان میں سے دو چار کو ضرور ساتھ کھلاتا' اور ان کے ناموں کی فہرست ہر وقت کمر کی پٹی میں محفوظ رکھتا۔ قزغن مردم شناس حکمراں تھا۔ اس نے تاڑ لیا کہ تیمور ایک جوہر قابل ہے اور اسے اور اس کے ایک ہزار جانبازوں کو اپنی فوج کا مقدمتہ الجیش بننے کی اجازت دے دی۔

بارہا ایسا ہوتا کہ تیمور سمرقند لوٹتے وقت اپنے دستے سے آگے نکل کر ایک دن پہلے گھر پہنچ جاتا۔ کچھ تو الجائی کی محبت کھینچ لاتی' کچھ پیچھے آنے والے سپاہیوں اور سرداروں کے لئے ایک پرتکلف ضیافت کا انتظام کرنے کے لئے ان سے پہلے پہنچتا۔ اس شہر سبز کے باغوں

میں دعوتیں دینا بہت پسند تھا۔

جب الجائی کے ہاں پہلا بچہ ہوا تو بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ تیمور نے ایک شاندار دعوت کی اور اس میں امیر قزغن کے تمام امرائے دربار کو مدعو کیا اور سب تو آگئے' دو آدمی شریک نہ ہوئے۔ ایک اس کا چچا حاجی برلاس' دوسرا اس کی بیوی کے قبیلے کا سردار بایزید جلایر۔ یہ دعوت اس قدر پرتکلف تھی کہ ہر مہمان تعریفیں کر رہا تھا اور سب کی زبان پر یہی فقرہ تھا کہ کیوں نہ ہو آخر کو تیمور گورگان اعظم کی اولاد ہے۔

اور تو اور کوہستان کے قبائلیوں نے بھی شہر سبز کے سردار اور اس کی دلہن کی دریا دلی کے گیت جوڑے اور وہ انہیں گاتے پھرے۔

تیمور کی مدد سے' اور اس کی دلاوری کے بل پر' قزغن نے مغربی صحرا اور جنوبی وادیوں میں نئی فتوحات حاصل کیں اور ہرات کا والی (17) قید کر کے سالی سرائے لایا گیا۔ تیمور کی بے لوث وفاداری سے قزغن نے بہت سے فائدے اٹھائے اور یہ دونوں مل کر ابھی اور بھی فتوحات کرتے مگر قزغن اور اس کے امراء دربار کے مابین ایک نزاع سے ایک نئی مصیبت کھڑی ہوگئی جس کے نتیجے میں قزغن جان سے مارا گیا۔

جب والی ہرات قید ہو کر آیا تو امراء نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ قیدی کو قتل کر کے اس کا مال و متاع ان میں تقسیم کیا جائے۔ قزغن اسے امان دے چکا تھا مگر قیدی کی امارت معروف تھی اور وہ پرانا دشمن بھی تھا اس لئے امراء اسے امان دینے پر رضامند نہ تھے۔ جب قزغن نے دیکھا کہ وہ کسی صورت نہیں مانتے تو اس نے والی ہرات کو خفیہ طور پر ان کے ارادوں سے آگاہ کر کے رہا کر دیا۔ اس وقت قزغن اور امراء جنوب میں شکار کھیل رہے تھے۔ یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا مگر وقائع نگار نے لکھا ہے کہ تیمور والی ہرات کو بحفاظت ہرات تک پہنچانے پر مامور کیا گیا تھا۔ بہرکیف جب قزغن کو قتل کیا گیا اس وقت وہ وہاں موجود نہ تھا۔ دریائے آمو کے جنوب میں' شکار کے دوران میں' دو امراء نے قزغن پر قاتلانہ حملہ کیا اور تیروں سے اتنا گھائل کر دیا کہ وہ جان بر نہ ہو سکا۔

تیمور کو جوں ہی اس سانحے کی خبر ملی وہ فوراً موقع پر پہنچا اور لاش کو سالی سرائے لا کر دفن کیا۔ تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر اس نے اپنا گھوڑا ایک بار پھر دریا میں ڈالا اور ان سرداروں کی کمک کو پہنچا جو قاتلوں کے تعاقب میں روانہ ہو چکے تھے۔ وہ چاہتا تو پہلے اپنی جائیداد اور مال و متاع کی حفاظت کا انتظام کرتا مگر تاتاریوں کی ایک اہم ترین روایت کے مطابق قزغن کے قاتلوں کو ہلاک کرنا مقدم تھا۔ وہ روایت یہ تھی کہ "مرد وہ ہے جو اپنے

ہم قوم کے قاتل کے ساتھ آسمان تلے نہ سوئے۔" قزغن کے دونوں قاتل زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے۔ تیمور اور اس کے ساتھیوں نے ان کے تعاقب میں دن رات ایک کر دیئے۔ قاتل گھاٹیوں' وادیوں' پہاڑوں' ندیوں اور دریاؤں کو عبور کرتے' ہر گاؤں سے تازہ دم گھوڑے لے کر بھاگتے چلے گئے پھر بھی تعاقب کرنے والوں کی سرعت رفتار کا مقابلہ نہ کرسکے اور بالآخر کوہستان کی بالائی ڈھلانوں پر گھیرے میں آگئے۔ تلواریں بس صرف چند لمحے چمکیں' پھر دو سربریدہ لاشے تڑپے اور ٹھنڈے ہوگئے۔ تیمور نے اس فرض کی ادائیگی سے فارغ ہوتے ہی شہر سبز کا رخ کیا۔ مگر اب وہاں حالات کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔

وسطی ایشیا میں یہ دستور تھا کہ کسی بادشاہ کی موت کے بعد اس کے بیٹے کا وارث تخت و تاج ہونا اسی صورت میں ممکن ہوتا جب مملکت میں امن امان ہوتا اور امراء میں سے کسی ایک کو اوروں پر سبقت نہ ہوتی۔ پھر ایک اور بات یہ بھی تھی کہ بادشاہ کا بیٹا خود بھی اس قابل ہو کہ عنان حکومت کسی اور کے ہاتھ میں نہ جانے دے ورنہ ہر سردار اور ہر امیر آقا کی مسند حکومت کا دعویدار بن جاتا اور پھر فیصلہ شمشیر ہی سے ہوتا۔ ایسے حالات میں طوائف الملوکی سے بچنے کی تنہا صورت یہ ہوتی تھی کہ جنگ آزمودہ سرداروں کی ایک مجلس نیا بادشاہ منتخب کرلے اور سب سردار اس کی وفاداری کا حلف اٹھالیں وگرنہ تاج و تخت کے لئے جنگ شروع ہو جاتی تھی۔ تاتاریوں میں یہ مثل مشہور تھی کہ "وہی ہاتھ عنان حکومت سنبھال سکتے ہیں جو تلوار پکڑنی جانتے ہوں۔"

قزغن کے بیٹے (18) نے باپ کی وراثت اور سمرقند کی حکومت سنبھالنے کی کوشش تو کی مگر یہ گراں بار ذمہ داری اسے اپنے بس کی نظر نہ آئی چنانچہ جاہ و حشمت پر زندگی کو ترجیح دی اور سمرقند سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے جاتے ہی حاجی برلاس اور قبیلہ جلایر کا سردار بایزید دونوں تاتاریوں کی قیادت کے دعویدار بن گئے۔

باقی سردار اور امیروں نے سمجھ لیا کہ اب جنگ ہوگی چنانچہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں پہنچ کر جانبازوں کو اپنے اپنے علم کے تلے جمع کرنے لگے تاکہ اپنے علاقے کی حفاظت اور اوروں کے علاقوں کو تاراج کرسکیں۔ تاتاریوں میں قدیم سے یہ کمزوری تھی کہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے پر غلبے کے لئے کشمکش کرتا رہتا تھا۔اگر کوئی ایک سردار اس قابل ہوتا کہ بزور شمشیر امن قائم کر سکتا تو سب بہ اتفاق اسے حاکم مان لیتے وگرنہ یہ کشمکش جاری رہتی۔ قزغن اپنا جانشین مقرر کئے بغیر اچانک قتل ہوگیا تھا اور اس کے جانشین میں اس جیسا کس بل نہ تھا۔ دیگر دعویدار حاجی برلاس اور بایزید بھی اتنے قوی نہ تھے کہ تاتاریوں

جیسے سرکش انسانوں کو قابو میں رکھ سکتے۔

ادھر یہ آفت برپا تھی ادھر تیمور کے باپ طراغائی نے اپنے گوشۂ عزلت میں داعی اجل کو لبیک کہی۔ قبیلہ برلاس کے بیشتر افراد حاجی برلاس کے ساتھ سمرقند پہنچے ہوئے تھے چنانچہ شہر سبز میں تیمور کے پاس صرف چند سو سوار رہ گئے تھے۔

بلاد شمال کا خان اعظم (19) پہلے تو کہسار کی بلندیوں پر سے یہ حالات خاموشی سے دیکھتا رہا پھر جب اس نے حقیقت حال کا اچھی طرح اندازہ کرلیا تو حرکت میں آیا اور فوراً پہاڑوں سے اتر کر سمرقند کا رخ کیا۔ اسے ایک نسل پہلے کی بغاوت یاد تھی۔ اس کے دل میں غصہ تھا چنانچہ تاتاریوں پر اس طرح جھپٹا جیسے ٹڈی کے دل بادل کھڑی فصل پر ٹوٹ کر گرتے ہیں۔

تیمور کا حسن تدبر

خان اعظم کی اس چڑھائی سے سب امیروں (20) کو یکساں خطرہ تھا مگر سر جوڑ کر بیٹھنے اور خطرے کے مقابلے کی تدبیریں سوچنے کی بجائے سب اپنی اپنی ریاستوں میں قلعہ بند ہوگئے بلکہ بایزید جلایر' جس کا شہر نجند خان اعظم کی راہ میں پڑتا تھا' اس نے تو فوراً نجند پہنچ کر خان اعظم کی خدمت میں بیش قیمت تحائف پیش کرکے اطاعت بھی قبول کرلی۔

حاجی برلاس پہلے تو جوش میں آکر بہت کچھ کر گزرا تھا۔ طراغائی کے مرتے ہی شہر سبز اور قرشی وغیرہ سے لوگوں کو بلا بھیجا تھا اور اپنی سرداری کا اعلان بھی کردیا تھا ------ مگر مغلوں کے مقابلہ پر نہ آیا اور تیمور کو کہلا بھیجا کہ میں نے تو پوری قوم کو لے کر جنوب میں ہرات چلے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

تیمور شہر سبز کو یوں بے یارومددگار چھوڑ کر جانا نہ چاہتا تھا۔ اس نے چچا کو یہ جواب دیا کہ آپ جہاں چاہیں جائیں میں تو سیدھا خان اعظم کے پاس جاؤں گا۔ وہ جانتا تھا کہ سرحد کے مغل' جو جتہ مغل کہلاتے ہیں' اپنے سردار خان اعظم کی سرکردگی میں اپنا پرانا حق تسلیم کرانے آرہے ہیں۔ اور یہ بھی صاف نظر آرہا تھا کہ خان اعظم سمرقند کے زرخیز علاقے پر قبضہ کرنے اور اپنی حکومت منوانے کے علاوہ لوٹ مار بھی کرے گا۔ تیمور نے الجائی اور ننھے جہانگیر کو الجائی کے میکے بھیج دیا۔ الجائی کا بھائی (21) کابل سے شمال کی جانب کوچ کر چکا تھا۔ تیمور چاہتا تو اسے بھی کابل میں پناہ مل سکتی تھی مگر اس طرح پناہ لینا اس کی افتاد طبع کے خلاف تھا۔ ادھر اس کے پاس صرف چند سو سوار تھے۔ ان سے جتہ مغلوں کے بارہ ہزار جانبازوں کا مقابلہ کرنا بھی دانشمندی کے خلاف تھا۔ ہرچند اسکا باپ اور امیر قزغن دونوں اس سے یہی کہتے رہے تھے کہ کسی صورت بلاد شمال کے خان اعظم کی اطاعت قبول نہ کرنا کیونکہ وہ تمام تاتاری سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار کر رہے گا مگر اس کا کیا علاج تھا کہ خان اعظم بہت زیادہ طاقتور تھا اور پھر مغل تیمور کے آبا و اجداد کے تسلیم شدہ حکمراں بھی تھے۔

ان حالات میں تیمور کر ہی کیا سکتا تھا۔ بقول وقائع نگار وہ بلاؤں کے نرغے میں آگیا تھا۔ (22)۔ شہر سبز میں خوف و ہراس پھیل چکا تھا اور شہر خالی ہونا شروع ہوگیا۔ لوگ اپنے بیوی بچوں اور بہترین گھوڑوں سمیت سمرقند کی سڑک پر بھاگے چلے جارہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اپنا مال و اسباب چھوڑ کر جانا نہ چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ تیمور کو ذرا بھی خوف و ہراس نہیں ہے تو اسکے پاس پہنچ گئے اور اسے اطاعت گزاری کا یقین دلانے لگے۔ انہیں یہ امید تھی کہ وہ انہیں اپنی حفاظت میں لے لے گا۔

مگر تیمور کا قول یہ تھا کہ جو لوگ اپنی ضرورت کے وقت دوست بنتے ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہوتے چنانچہ اس نے بیکار اور بے مصرف لوگوں سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ اگر وہ ایسے لوگوں کی بھیڑ اکٹھی کرلیتا تو خان اعظم کو حملے اور لوٹ مار کا بہترین بہانہ مل جاتا۔

اس نے خان کے حملے کی تیاریاں کرنے کے بجائے پہلے تو اپنے باپ کی شاہانہ اعزاز سے تجہیز و تکفین کی اور اسے شہر سبز میں علماء و مشائخ کے قبرستان میں دفن کیا پھر اپنے مرشد مولانا زین الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری رات ان سے مصروف گفتگو رہا۔ ان دونوں میں کیا باتیں ہوئیں اس کا کسی کو علم نہیں' البتہ اس کے فوراً بعد تیمور نے تیز رفتار گھوڑے' چاندی کے نقشین ساز' ہر نوع کے زر و جواہر' غرض تمام قیمتی اشیاء اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ ممکن ہے مولانا زین الدین نے وہ تمام دولت بھی اس کے حوالے کر دی ہو جو دینی امور سرانجام دینے کے لئے ان کے تصرف میں رہتی تھی۔ بلاد شمالی کا خان اعظم اسلام کا پکا دشمن تھا اس لئے یقین تھا کہ اوقاف پر ضرور قبضہ کرلے گا۔

دفعتاً" جتہ مغل آن پہنچے۔ پہلے خان کے مقدمتہ الجیش کے قراول پہاڑی گھوڑوں پر سوار' لمبے لمبے چمکدار نیزے سنبھالے' لوٹ مار سے لدے ہوئے بارکش جانوروں کی باگیں تھامے' نمودار ہوئے۔ ان کے بعد سواروں کے دستے آئے جو گندم کی پکی ہوئی فصلوں کو برباد کرتے اور اپنے گھوڑوں کو چراتے ہوئے آندھی کی طرح وادی پر چھا گئے۔ قراول (23) کا کماندار شہر سبز پہنچ کر سیدھا قصر سپید کی طرف بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ طراغائی کا بیٹا مقابلے پر آئے گا مگر تیمور نے نہایت خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا اور اسے مہمان کی طرح ٹھہرایا۔ پھر اس نے جتہ کماندار کے اعزاز میں ایک شاندار ضیافت کی' اور ایک شاندار جشن منا ڈالا۔ لاتعداد جانور ذبح کئے اور خوب جی کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ جتہ سردار چہ کنم میں پڑ گیا۔ اسے یہ توقع نہ تھی کہ اسے مہمان کی حیثیت دی جائے گی۔ کسی شہر میں فاتح بن کر داخل ہونا کچھ اور ہوتا ہے اور مہمان کی حیثیت کچھ اور ہوتی ہے۔ وہ اپنے نوجوان میزبان کی دولت کے انباروں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ تو سکتا تھا مگر کر کچھ نہ

سکتا تھا۔ اور اس نے بیش قیمت تحائف کی فرمائش کی تو تیمور نے اس کی توقع سے زیادہ بیش بہا اشیاء بھی حاضر کر دیں۔

جب اس بن بلائے مہمان کی طمع کی آگ ٹھنڈی کر چکا تو تیمور نے خان اعظم کے دربار میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو درباری لباس پہنایا اور باقی ماندہ دولت ساتھ لے کر سمرقند کی جانب روانہ ہوگیا۔ سمرقند کے قریب اسے دو جتہ سردار اور ملے جو مقدمتہ الجیش کے ہمراہ تھے۔ وہ دونوں بھی سیم و زر کے طالب ہوئے۔ تیمور نے انہیں بھی ان کی خواہش سے زیادہ دے دیا۔

سمرقند سے گزرنے کے بعد وہ خان اعظم کے اردوئے معلیٰ یعنی لشکر شاہی کی فرودگاہ کے قریب پہنچا۔ وادی اونٹوں کی قطاروں، گھوڑوں کے دستوں اور سفید نمدے کے خیموں سے پٹی پڑی تھی۔ ہوا کے جھونکوں سے علم لہرا رہے تھے اور کھاد کے ڈھیروں سے ذرے اڑا اڑ کر چاروں طرف پھیل رہے تھے۔ خیموں کے اندر اور باہر سپاہی زرق برق لباس کی نمائش کرتے پھر رہے تھے۔ وہ لمبے نیزے اور صحرائی کمان کے استعمال میں ماہر تھے اور جب ان ہتھیاروں سے لڑتے تھے تو قیامت برپا کر دیتے تھے۔

خان اعظم تغلق اپنے علم کے نیچے سفید نمدے کے فرش پر بیٹھا تھا۔ چوڑا چکلا منگول چہرہ رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی، چھوٹی چھوٹی آنکھیں جن کی پتلیوں کو قرار نہ تھا اور چگی ڈاڑھی۔ وہ مزاج کا شکی، لوٹ مار میں طاق اور تلوار کا دھنی تھا۔ اور جب لڑنے پر آجاتا تھا تو کسی طرح بس نہ کرتا تھا۔

تیمور جب نصف دائرے میں بیٹھے ہوئے امراء کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اترا تو دیکھا کہ سامنے بیٹھے ہوئے انسانوں کے خط و خال تو اس کے آبا و اجداد ہی کے سے ہیں۔ وہ بڑے ادب سے کرناش (کورنش) بجا لایا اور کہا۔ "اے عالی نسب خان اعظم! اے اردوئے معلیٰ کے امیر! میں قبیلہ برلاس اور شہر سبز کا سردار تیمور ہوں۔"

خان پر اس کی اس بے باکی نیز فولادی کڑیوں اور نقرئی کام کی زرہ کا خاصا رعب پڑا۔

تیمور نے اپنے جس قبیلے کا سردار ہونے کا ذکر کیا تھا، اس کے اکثر افراد اس کے پاس سے بھاگ چکے تھے مگر موقع کی نزاکت کسر نفسی کی اجازت نہ دیتی تھی۔ خان کے حضور میں اس نے جو تحائف پیش کئے وہ بھی بہت بیش بہا تھے جس سے ان صحرا نشینوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ تیمور نے اپنے پاس کچھ نہیں رکھا ہے۔ خان کو اس کی یہ ادا بھی پسند آئی۔

اب تیمور نے اور بھی بے باک ہوکر کہا۔ "خان اعظم! میں آپ کی خدمت میں اور

بھی تحائف پیش کرتا اگر تین کتے، جو خود کو آپ کے امراء ظاہر کرتے ہیں، اپنی حرص کی آگ میرے زر و مال سے نہ بجھا چکے ہوئے۔"

یہ بات تیمور کو بر وقت سوجھی اور حق یہ ہے کہ خوب سوجھی۔

خان اعظم اس سوچ میں پڑ گیا کہ ان تین امیروں نے خبر نہیں کتنی دولت ہتھیا لی ہے۔ اس نے فوراً ان کی طرف قاصد یہ حکم دے کر دوڑائے کہ جو کچھ تیمور سے لیا ہے وہ حاجی برلاس کو واپس کر دو! اگر وہ تیمور کو لوٹانے کا حکم دیتا تو اس سے لینے میں تامل کرنا پڑتا کیونکہ تیمور کے پاس اب کچھ نہ تھا مگر حاجی برلاس سے لے لینے میں کوئی قباحت نہ تھی۔

"وہ واقعی کتے ہیں۔" خان اعظم تغلق تمور نے کہا۔ "مگر ہیں میرے ہی کتے چنانچہ واللہ ان کی حرص و طمع کا حال سن کر مجھے اسی طرح تکلیف پہنچی ہے جیسے آنکھ میں پلکوں کا کوئی بال آگرا ہو یا جسم میں کہیں پھانس چبھ گئی ہو۔"

وسطی ایشیا کے یہ صحرا نشین اپنے ارادوں کو نہایت خوبی سے پردۂ راز میں رکھا کرتے تھے اور سیاسی چالوں میں بھی بڑے ماہر تھے۔ یہ درست ہے کہ وہ جنگجو تھے مگر اتنے طویل عرصے سے جنگیں لڑتے چلے آرہے تھے کہ اب ہر ممکن طریقے سے جنگ سے گریز کرتے اور اگر مقصد کسی چال سے پورا ہوتا نظر آتا تو شمشیر استعمال نہ کرتے۔ تیمور نے تغلق تمور کے دربار میں کئی دوست بنا لئے۔ سمرقند کے امیر اور سردار مغلوں کی آمد پر اس طرح منتشر ہوگئے تھے جس طرح باز کو دیکھ کر بٹیر ادھر ادھر چھپ جاتے ہیں، صرف تیمور نے سامنے آنے کی ہمت کی تھی۔ جتہ مغلوں نے فیصلہ کیا کہ تیمور سے مصالحت کرکے اسی کے توسط سے حکومت کی جائے۔

مگر انہوں نے سردست اس قسم کی کوئی کارروائی نہ کی کیونکہ اپنے جن سرداروں کو خان اعظم نے تیمور سے حاصل کئے ہوئے تحائف لوٹا دینے کا حکم دیا تھا وہ آپس میں مل گئے تھے۔ انہوں نے شمالی علاقے کا رخ اس ارادے سے کیا کہ خان وطن سے غیرحاضر ہے کیوں نہ ہم وہاں پہنچ کر ایک نیا لشکر تیار کرکے بغاوت کر دیں چنانچہ راستے میں خوب لوٹ مار کی اور بلاد شمال کی سرحد تک جا پہنچے۔ خان کو تشویش محسوس ہوئی۔ اس نے تیمور سے مشورہ کیا۔ تیمور اس معاملے پر پہلے بھی غور کر چکا تھا۔

"آپ اپنے ملک کو لوٹ جایئے!" اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "وہاں آپ کو ایک ہی خطرے کا سامنا کرنا پڑے گا، یہاں رہنے سے دو دو خطرے پیدا ہو جائیں گے۔ ایک آپ کے آگے، دوسرا عقب میں۔"

تیمور کی یہ صلاح مان لی گئی۔ خان اعظم اپنے وطن کو لوٹ گیا۔ واپس جانے سے پہلے اس نے تیمور کو تومان باشی (دس ہزار فوج کے کمانڈار) کا منصب عطا کیا اور اپنی مہر دے کر ان علاقوں کا حکمراں مقرر کردیا۔ یہی منصب ایک زمانے میں مغلوں کی طرف سے اس کے آبا و اجداد کو عطا ہوا تھا۔

یوں تیمور نے اپنی وادی کو تباہی اور لوٹ مار سے بچا لیا۔ اب اگرچہ اسے خان کا حکم نامہ مل گیا تھا مگر ابھی اسکے لئے اپنی قوم سے اپنا لوا منوانے کا کام باقی تھا۔ تاتاری اسے حکمران تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ خان اعظم جا چکا تھا' بلا سر سے ٹل چکی تھی' تاتاری سردار پھر نمودار ہوگئے۔ اور ایک خود ہی نہیں لوٹے ان کی خانگی رنجشیں' شورشیں اور چالبازیاں بھی لوٹ آئیں اور تین سال تک حالات کے عجیب عجیب نقشے بنتے اور بگڑتے رہے۔

حاجی برلاس اور بایزید جلایر متحد ہوگئے اور تیمور کے قتل کی سازش کی۔ انہوں نے اسے اپنے خیمے میں اس غرض سے بلایا کہ اس کا کام تمام کر دیں مگر وہ ہتھیار بند سپاہیوں کے ہجوم اور گھٹی گھٹی فضا میں خطرہ محسوس کرکے نکسیر پھوٹنے کے بہانے اٹھ آیا اور وہاں سے نکلتے ہی اپنے ساتھیوں سمیت گھوڑوں کا رخ کیا جو تیار تھے' اور سب ان پر بیٹھ کر فوراً روانہ ہوگئے۔ بعد میں بایزید جلایر کو تو اس حرکت پر شرم بھی آئی اور اس نے تیمور سے معافی بھی مانگ لی مگر حاجی برلاس سنگدل آدمی تھا' اس نے جلد ہی شہر سبز پر چڑھائی کر دی۔

تیمور شہر اس کے حوالے کرنے کو تیار نہ ہوا کیونکہ خان اعظم کا حکم نامہ اسکے پاس تھا اور ہزاروں سپاہ بھی اس کے تحفظ کے لئے موجود تھی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور چچا کے مقابلے کے لئے میدان میں اتر آیا۔ چچا بھتیجے کی فوجوں میں سمرقند کی سڑک پر معمولی سی ایک جھڑپ ہوئی مگر اچانک حاجی برلاس نے اپنا لشکر سمرقند کی جانب ہٹا لیا۔ تیمور فتح کے زعم میں اس کے تعاقب میں چلا مگر اگلے دن اس کے لشکر کے اکثر افراد نے اسے دھوکا دیا اور حاجی برلاس سے جا ملے جس نے انہیں یہ کہہ کر بہکا لیا تھا کہ قوم کے بیشتر افراد میرے ساتھ ہیں۔

اب تیمور کے لئے پیچھے ہٹنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ الجائی کا بھائی امیر حسین افغان قبائل کو ساتھ لے کر کابل سے شمال کی طرف بڑھ آیا تھا تیمور اس سے جا ملا۔ قبائل کی یہ جنگ (24) ایک عرصے تک جاری رہی اور اس وقت تک اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا جب تک خان اعظم شمالی مہم سے فارغ ہو کر اس میں نہ کودا۔ جس طرح پرندوں کی ڈار میں پتھر گرے تو وہ تتر بتر ہو جاتے ہیں اسی طرح تغلق کی آمد سے تاتاری بکھر گئے۔

اس مرتبہ خان اعظم نے زیادہ سختی سے کام لیا۔ وہ پورے علاقے کو زیر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ چنانچہ آتے ہی بایزید جلایر کو موت کے گھاٹ اتارا۔ حاجی برلاس اپنے آدمیوں سمیت جنوب کی طرف بھاگا مگر راستے میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا۔ امیر حسین نے ہمت کرکے مغلوں کے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی تو بری طرح پٹا اور بمشکل جان بچا کر بھاگا۔

مگر خان اعظم کا وہاں مستقل قیام کا ارادہ نہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے الیاس خواجہ خاں کو تاتاری ممالک کا حکمراں بنایا' جتہ سپہ سالار بیک جک کو اس کی مدد کے لئے چھوڑا اور تیمور کو سمرقند کا مقامی سردار مقرر کیا مگر الیاس اور بیک جک کے ماتحت کر دیا۔ بادی النظر میں تو یہ بہت بڑا منصب تھا۔ مگر تیمور کو یہ انتظام پسند نہ آیا اور اس نے اہل شمال کا محکوم بنائے جانے پر پرزور احتجاج کیا۔ خان اعظم نے اسے خاندان کے دونوں بزرگوں کے عہد نامے کی طرف توجہ دلائی۔ "قبل خان کی اولاد حکومت کرے گی' قاجولی خان کا خاندان اس کے ماتحت رہے گا۔" خان کے الفاظ یہ تھے کہ تمہارے جد امجد قاجولی خان اور میرے بزرگ قبل خان کے درمیان یہی معاہدہ ہوا تھا۔ تیمور بھی اپنے جداعلیٰ کے عہدنامے پر عمل کرنا فرض سمجھتا تھا۔ چنانچہ ناخوش ہونے کے باوجود یہ انتظام تسلیم کرلیا اور اپنے علاقے کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش شروع کر دی۔

مگر جتہ سپہ سالار کو حالات بہتر بنانے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ غیرملکی افواج کا کمانڈار تھا اور غیرملکی افواج کے سردار ایسے کام نہیں کیا کرتے۔ اس نے سمرقند میں لوٹ مار شروع کر دی۔ شہزادہ الیاس بھی لوٹ کے مال کے انبار دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سمرقند کی بہت سی نوعمر لڑکیاں تک غلام بنا کر بلاد شمال بھیج دی گئیں اور قابل احترام سادات کو گرفتار کرلیا گیا۔ تیمور نے جب یہ سنا اور مولانا زین الدین نے بھی انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں شکایت کی تو اس نے بڑے غصے کے عالم میں خان کے پاس شکایت بھیجی مگر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ تیمور نے اپنے آدمی اکٹھے کئے اور شمال کی جانب کوچ شروع کر دیا۔ راستے میں جہاں کہیں غلام لڑکیاں ملیں انہیں رہا کرایا اور اگر ضرورت پڑی تو تلوار بھی استعمال کی۔ خان کو تیمور کا یہ اقدام کیسے پسند آسکتا تھا' خصوصاً جب اس سے یہ کہا گیا کہ تیمور نے بغاوت کر رکھی ہے۔ اس نے تیمور کے قتل کا فرمان جاری کردیا۔

ادھر حالت یہ تھی کہ تیمور جس طرف دیکھتا بربادی کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔ لوٹ مار انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ خود اسے بھی قابل دار قرار دیا جا چکا تھا۔ اب وطن میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس نے سیاست پر لعنت بھیجی اور گھوڑے پر سوار ہو کر صحرا کا رخ کیا۔

صحرانورد

سرخ مٹی کا غیرآباد اور بے آب و گیاہ صحرا مغرب کی طرف دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کی زمین جس میں جابجا درزیں اور شگاف اس طرح پڑ گئے تھے جیسے پک جانے کے بعد تڑخ گئی ہے' دھوپ سے تپ کر پاؤں دھرنے کے قابل نہ تھی۔ دن بھر بگولے اٹھتے رہتے جن سے آسمان پر دھند سی چھائی رہتی تھی اور یہ دھند گھرتے ہوتے ٹیلوں پر اس طرح پھیلی رہی جیسے سمندر سے جھاگ اڑ اڑ کر چاروں طرف پھیل رہے ہیں۔ صرف صبح شام کے وقت کچھ نظر آجاتا' دوپہر کے وقت تو یہ دھند آنکھوں کو چندھیا دیتی کیونکہ چاروں طرف تنور سے دہکتے نظر آتے۔

مگر یہ صحرا کے معنوں میں صحرا بھی نہ تھا۔ بھوری بھوری چٹانوں کے درمیان سے خشک نالے ادھر ادھر بل کھاتے ہوئے دریائے آمو کی طرف نکل گئے تھے' جس نے سالی سرائے کو' جو صحرا سے چار ہزار فٹ کی بلندی پر تھا' فردوس کا نمونہ بنا رکھا تھا۔ اس دریا کے کناروں پر تو جھاڑ جھنکاڑ کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا' البتہ ان سے کچھ فاصلے پر نرسل کے جھنڈ یا ناگ پھنی کے پیڑ ضرور تھے' کہیں آدھے آدھے ریت میں دھنسے ہوئے' کہیں جڑوں تک اس کے باہر نکلے ہوئے۔

دریا کے کنارے کہیں کہیں اکنویں بھی تھے مگر ان کا پانی پینے کے قابل نہ تھا' البتہ جانور اس پر زندہ رہ سکتے تھے۔ جہاں پانی میٹھا ہوتا وہاں چند خیمے ضرور نظر آجاتے جن میں مقیم صحرانورد ترکمان بھیڑوں کے ریوڑوں کی رکھوالی کرتے رہتے مگر کہیں کوئی کارواں نظر آجاتا تو اسے لوٹ بھی لیتے۔ ان میں سے بعض ایسے مجرم بھی تھے جو سزائے موت سے بچنے کے لئے اس غیرآباد صحرا میں چلے آئے تھے۔

تیمور اس سپاٹ بیابان سے گزرا جسے قزل قم (25) کہتے تھے۔ الجائی' نیز بیس کے قریب بے لوث اور وفادار ساتھی' جو اس کی رفاقت میں مصائب جھیلنے پر رضامند تھے' اس کے ہمراہ تھے۔ زائد ہتھیار اور دیگر سامان باربردار گھوڑوں پر لدا ہوا تھا۔ کچھ ہیرے جواہرات بھی پاس تھے۔ پانی مشکیزوں میں بھر کر ساتھ لے لیا تھا۔ یہ چھوٹا سا قافلہ نہایت سرعت سے صحرا میں داخل ہوگیا۔ راتوں کو گھوڑوں کو سوکھی گھاس چرنے کے لئے چھوڑ دیتے اور اہل قافلہ باری باری ان کی حفاظت کرتے۔ جہاں کہیں کنواں نظر آجاتا وہاں ٹھہر جاتے' پھر

آگے بڑھ جاتے۔ ایک مقام پر الجائی کے بھائی امیر حسین سے ملاقات ہوگئی۔ وہ بھی تغلق تیمور کے خوف سے بھاگا ہوا تھا۔ دبلا' پتلا بلند قامت اور ہٹیلا جوان تھا مگر عالی ہمت بھی تھا۔ کابل میں حکمرانی کرتا رہا تھا' اب اپنی کھوئی ہوئی حکومت دوبارہ حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔

امیر حسین عمر میں تیمور سے چند سال بڑا تھا' اس لئے خود کو تیمور سے فائق سمجھتا تھا مگر اسکی جنگی قابلیت اور عزم و استقلال کا مداح بھی تھا۔ تیمور کو امیر حسین کی لالچ اور طمع کی عادت اچھی نہ لگتی تھی مگر اس وقت تو وہ ایک ساتھی مل جانے سے خوش ہی ہوا۔

ان دونوں میں الجائی کے توسط سے ایک رابطہ تھا۔ یہ حوصلہ مند خاتون صحیح معنوں میں بادشاہ گر امیر قزغن کی پوتی تھی' زیادہ سے زیادہ کڑی مصیبت میں بھی مسکرا دیتی اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتی' یہی نہیں' وہ حل طلب معاملات میں تیمور کی صلاح کار بھی تھی۔ جب کبھی ملول یا افسردہ ہوتا الجائی کی بشاشت سے اس کے دل کا غبار دھل جاتا۔

امیر حسین اپنی حسین و جمیل بیوی دلشاد آغاز کو بھی ساتھ لایا تھا' جب منزل پر پہنچتے تو چاروں سر جوڑ کر بیٹھتے اور حالات کا جائزہ لیتے۔ دونوں قافلے اکٹھے ہونے کے بعد ان کے پاس کم و بیش ساٹھ ہتھیار بند گھڑ سوار ہوگئے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ بحیرۂ خوارزم (26) کا رخ کیا جائے۔ وہاں تجارتی راستے بھی تھے جن سے سلامتی کے ساتھ سفر کیا جا سکتا تھا اور بڑے بڑے شہر بھی تھے جہاں سے سامان خور و نوش خریدا جا سکتا تھا۔

تیمور انہیں ساتھ لئے ہوئے خیوہ پہنچا مگر حاکم شہر (27) نے ان ناخوانده مہمانوں کو پہچان لیا۔ شکار لق و دق صحرا کو عبور کرکے خود اس کے جال میں آپھنسا تھا۔ اس نے سوچا' کیوں نہ انہیں پکڑ کر جتہ مغل خاں کے حوالے کر دے اور مفت کی دولت کا حقدار بن جائے۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا تو وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور فوراً کھلے میدان کا رخ کیا۔

حاکم خیوہ کئی سو سوار لے کر ان کے تعاقب میں نکلا۔ مقابلے کے سوا چارہ نہ تھا۔ تیمور اپنے ساتھیوں کو ایک پہاڑی کی چوٹی پر لے گیا اور جوں ہی تعاقب کرنے والے قریب پہنچے اپنے گھوڑوں کی باگیں موڑ دیں اور پلٹ کر خیوہ والوں پر ہلہ بول دیا۔ دشمن ان کے اس طرح اچانک پلٹ پڑنے پر حیران و ششدر رہ گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے' چنانچہ پٹ کر بھاگا۔

اب سواروں میں ایک خونریز دست بدست لڑائی شروع ہوئی' جس کے تاتاری پشت ہا پشت سے عادی تھے۔ انہوں نے چھوٹی گول ڈھالیں بازوؤں پر چڑھا لی تھیں' ان سے دشمن

کے وار روکتے اور اپنی کمانوں کے چلے کھینچتے جاتے تھے۔ بائیں ہاتھ سے وار روک کر دائیں ہاتھ سے ترکش سے تیر نکالتے اور دشمن پر ان کی بوچھاڑ کرتے جو اس کی زرہ کے پار ہو جاتے۔ تاتاری شہسوار دونوں ہاتھوں سے کمان چلانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور اگر ضرورت پڑ جاتی تو سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی پیٹھ پر سے سامنے کے علاوہ عقب میں بھی تیر نشانے پر پھینکنے لگتے (28)۔

ان کی کمان کھلے منہ کے قربان (29) میں کمر کے ایک رخ پر لٹکی رہتی تھی اور دوسرے رخ پر ترکش کا منہ بھی ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ یہ کمان فولاد اور ہڈی سے جڑی ہوتی تھی اور ضرب میں انگلستان کی لمبی کمانوں کے ہم پلہ تھی۔ اس قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تاتاری اتنے ہی ناقابل تسخیر ہوتے تھے جتنے گزشتہ صدی کے وہ سوار جن کے پاس طمنچے ہوا کرتے تھے۔ وہ ایک ہاتھ سے تیر اور دوسرے سے کمان اتنی سرعت سے کھینچتے تھے کہ دونوں کام ایک ہی حرکت معلوم ہوتی تھی اور ان کے تیر حقیقت میں پستول کی گولیوں جتنی تیزی سے برستے تھے۔ انہیں بندوقچی کی طرح بندوق بھرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ سچ یہ ہے کہ ان کے کھلے ترکش آجکل کی کارتوسوں کی پیٹی اور ان کے کہنیوں کے فولادی دستانے آجکل کے گھڑسوار کے چرمی دستانوں کی جگہ تھے (30)۔ بازو پر بندھی ہوئی ڈھال اور چھوٹی کمان کا فائدہ یہ تھا کہ گھوڑے کا سر تیر کی راہ میں حائل نہ ہوتا تھا۔

صبا رفتار تاتاری شہسوار' زور زور سے نعرے لگاتے اور دہرے ہو ہو کر گھوڑے دوڑاتے ہوئے خیوہ والوں کے انبوہ کثیر میں بڑی سرعت سے بار بار اس طرح گھسے اور باہر نکلے کہ انہیں اپنے پر چاروں طرف سے ایک کثیر لشکر کے حملہ آور ہونے کا گمان لگا۔ تاتاری بارہ بارہ کی ٹولیاں بنا کر خیوہ والوں میں گھس جاتے' ان کی صفوں میں پہنچ کر الگ الگ ہو جاتے اور جتنی تیز رفتاری سے گھستے اتنی ہی تیزی سے نکل آتے۔ تاتاری تیغ کبھی کبھار ہی میان سے نکالتے اور وہ بھی صرف اس وقت جب دشمن اتنا قریب ہوتا کہ کمان نہ کھینچی جا سکتی۔ مگر یہ تیغ بھی چلتی اسی سرعت سے تھی جس سرعت سے کمان کا چلہ کھینچا جاتا تھا۔ اس کے نیام سے نکلتے وقت بجلی سی کوندتی اور دشمن کا خرمن زندگی جلا ڈالنے کے بعد یہ پھر نیام میں چلی جاتی اور تیغ زن کا دایاں ہاتھ پھر ترکش پر جا پہنچتا کیونکہ تاتاریوں کا محبوب ہتھیار کمان ہی تھی۔

طرفین کے گھوڑوں کی کاٹھیاں بہ سرعت خالی ہونے لگیں۔ دونوں فوجوں کے کماندار لڑائی سے دور ہی رہے کیونکہ نرغے میں آکر قتل ہو جانے کا خطرہ تھا۔ جن سواروں کے گھوڑے کام آجاتے انہیں دوڑ کر بے سوار گھوڑے پکڑنے پڑتے اور نیا گھوڑا ملتے ہی وہ

لڑائی میں شامل ہو جاتے۔ جب تیمور کے ایک وفادار اور جیالے سردار ایلچی بہادر کا گھوڑا مارا گیا تو وہ پیدل ہی ڈٹ کر کھڑا ہو گیا اور دشمن کا مقابلہ شروع کر دیا۔ تیمور نے جب یہ دیکھا کہ وہ بے وجہ خطرے میں پڑ رہا ہے تو گھوڑا بڑھا کر اس کی کمان کی زہ کاٹ ڈالی تاکہ مجبوراً اپنے بچاؤ کا فکر کرے۔

عین اس وقت امیر حسین خیوہ کے سپاہیوں کی صفیں چیرتا ہوا ان کے کماندار تک جا پہنچا مگر ابھی اس نے کماندار کے علم بردار ہی کا سر قلم کیا تھا کہ گھیرے میں آگیا۔ تیمور نے یہ حال دیکھا تو اس کی مدد کو بڑھا۔ اسے دیکھ کر خیوہ کے سپاہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور امیر حسین ان کے نرغے سے نکل گیا تیمور نے دو دستی تلوار سے دشمن کو قریب آنے سے روکا اتنے میں اس کی کمک پر اور تاتاری پہنچ گئے اور خیوہ والے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

اب ہلا بولنے کا وقت آگیا تھا۔ تیمور نے پکار پکار کر اپنے ساتھیوں کو یکجا کیا اور وہ سب اکٹھے ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ امیر حسین کے گھوڑے کے تیر لگا تو اس نے اچھل کر سوار کو گرا دیا' امیر کی بیوی دلشاد آغا دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑا کر آگے بڑھی' اس کے قریب پہنچ کر کود کر اتری اور گھوڑے کی باگ خاوند کی ہاتھ میں دے دی۔ امیر حسین آناً" فاناً" اس گھوڑے پر بیٹھ کر لڑائی میں شامل ہو گیا۔

تیمور نے خیوہ کے حاکم کو نشانہ بنا کر تیر چلایا جو کہ اس کے گال کو چیر کر نکل گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اگلے لمحے تیمور نے اس کے سر پر پہنچ کر برچھی اس کے سینے میں گھونپ دی۔ اپنے حاکم کے مر جانے کے بعد خیوہ کا لشکر میدان میں کیا ٹھہرتا' سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور تاتاری اپنے ترکش خالی ہونے تک اس پر تیر برساتے رہے۔ تیمور نے دلشاد آغا کو بھی الجائی کے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا اور عورتوں اور سامان سمیت پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ اپنے صرف سات آدمی زندہ بچے ہیں۔ اور ان میں سے بھی بیشتر زخمی ہیں۔ ادھر جب خیوہ والے میدان میں پہنچے تو یکجا ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ سورج ڈوبنے لگا تھا' تاتاریوں کے لئے اب وہاں رکنا ٹھیک نہیں تھا۔ تیمور نے کوچ کا حکم دے دیا۔ خیوہ والے تعاقب کرنے لگے مگر اندھیرے میں انہیں ڈھونڈ نہ سکے۔

تیمور کے ساتھی چاہتے تھے کہ کہیں رکا جائے مگر تیمور نے ہنستے ہوئے کہا "نہیں' ابھی نہیں۔ ابھی سفر ختم نہیں ہوا ہے۔"

وہ اندھیرے میں ساری رات صحرا میں بھٹکتے پھرے۔ آخر خوش قسمتی سے آدھی رات کے قریب ایک کنویں پر پہنچ گئے۔ وہاں انہیں اپنے تین سپاہی مل گئے جو بلخ سے پاپیادہ

بھاگ کر آئے تھے۔ کنویں کا پانی میٹھا تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کو گھاس چرنے کے لئے چھوڑا اور خود آرام کرنے لیٹ گئے۔ تیمور اور امیر حسین بیٹھ کر صلاح مشورہ کرتے رہے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اب انہیں الگ ہو جانا چاہئے (اس طرح پہچانے جانے کا امکان کم تھا) اور یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ دونوں بھی سو گئے۔

صبح اٹھے تو دیکھا کہ تینوں بلخی فرار ہو چکے ہیں اور تین گھوڑے بھی لے بھاگے ہیں۔ بقیہ چار گھوڑے بانٹے گئے اور تیمور اور امیر حسین ایک دوسرے رخصت ہوئے۔ دوبارہ ملنے کے لئے امیر حسین کی مملکت کے شمال میں ایک مقام (31) مقرر کیا گیا۔ پہلے امیر حسین روانہ ہوا۔ جب وہ جا چکا تو دونوں گھوڑوں میں سے جو بہتر تھا اس پر الجائی کو سوار کیا گیا' اور دوسرے پر بچا ہوا سامان لادا گیا۔ تیمور نے اپنے ساتھ صرف ایک آدمی رکھا اور پیدل چلنے لگا۔ جب الجائی نے اسے پاپیادہ دیکھا تو کہا "میرے سرتاج اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج آپ پیدل چل رہے ہیں!"

ان کے پاس خوراک بھی نہ تھی۔ دور کچھ بکریاں چرتی نظر آگئیں تو گھوڑوں کی باگیں اس طرف موڑیں اور چند بکریاں خرید لیں۔ ایک کا گوشت آگ پر بھونا اور خوش ہو ہو کر کھایا' باقی کا گوشت تپتے ہوئے پتھروں پر چٹخا کر خرجیوں میں لٹکا لیا۔ پھر چرواہوں سے پوچھا کہ اس ریگستان سے باہر نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟ انہوں نے شمال کی جانب اشارہ کیا اور کہا "یہ ترکمانوں کے جھونپڑوں تک جاتا ہے۔"

وہ اس راستے پر ہو لئے اور تھوڑی دیر میں ان جھونپڑوں تک جا پہنچے۔ وہ خالی معلوم ہوتے تھے اس لئے تیمور ایک جھونپڑے میں داخل ہوگیا مگر سامان گھوڑے پر سے اتار کر اندر رکھا ہی تھا کہ قریب کے جھونپڑوں سے شور بلند ہوا اور ترکمانوں نے انہیں ڈاکو سمجھ کر ان پر حملہ کردیا۔ تیمور اپنے ایک ایک ملازم کو ساتھ لے کر دروازے پر پہنچا۔ تیر ختم ہو چکے تھے اس لئے ترکمانوں کو ڈرانے کے لئے یہ دونوں خالی کمانیں کھینچنے لگے مگر ترکمان اس طرح کیا قابو میں آتے۔

تیمور نے جھنجلا کر کمان پھینک دی اور تلوار سونت کر باہر نکلا مگر جب وہ دشمن کی طرف بڑھا تو ترکمان سردار (32) نے اسے پہچان لیا کیونکہ اسے شہر سبز میں بارہا دیکھ چکا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر روکا اور خود نوجوان تاتاری سردار سے گلے ملنے کے لئے آگے بڑھا۔

"واللہ!" وہ خوش ہو کر چلایا "آپ تو ماوراء النہر کے امیر ہیں!"

وہی ترکمان جو پہلے تیمور سے لڑنے کو تیار تھے' اب اس کے قدموں میں تھے۔ ان کا

شک رفع ہو چکا تھا۔ پوستین پوش ترکمان اب تیمور سے معافی مانگ رہے تھے اور تیمور' جو اپنے کارناموں کی وجہ سے ان کے نزدیک داستان الف لیلہ کا شہزادہ تھا' مسکرا مسکرا کر انہیں اپنے قریب بٹھا رہا تھا۔ ایک بھیڑ ذبح کرکے اس سے معزز مہمان کی تواضع کی گئی۔ سب نے ایک ہی رکابی میں کھایا۔ ترکمانوں کے بچے بھی آ آ کر قریب کھڑے ہو جاتے۔ اس مہمان کے کارنامے دور دور مشہور تھے۔ اس سے تازہ ترین واقعات اور حالات معلوم کئے گئے۔ کون کس جگہ کا بادشاہ بن گیا ہے؟ کون کس سے برسرپیکار ہے اور کن کن ملکوں میں امن و امان ہے۔ ان بادیہ نشینوں کو چونکہ غیرمتوقع بیرونی دنیا کی خبریں معلوم ہو رہی تھیں اس لئے سبھی کچھ دریافت کرلینا چاہتے تھے۔

ساری رات باتیں کرتے گزری چنانچہ تیمور صبح تک نہ سو سکا۔

اگلے دن تیمور نے ترکمان سردار کو ایک قیمتی لعل اور موتی جڑے دو جوڑے بطور تحائف پیش کئے۔ ان کے بدلے میں سردار نے تیمور کو تین گھوڑے دیئے اور آگے راستہ بتانے کے لئے ایک رہبر بھی ساتھ کر دیا۔

انہوں نے بارہ دن میں صحرا عبور کیا۔ خراسان کی سڑک کی جستجو میں تھے۔ پہلا گاؤں جو راہ میں آیا۔ ویران تھا کیونکہ اسے اجاڑ دیا گیا تھا۔ وہ رک گئے' پانی کے لئے زمین کھودی' جانوروں کو پانی پلایا اور انہیں آرام کرانے کے لئے کھنڈروں میں مقیم رہے۔

یہاں ایک اور مصیبت پیش آئی۔ انہیں قریب کے ایک قبیلے کے لوگوں نے دیکھ لیا اور قید کرکے اپنے سردار علی بیگ کے پاس لے گئے۔ تیمور سا قیدی ہاتھ لگ گیا تھا' اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی تھی! علی بیگ نے ان کا تمام مال اسباب چھین کر میاں بیوی کو کیڑے مکوڑوں سے بھرے ہوئے ایک متعفن مکان میں قید کرکے ان پر پہرہ لگا دیا۔

تیمور یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ الجائی ایسی بری جگہ میں رہے۔ اس نے مقابلہ کرنا چاہا مگر پورے محافظ دستے کے سامنے اکیلے آدمی کی کیا چل سکتی تھی! مجبوراً خاموش ہونا پڑا۔ باسٹھ دن تک وہ اس مکان میں قید رہے۔ گرمیوں کے دن تھے اور مکان تنگ و تاریک تھا۔ جب تیمور رہا ہوا تو اس نے قسم کھائی کہ کچھ ہو کبھی کسی آدمی کو اس طرح کی قید میں نہ ڈالے گا۔

علی بیگ اس کوشش میں تھا کہ تیمور کو جتہ مغلوں کے حوالے کرکے دولت حاصل کرے' مگر اس دوران میں اس کے بھائی کو' جو ایک ایرانی قبیلے کا سردار تھا' اس کی خبر پہنچ گئی۔ اس نے بھائی کو یہ پیغام بھیجا کہ جتہ مغلوں اور شہر سبز کے سردار کے جھگڑے میں نہ پڑنا اور تیمور کو رہا تو کر دیا مگر تحائف اپنے ہی پاس رکھے اور سفر میں سواری کے لئے ایک

لاغر سا گھوڑا اور ایک مریل سا اونٹ دے دیا۔

الجائی کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو اپنے مقدر کو کوسنے لگتی، مگر وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ اس نے تیمور سے کہا: "میرے سرتاج! ابھی سفر ختم نہیں ہوا۔ آگے دیکھئے کیا ہو۔"

صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا

خریف کی بارش شروع ہو چکی تھی۔ امیر حسین سے ملاقات کا مقام جنوب کی جانب دریائے آمو کے اس پار تھا مگر تیمور کا جی چاہنے لگا کہ اپنے وطن کی ایک جھلک دیکھئے۔ چنانچہ چکر کاٹ کر ادھر کا رخ کیا۔ یہ چکر کاٹنے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ وہ بے سروسامان تھا اور امیر حسین سے بے سروسامانی کی حالت میں ملنا قرین مصلحت نہ تھا۔ دریائے آمو کے قریب اس نے ایک دوست سے، جو ایک قبیلے کا سردار تھا، چند گھوڑے اور پندرہ سوار لئے۔ اب الجائی کے لئے ایک اچھا سا گھوڑا علیحدہ کرکے اس پر کجاوہ لگا دیا گیا، جس میں وہ آرام سے سفر کرنے لگی۔ مریل گھوڑا اور اونٹ فقیروں کو دے دیئے گئے۔

تیمور کو اپنی بیوی سے بے حد انس تھا۔ روانہ ہوتے وقت اس کا ارادہ تھا کہ سمرقند تک تنہا سفر کرے گا، اس لئے الجائی کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گیا تھا۔ مگر جب آمو کے گھاٹ پر پہنچا تو وہاں ہتھیار بند دستے پھرتے دیکھے۔ اس نے اپنا قافلہ روک لیا اور ساتھیوں سے کہا کہ گرمی زیادہ ہے اس لئے سفر جاری رکھنا مناسب نہیں اور دریا کنارے درختوں کے سائے میں اس وقت تک رکا رہا جب تک الجائی وہاں نہ پہنچ گئی۔

وہ تیمور کو وہاں دیکھ کر حیران سی رہ گئی۔ ادھر تیمور دور گرد اٹھتی دیکھ کر گھبرایا کہ کہیں دشمن نہ ہو۔ اس نے گھوڑے کجاووں سمیت دریا میں اتار دیئے اور ان کو تیرانا شروع کر دیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچنے کے بعد الجائی خطرے سے باہر ہو گئی۔

جب تیمور سمرقند کے قریب پہنچا تو اس نے الجائی کو پاس کے ایک گاؤں میں چھپا دیا اور خود مغرب کے وقت رفیقوں سمیت سمرقند میں داخل ہو گیا۔ مغل اس کی تلاش میں تھے مگر اس کے باوجود تیمور اڑتالیس دن تک وہاں دندناتا رہا۔ رات کو کارواں سراؤں میں جا بیٹھتا اور وہاں قافلوں والوں سے راستوں کے حالات سنتا رہتا۔ وہ خفیہ طور پر دوستوں کے گھروں میں بھی جاتا رہا تاکہ ان سے صلاح مشورہ کرکے یک لخت علم بغاوت بلند کرے۔ کئی بار اس نے مسجدوں میں نمازیوں کے ہجوم میں مل کر جتہ شہزادے کو اپنے افسروں کے ساتھ گلیوں میں سے گزرتے بھی دیکھا۔

مگر اس کی یہ جسارت بے ثمر رہی۔ جتہ مغلوں نے ملک پر اپنی گرفت مضبوط کر رکھی تھی۔ ہر چند وہ سختی سے کام لیتے اور واجبات بھی سختی کے ساتھ وصول کرتے تھے مگر بہرحال

چونکہ چنگیز خانی ہیبت کے نمائندے تھے اور خود کو فاتح ثابت بھی کر چکے تھے اس لئے تاتاری امیران کے خلاف بغاوت کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ جنگجو ضرور تھے مگر اندھادھند جنگ میں کودنے سے احتراز کیا کرتے تھے۔ اگر انہیں کامیابی کا کچھ بھی یقین ہوتا تو ضرور میدان میں آجاتے مگر بنظر حالات کامیابی کا امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ الیاس خواجہ خان جلایر کے امیروں کو مطیع کر چکا تھا' امیر حسین پناہ کے لئے سرگرداں تھا اور اس کے قصہ حکومت میں ایک جتہ سردار حکمراں بنا بیٹھا تھا۔ ان حالات میں تیمور کی آواز پر کون اٹھتا۔

انہیں امیروں نے ایک دن تیمور کو مطلع کیا کہ مغلوں کو اس کی موجودگی کا علم ہو چکا ہے چنانچہ ایک بار پھر تیمور کو گھوڑے پر بیٹھ کر رات کی تاریکی میں گم ہونا پڑا۔

مگر وہ تنہا نہ تھا۔ چند سر پھرے' جنگ و جدل کے دلدادہ اور رزم و پیکار کے خوگر ترکمان اور بلند ہمت عرب بھی اس کے ساتھ ہو لئے تھے۔ وہ لشکریوں کی حیثیت سے تو کار آمد نہ تھے مگر جادہ پیمائی کے بڑے اچھے رفیق تھے۔

جب تیمور انہیں ساتھ لئے ہوئے شہر سبز کے قریب پہنچا تو وہ خوب ہنسے۔ ان سب نے شہر کے سفید مرمریں گنبد کے سامنے چراگاہ کی بلندیوں پر ڈیرے ڈالے۔ وہاں سے جتہ مغل اس کے محل میں گھومتے پھرتے اور گھوڑوں پر سوار ہو ہو کر اس کی تلاش میں جاتے نظر آتے تھے۔ تیمور کے ساتھیوں نے اس کے کارنامے ان امرائے برلاس کے سامنے فخریہ لہجے میں بیان کئے جو باریابی کے لئے حاضر ہوئے۔ ایلچی بہادر' وہی جس کی کمان تیمور نے چھینی تھی' اور سفید ریش جاکو برلاس بھی ملنے آئے۔

امیر قزغن کے دربار کے ان پرانے جنگ آزماؤں نے کئی بار تیمور کے ساتھ بادہ نوشی کی۔ ایک دن کہنے لگے "جب اللہ کی زمین اتنی وسیع ہے تو دیواروں میں بند ہو کر رہنے سے کیا حاصل! باہر نکل کر قسمت آزمائی کرنی چاہئے۔"

تیمور نے کہا "صرف باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ یہ بتاؤ عملاً کیا کرنا ہے! کوے بن کر جتہ مغلوں کے دسترخوان کے ٹکڑے کھاتے رہو گے یا شاہین بن کر خود شکار کرو گے؟"

"واللہ! دونوں برلاس جنگجو بیک وقت بولے: ہم کوے نہیں ہیں۔"

جب الجائی محفل میں آئی تو انہوں نے اسے نہایت ادب سے سلام کیا۔ یہ وہ خاتون تھی جو اپنے شوہر کے ساتھ جنگوں میں شریک رہ چکی تھی۔ سپاہی کے نزدیک ایسی خاتون قابل تعظیم ہوتی ہے۔ جب خریف کے اختتام پر تیمور امیر حسین سے ملاقات کے لئے وہاں سے روانہ ہوا تو یہ دونوں بہادر اس کے ساتھ تھے۔

یہ راستہ جس پر تیمور اب روانہ ہوا کوئی آسان راستہ نہ تھا چنانچہ اسے طے کرنا

کمزور انسانوں کے بس کی بات نہ تھی۔ پانچ سو میل لمبا تھا اور آسمان کو چومتی ہوئی پہاڑی چوٹیوں کے درمیان سے چکر کاٹتا اور اس افغانستان کے کوہستانوں میں سے گزرتا ہوا چلا گیا تھا جس کے پہاڑوں کی پیمائش ابھی تک بھی مکمل نہیں ہو سکی ہے۔ یہ پہلے تو ایک تنگ گھاٹی کی بلندی کی طرف جاتا تھا جس کے سرے پر پہنچ کر گھٹنوں گھٹنوں برف ہٹائے بغیر کچھ نظر نہ آتا تھا کہ آگے کدھر جارہے ہیں' پھر کہ ہندوکش کی برفانی چوٹیوں اور برف کے تودوں سے گزر کر اور بھی زیادہ بلند پہاڑوں کی طرف چلا جاتا تھا' جن سے آگے برف سے ڈھلی ہوئی سطح مرتفع تھی۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے گول خیمے نصب کئے۔ سفر دن کے وقت ہی ہو سکتا تھا' اور دن میں بھی برف کی چمک آنکھوں کو چندھیائے دیتی تھی۔ گھوڑوں کی پیٹھوں پر موٹے نمدے کے کمبل پڑے ہوئے تھے ورنہ ایک دن بھی زندہ نہ رہتے اور آدمی تو بھیڑیئے اور دیگر پوستینی جانوروں کی کھالوں کے بغیر گزارہ ہی نہ کر سکتے تھے۔ ہوا اس قدر خنک تھی کہ ٹھنڈک پوستینوں سے گزر کر ہڈیوں تک پہنچتی۔ راستے میں جنگل بھی پڑتے تھے' ان میں سے ایندھن کے لئے لکڑیاں کاٹ کر ساتھ لے لیتے۔ کہیں کہیں قبائل کے قلعوں اور میناروں کے قریب سے بھی گزرنا پڑتا تھا جن کے سنتری نظروں سے تو اوجھل ہوتے مگر انہیں پکارتے ضرور۔ اور ان کی آواز پر ایک ہزار فٹ کی بلندی پر کتے بھی بھونکنا شروع کر دیتے۔

کئی بار ان پر افغانوں نے بھی حملہ کیا۔ مگر حملہ آوروں کو معلوم نہ تھا کہ وہ کس قسم کے انسانوں پر حملہ کررہے ہیں' چنانچہ ایسے ہر حملے کے بعد تیمور اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہلے سے زیادہ سامان ہو جاتا۔ انہوں نے کوہ ہندوکش کا بارہ ہزار فٹ بلند درہ عبور کیا اور گرتے پڑتے وادی کابل میں پہنچ گئے۔

مگر یہ سفر اب بھی ختم نہ ہوا۔ شہروں میں داخل ہونا خطرے سے خالی نہ تھا چنانچہ شہر کا چکر کاٹ کر آگے بڑھ گئے اور اس کے قرب و جوار سے سامان خور و نوش' نئے گھوڑے اور بھیڑیں خرید کر قندھار کے راستے پر ہو لئے جس پر برف نہ ہونے کی وجہ سے سفر زیادہ آسان تھا۔ آخر اس مقام پر پہنچے جہاں امیر حسین سے ملنے کا وعدہ تھا۔ وہ اپنے لشکر سمیت وہاں موجود تھا' جو یوں تو تیمور کے لشکر جیسا ہی تھا مگر اس کی نفری کچھ زیادہ تھی۔

انہوں نے موسم سرما میں آرام کیا۔ اس کے اختتام پر قریب کی سیستانی پہاڑیوں کے ایک حاکم کا ایلچی تحائف لے کر آیا اور اس کا یہ پیغام پہنچایا کہ رعایا کی بغاوت کی وجہ سے کئی پہاڑی علاقے اس کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں' اگر تیمور اور امیر حسین یہ بغاوت فرو کرنے میں اس کی مدد کریں تو بیش بہا تحائف پیش کرے گا۔ ان دونوں نے فوراً امداد کی

حامی بھرلی۔ امیر حسین تو یہ چاہتا تھا کہ جنوبی صوبوں کا مالک بن جائے اور تیمور کے لئے جنگ میں شمولیت ہی باعث مسرت تھی۔

جوں ہی راستوں کی حالت بہتر ہوئی دونوں نے اپنے اپنے لشکروں کو کوچ کا حکم دیا اور اس حاکم سے جا ملے۔ تیمور تو ایسے موقعوں کا منتظر ہی رہتا تھا کہ رانوں تلے گھوڑا' کمر میں تیغ' دائیں ہاتھ میں نیزہ' بائیں ہاتھ میں ڈھال اور کمان کمر کے ایک رخ آویزاں ہو اور وہ جنگ میں مصروف ہو۔ اس کے لئے اس سے اچھا موقع اور کون سا ہو سکتا تھا۔

وہ بہت جلد بیشتر قلعوں پر قابض ہوگئے۔ کسی پر حملہ کیا' کسی پر شب خون مارا اور کسی کے دروازے یوں ہی کھل گئے۔

اس کام کے معاوضے میں انہیں یقیناً بڑا زر و مال ملتا۔ مگر حسین نے کام بگاڑ دیا۔ وہ دیہات کو لوٹنے اور اکثر مفتوحہ مقامات پر اپنی فوجیں بٹھانے لگا۔ حسین کے اس رویئے سے سیستانی ناراض ہوگئے۔ باغیوں کو تاتاریوں کے حلیفوں میں انتشار پھیلانے کا موقع مل گیا' انہوں نے حاکم کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم تو جیسے بھی ہیں تمہارے ہی ہیں لیکن اگر ہماری جگہ تاتاریوں نے لے لی تو وہ پورے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک رات حاکم سیستان متحدہ لشکر سے خاموشی سے علیحدہ ہوکر باغیوں سے جا ملا۔ یوں بدل جانا ان کوہستانی قبائلیوں کا خاصہ تھا' خصوصاً جب نوواردوں سے واسطہ پڑتا تھا تو بہت شکی ثابت ہوتے تھے۔ انہوں نے متحد ہوکر تیمور پر حملہ کیا تب اس نے روک لیا اور جوابی حملہ کردیا۔ اس حملے کے دوران میں ایک مقام پر اس کے گرد صرف بارہ سپاہی تھے اور تمام سیستانی اسی کو تیروں کا ہدف بنا رہے تھے۔ ایک تیر سے اس کے ایک بازو کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور ایک اور تیر سے پاؤں زخمی ہوگیا۔ مگر یہ وقت زخموں کی طرف متوجہ ہونے کا نہ تھا' اس نے تیر جسم سے نکال پھینکے اور لڑائی میں مشغول ہوگیا۔ مگر بعد میں ان کے زخموں نے عرصے تک تکلیف دی اور اسے صاحب فراش ہونا پڑا۔

سیستانیوں کو شکست ہوئی اور اس فتح سے تیمور اور امیر حسین کو مزید ساتھی ملے اور خاصی دولت بھی ہاتھ آئی۔ حسین اپنا لشکر لے کر شمال کی جانب روانہ ہوگیا اور تیمور زخموں کی وجہ سے قریب کی پہاڑیوں میں رک گیا۔

یہاں الجائی بھی اس سے آملی اور ایک عرصے بعد اسے شوہر کے ساتھ ایک ایسی جگہ سکون سے رہنے کا موقع ملا جہاں جنگ کا نقارہ اسے فوراً تیار ہوکر لڑائی میں شامل ہونے کا پیغام نہ دے سکتا تھا۔ ان کا خیمہ ایک فرحت افزا مقام پر تھا' اس کے گرداگرد انگور کی بیلیں تھیں اور ہر وقت خنک اور تازگی بخش ہوا چلتی رہتی تھی۔ الجائی اپنے سرتاج کی

خدمت کا موقع غنیمت جان کر اس کی تیمار داری میں منہمک تھی۔ ہری ہری گھاس نے گھوڑوں کے لئے ایک شاداب چراگاہ بھی مہیا کر دی تھی۔ جب سورج غروب ہو جانے کے بعد ماہتاب طلوع ہوکر آسمان میں کھیت کرنے لگتا تو وادیوں میں پہاڑوں کے سائے چاندنی کے ساتھ ساتھ سرکتے جاتے اور تیمور اور الجائی خیمے میں قالین پر پاس پاس لیٹے یہ منظر دیکھتے رہتے۔ یہ چاند اور اس کے ماہانہ سفر کی مدت الجائی کی اپنی تھی۔ اس کا محبوب سرتاج اس کے قریب تھا اور ننھا جہانگیر ہر وقت اس کے گلے کا ہار بنا رہتا تھا۔

جب زخم بھرنے لگے تو تیمور نے خیمے سے باہر نکلنا شروع کیا اور لنگڑا لنگڑا کر چلنے لگا تاکہ زخمی پاؤں سیدھا پڑنے لگے۔ الجائی اسے اس طرح چلتے دیکھ کر مسکراتی مگر ساتھ ہی یہ بھی سوچتی کہ اب تیمور کے ساتھ اس کے قیام کے دن گنتی ہی کے رہ گئے ہیں اور پھر وہ دن بھی آہی پہنچا جب تیمور کو مکمل صحت ہوئی اور اس نے ہتھیار طلب کئے۔ الجائی نے اسے زرہ پہنائی' اس کی کمر سے تلوار باندھی اور پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے آنے والی جدائی کے غم کا تصور ذہن سے ہٹانے کی کوشش کی۔ اس کا جھکا ہوا سر اٹھا' آنکھیں شوہر سے ملیں' پلکیں کانپیں اور اس کے منہ سے نکلا "میرے سرتاج! خدا تمہارا محافظ ہو!!"

سنگین پل پر (33)

اب شمالی میں تیمور کی ضرورت تھی۔ امیر حسین نے جلد بازی میں قریب ترین جتہ لشکر پر حملہ کر دیا تھا اور بری طرح پٹا تھا جسکے بعد اس کی فوج منتشر ہوگئی تھی۔ حسین کا یہ اقدام تیمور کے مشورے کے خلاف تھا اس لئے اسے ازحد غصہ آیا مگر بہرحال اسے حسین کی مدد کو پہنچنا تھا' یہی نہیں پہاڑوں کو چھان کر حسین کے ساتھیوں کو ڈھونڈ نکالنا اور ان کے علاوہ اور بھی جو کار آمد آدمی ملیں انہیں بھی اکٹھا کرنا تھا۔ ابھی اس کے ہاتھ کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا' اس لئے بیک وقت راسیں سنبھالنا اور ہتھیار استعمال کرنا مشکل ہوتا تھا۔

اس سفر پر روانگی کے وقت اس کی طبیعت بہت مکدر تھی۔ راستے میں شکار سے دل بہلاتا ہوا شمال کی طرف بڑھا۔ اس نے حسین کے انتظار میں دریائے آمو کے قریب خیمے نصب کر رکھے تھے کہ اس کے دوستوں کو اس کی وہاں موجودگی کا علم ہوگیا۔ وقائع نگار (34) نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔

تیمور کے خیمے ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے پر تھے۔ دوسرے کنارے پر پہاڑیوں کا ایک چھوٹا سا سلسلہ تھا۔ اسے حسین کا انتظار کرتے کئی دن ہو چکے تھے چنانچہ طبیعت بے چین ہونے لگی تھی اور ساری ساری رات نیند نہ آتی تھی۔ ایک رات چاند نکلا ہوا تھا اور مطلع غیر معمولی طور پر صاف تھا۔ تیمور ندی کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ جب سے پاؤں میں زخم آیا تھا زخمی پاؤں پر زور دے کر چلنے کی عادت ڈال رہا تھا۔ زخم کسی طرح اچھا ہونے میں نہ آرہا تھا مگر تیمور زخمی بنے رہنے کے لئے تیار نہ تھا۔

جب وہ پہاڑی پر واپس پہنچا تو چاندنی مدھم پڑ چکی تھی اور مشرق میں سحر کی سفیدی پھیل رہی تھی۔ وہ نماز پڑھنے لگا۔ فارغ ہوا تو دیکھا کہ پہاڑی کے دوسری طرف ایک تیر کے فاصلے پر ہتھیار بند سوار گزر رہے ہیں۔ بلخ کے جانب سے آتے معلوم ہوتے تھے۔ اس وقت بلخ جتہ مغلوں کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ تیمور جلدی سے اپنے خیموں کی طرف گیا اور اپنے ملازموں کو جگا کر گھوڑا لانے کا حکم دیا۔

جب گھوڑا لایا گیا تو وہ اس پر بیٹھ کر ان سواروں کو للکارنے کے لئے اکیلا ہی چل کھڑا ہوا۔ اسے آتا دیکھ کر وہ رک گئے اور ملگجی روشنی میں اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔

تیمور نے پکار کر پوچھا: "تم کون لوگ ہو؟ کہاں سے آرہے ہو؟ اور کہاں کا عزم ہے؟"

"ہم امیر تیمور کے سپاہی ہیں۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ "اور آقا کو ڈھونڈنے آئے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ وہ ثمرو سے چل کر اس وادی میں آئے ہیں مگر ہم ان کا کھوج نہیں نکال سکے۔"

تیمور نہ اس آواز کو پہچانتا تھا' نہ ان سواروں کے ڈیل ڈول سے اسے کچھ اندازہ ہوا۔ اس نے مزید معلومات حاصل کرنے کی غرض سے کہا: "میں بھی تیمور کا سپاہی ہوں۔ اگر تم چاہو تو رہبری کرکے تمہیں تیمور تک پہنچا سکتا ہوں۔"

اس کی یہ بات سن کر ان میں سے ایک آدمی دستے سے علیحدہ ہوکر ایک جانب بڑھا اور تیمور نے اسے کسی سے کہتے سنا۔ "ایک رہبر مل گیا ہے جو ہمیں امیر کے پاس پہنچا سکتا ہے۔"

تیمور نے گھوڑا آگے بڑھایا تاکہ اس شخص کو پہچان سکے جس سے یہ آدمی مخاطب تھا۔ معلوم ہوا قبیلہ برلاس کے تین سردار ہیں جو اپنے ساتھ سواروں کے تین دستے لائے ہیں۔

انہوں نے اجنبی (تیمور) کو اور قریب آنے کو کہا۔ تیمور اور قریب چلا گیا۔

"امیر تیمور!" تینوں سردار گھوڑوں سے کود کر اترے اور انہوں نے جھک کر تیمور کی رکاب چومی۔

تیمور بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ اس ملاقات کی خوشی میں اس نے تینوں سرداروں کو تحائف دیئے۔ ایک کو خود' دوسرے کو پٹکا اور تیسرے کو زرہ۔ پھر حالات پر تبصرہ ہونے لگا۔ خوب باتیں ہوئیں' شکار مہیا کرکے ضیافت اڑائی گئی اور جب نووارد تیمور کے ساتھ ایک ہی برتن میں اس کا نمک کھا چکے تو طرفین کو یقین ہوگیا کہ دلوں میں کسی قسم کی کوئی کدورت نہیں ہے۔ تیمور نے ان میں سے ایک آدمی کو دریا پار روانہ کیا تاکہ یہ معلوم کرکے آئے کہ جتہ مغل کیا کررہے ہیں۔ اس آدمی نے آمو کو گھوڑے سمیت تیر کر عبور کرنے کی کوشش کی تو اس کا گھوڑا ڈوب گیا مگر خوش قسمتی سے وہ خود ریت کے ٹیلوں سے جا لگا اور ہاتھ پاؤں مار کر دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ بیس ہزار کا جتہ لشکر شہر سبز کی سمت سے بستیوں کو جلاتا اور تباہی پھیلاتا ہوا آرہا ہے۔ یہ آدمی اپنے گھر کے قریب سے گزرا تھا جو جتہ فوج کی راہ میں تھا مگر اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تو بولا۔ "جب میرے امیر کا کوئی گھر نہیں تو میں اپنے گھر کس منہ سے جاتا!"

تیمور یہ خبر سن کر بے صبر سا ہوگیا۔ ادھر مغلوں نے جب یہ دیکھا کہ میدان میں ایک لشکر ان سے لڑنے کو موجود ہے تو اپنی عادت کے مطابق لوٹ مار شروع کر دی۔

اب ہرچند تاتاری منتشر تھے اور ان کا کوئی مرکز بھی نہ تھا مگر مغلوں کی اس لوٹ مار کی وجہ سے تیمور کو یہ امید بندھ گئی کہ دریا پار کے تمام قبائل مغلوں سے ناراض ہوکر اس کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سردست اس کی فوج جتہ سپہ سالار بیک جک کے لشکر کے ایک چوتھائی کے برابر تھی جو اس آزمودہ کار جرنیل کی کمان میں دریا (35) کے شمالی کنارے پر پھیلا ہوا تھا اور تمام پایاب مقامات روکے بیٹھا تھا۔

ایسی حالت میں جب تمام گھاٹ دشمن کے قبضے میں تھے دریا عبور کرنا بظاہر تیمور جیسے دلیر سپہ سالار کی جسارت سے بھی بالاتر تھا مگر اس نے دریا عبور کر ہی لیا۔

پھر وہ ایک مہینے تک دریا کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اسکے چڑھاؤ کے رخ بڑھتا رہا۔ ادھر جتہ سپہ سالار بھی دوسرے کنارے پر' اس کے بالکل بالمقابل' اپنے لشکر کو شمال کی طرف حرکت دیتا رہا۔ ایک جگہ دریا کا پاٹ بہت کم تھا' یہاں سنگین پل کے پاس پہنچ کر تیمور رک گیا۔ جتہ مغل ایک تو مقابلتاً" طاقتور تھے' دوسرے انہیں ہر طرح کے تحفظ اور آسانیاں بھی حاصل تھیں' اس لئے قدرتی بات تھی کہ وہ پل پار کرنا نہ چاہتے تھے۔ تیمور نے نہایت دلجمعی سے اپنا معسکر قائم کرلیا۔ اس رات اس نے پانچ سو جوانوں کو پل کی حفاظت پر متعین کیا اور ان کی کمان اپنے دو قابل ترین سرداروں کو سونپی' ایک موید ارلات تھا' جس کی وفاداری اور دلیری شبے سے بالاتر تھی' اور دوسرا' امیر موسیٰ' جو امیر حسین کے سپہ سالاروں میں قابل ترین سپاہ سالار تھا۔

تیمور نے ان پانچ سو کو معسکر کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر خود باقی فوج سمیت جتہ فوج کے عین مقابل ایک مقام پر دریا عبور کیا مگر پار اتر کر رکا نہیں بلکہ کترا کر ان نیم دائرہ نما پہاڑیوں میں چلا گیا جو سامنے کے رخ تھیں۔

اگلے دن جتہ مغلوں نے تیموری سپاہ کے گزرنے کے نشانات دیکھے۔ ظاہر یہی ہو رہا تھا خاصی کثیر فوج اس پار آچکی ہے مگر جب وہ تیمور کے معسکر کی طرف نگاہ کرتے تو وہاں کی فوج میں کوئی کمی معلوم نہ ہوتی۔ تیمور کا منصوبہ یہ تھا کہ اگر جتہ سپہ سالار بیک جک پل پر حملہ کرے تو موید ارلات اور موسیٰ اس کا تحفظ کریں اور میں عقب سے مغلوں پر حملہ کر دوں۔

بیک جک نے جو بڑا ہوشیار جرنیل تھا' یہ خطرہ بھانپ لیا' اس لئے تمام دن خاموش بیٹھا رہا۔ ادھر تیمور نے رات کو اپنے سپاہی اردگرد کی پہاڑیوں پر پھیلا دیئے اور انہیں حکم

دے دیا کہ مغل فوجوں کے تین طرف جگہ جگہ آگ جلائیں۔ مغل بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کے عادی تھے۔ بیک جک جگہ جگہ آگ جلتی دیکھ کر گھبرا گیا' اس نے جلدی جلدی اپنا معسکر اٹھایا اور صبح ہونے سے پہلے کوچ کا حکم دے دیا۔ تیمور اسی کے انتظار میں تھا۔ اس نے اپنی پوری فوج سے مغلوں پر حملہ کر دیا۔ آج تک کوئی فوج کوچ کرتے میں اپنا مکمل دفاع نہیں کرسکی' مغل کیسے کر لیتے چنانچہ ان کے دستے بکھر گئے' لشکر منتشر ہوگئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تیمور نے ان کا بڑے زور شور سے تعاقب کیا۔

امیر حسین نے لڑائی میں تو حصہ نہ لیا تھا مگر اب تیمور سے آملا اور مشورہ دینے پر مصر ہوا' کہنے لگا: "شکست خوردہ فوج کا تعاقب کرنا غلط اقدام ہے۔"

تیمور نے جواب دیا: "ابھی انہیں شکست نہیں ہوئی۔" اور تعاقب جاری رکھا۔

تاتاری قبائل جو مغلوں کے خوف سے جا بجا چھپے بیٹھے تھے۔ اب ان کے فرار کی خبر سن کر چھپنے کی جگہوں سے نکل نکل کر تیمور کے پاس آنے لگے۔ تیمور ہر قبیلے کا' جو مبارکبادی دینے آتا' خیرمقدم کرتا۔ تاتاری مرد و زن خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ سوار گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے اور امیر کو دیکھنے کے مشتاق نظر آتے تھے' عورتیں گھروں اور خیموں کے سامنے کھڑے ہوکر اپنی آستینیں ہلا ہلا کر مبارکبادیں دیتیں۔ تیمور کو سونے تک کی فرصت نہ تھی۔ اسے اس نئی فوج کے نئے کماندار مقرر کرنے تھے' پرانی قبائلی دشمنیوں کو دبا کر اہالیان قبائل کے آپس میں سمجھوتے کرانے تھے' مال غنیمت کو اس طرح بانٹنا تھا کہ کسی کے دل میں رنجش نہ رہے' مقتولین کے وارثوں کو مال بدل اور زخمیوں کو وظیفے دینے تھے اور مغلوں کے مسلسل تعاقب کی نگرانی بھی کرنی تھی۔ تمام رات گھوڑے پر سوار اپنی فوج کو شمال کی طرف بڑھتے رہنے کی ہدایات دیتا رہتا اور جہاں کہیں مقابلہ سخت ہوتا وہاں خود پہنچ جاتا۔

تاتاریوں کے بے پناہ سیلاب نے جتہ فوجوں کے قدم اکھیڑ دیئے چنانچہ انہوں نے دریائے آمو اور دریائے سیر کے درمیان کا سارا علاقہ خالی کردیا۔ شہزادہ الیاس خواجہ خان شمالی میدانوں میں پہنچ کر تاتاریوں کے مقابلے کے لئے فوجیں جمع کر رہا تھا کہ وطن سے آئے ہوئے دو سوار اس کے سامنے پیش ہوئے جنہوں نے اس کے باپ تغلق تمور خان کے مرنے کی خبر دی اور پھر اس کے گھوڑے کی باگ تھام کر اسے خیمے کے اندر لے گئے۔

الیاس اپنے شہر المالیق جانے پر مجبور ہوگیا جو خطا کی شاہراہ پر تھا۔ ادھر بیک جک اور دو اور مغل سپہ سالار تاتاریوں کے ہاتھ آگئے تھے۔ تیمور نے انہیں انفرادی مبارزت میں زک دے کر قید کیا تھا۔ ایک مختصر سا مقابلہ ہوا تھا' ایک لمحے کے لئے تلواریں چمکیں' اور

گھوڑے ٹکرائے' پھر ماوراء النہر کا نیا بادشاہ ان پر غالب آگیا۔

تیمور نے جشن منانے کا حکم دیا اور مغل سپہ سالاروں کی اپنے خیمے میں دعوت کی جہاں ان کی پذیرائی ان کے مرتبے کے مطابق کی گئی۔ جشن کے بعد تیمور نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے خان اعظم کا حق نمک ادا کر دیا اور ان سے پوچھا کہ اب ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

"اس کا فیصلہ آپ ہی کریں!" انہوں نے نہایت سکون سے جواب دیا۔ "اگر ہم قتل کر دیئے گئے تو بہت سے بدلہ لینے اٹھیں گے' لیکن اگر ہمیں زندہ رہنے دیا گیا تو بہت سے آپ کی دوستی کا دم بھرنے لگیں گے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے' ہمارے لئے تو مر جانا یا جیتے رہنا ایک ہی بات ہے' جب کمر سے تلوار باندھی اور تن پر زرہ پہنی ہے اسی وقت سے موت کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

امیر حسین نے تیمور کو مشورہ دیا کہ دشمن کے سپہ سالاروں کو رہا کرنا ٹھیک نہ ہوگا مگر نوجوان فاتح' جس نے انہیں اپنے ہاتھوں قید کیا تھا اور دعوت میں بھی شریک کر چکا تھا' انہیں رہا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ان کے لئے گھوڑے منگوائے' انہیں تحفے دیئے اور قید سے رہا کر دیا۔

اس دوران میں اس نے شہر سبز بھی فتح کر لیا تھا اور یہ کام اس سادہ اور آسان حیلے سے کیا تھا جو صحرائی قبائل سے سیکھا تھا۔ جوں ہی شہر کی دیواریں نظر آئیں اس نے اپنے سوار چاروں طرف پھیلا دیئے اور انہیں حکم دیا کہ ادھر ادھر گشت شروع کر دیں اور جس قدر زیادہ گرد اڑا سکیں اڑائیں۔ کئی سرداروں نے جوش میں آکر درختوں کے تنے کاٹ لئے۔ انہیں زمین پر ڈال کر گھسیٹنے سے اس قدر گرد اڑی کہ ہر طرف بے شمار لشکر کی موجودگی کا گمان ہونے لگا۔ شہر کی قلعہ بند جتہ فوج ڈر گئی اور شہر خالی کر دیا۔ یوں شہر سبز محاصرے کی صعوبتوں سے بچ گیا۔

تیمور کے وقائع نگار نے خوب کہا ہے کہ "امیر تیمور جنگ میں ہمیشہ خوش قسمت رہا۔ ایک سال کے اندر اندر اس نے ایک بہت بڑی فوج کو آگ سے شکست دی اور ایک شہر پر گرد و غبار کی مدد سے قبضہ کیا۔"

اس فتح سے تاتاریوں کی جتہ مغلوں سے گلو خلاصی ہوئی اور ان کے سر سے ایک بلا ٹل گئی۔ مگر بے چین تاتاریوں پر جنگ کے زمانے سے زیادہ امن کا زمانہ بھاری ہوتا تھا۔ امیر حسین کو تیمور کا شاہانہ انداز اور شکوہ پسند نہ تھا اور اس نے اپنے نقصانات کی تلافی کے طور پر بہت زیادہ رقم نیز حقوق بھی طلب کئے۔ ادھر تیمور کے دل میں بھی اس کی

طرف سے کھٹک تھی۔ وہ ایک دن امیر حسین کو ایک بزرگ (36) کے مزار پر لے گیا اور وہاں اس سے یہ قسم لی کہ اس کا وفادار دوست بنا رہے گا۔ حسین نے قسم کھانے کو تو کھالی مگر قسم کھانے پر مجبور کئے جانے کا برا مانا۔ دونوں ہی خستگی اور تھکان کا شکار تھے اور اپنے ساتھیوں کے مسلسل جھگڑوں سے بھی تنگ آچکے تھے' اس لئے دونوں بیمار پڑ گئے۔

وقائع نگار لکھتا ہے کہ الجائی خاتون آغا نے معسکر میں آکر ان دونوں کی تیمار داری کی۔

برسات کی لڑائی (37)

الیاس خواجہ خان کا پلٹ کر آنا لازمی تھا۔ تیمور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اس راستے پر، جس سے اسے آنا تھا، تقریباً آدھے فاصلے تک گیا اور دریائے سیر کے شمال کے میدان (38) تک پہنچ گیا جس میں مغل یورش شروع کرنے سے پہلے گھوڑوں کو تازہ دم کرنے، انہیں چرانے پھرانے اور ان کا سازوسامان درست کرنے کے لئے رکا کرتے تھے۔ الیاس کے ساتھ بلاد شمال کی پوری طاقت تھی، اس کی فوج آزمودہ اور منضبط، افسر تربیت یافتہ اور گھوڑے پورے ایشیا میں بہترین تھے جن کے چرم پوش سواروں کے گنجان دستوں کے سروں پر قرنی پرچم بڑی آن بان سے لہرا رہے تھے۔

وہ تعداد میں تاتاریوں سے کم تھے مگر تیمور ان کی جنگی صلاحیت سے واقف تھا۔ وہ جا مخبروں کے ذریعے ان کی نقل و حرکت سے باخبر رہا۔ اور اس اثنا میں امیر حسین بھی کوہستانی قبائل سمیت اس سے آملا۔

اتنے زیادہ تاتاری قبائل تاریخ میں پہلی بار یک جا ہوئے۔ وہ اپنی پوری طاقت سے میدان جنگ میں اترے۔ قبیلہ برلاس اور صحرا کے شہسوار، امرائے جلایر، سلدوز خاندان کے تومند جوان، امیر حسین کے غوری قبائل، کابل کے گٹھیلے جسموں کے سپاہی جن کے کانوں میں اس دور دراز علاقے میں بھی، جنگی تیاریوں کی بھنک پڑ گئی تھی، خود پوش ایرانی اور "بہادر" سب ایک جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔

تقریباً سبھی گھڑسوار تھے، صرف ملازموں، چرواہوں اور نیزہ بازوں کی چند پلٹنیں پیدل تھیں، جن کے ذمے معسکر کی حفاظت کا کام تھا، جس کے گرد خندق کھود لی گئی تھی، مگر ان سواروں کا قیاس آج کل کی ہلکی سوار رجمنٹوں (39) پر نہیں کیا جا سکتا۔

تاتاری سوار ایران کی بنی ہوئی مہین مگر مضبوط آہنی زرہ پہنتے تھے۔ ان کے سروں پر کلغی دار آہنی خود اور اس کے نیچے گلوگیر یا جھلم ہوتا تھا۔ جس سے گلے کی حفاظت ہوتی تھی۔ یہ ناک کے نیچے یا ٹھوڑی پر باندھا جاتا تھا۔ سینے اور کندھوں کی حفاظت دہری زرہ یا فولادی تختیوں سے کی جاتی تھی۔ بعض گھوڑوں پر چمڑے کی جھول بلکہ کڑیوں دار زرہ ہوتی تھی اور بعض اوقات ان کے سر بھی ہلکے فولادی خودوں سے ڈھکے ہوتے تھے۔

ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک کمان اور اس کے علاوہ ایک تیغ اور بعض کے پاس

تلوار یا دو رخی ایرانی شمشیر بھی ہوتی تھی۔ ان کے نیزے عام طور پر دس فٹ لمبے اور آج کل کے بلم کی شکل کے ہوتے تھے۔ ان کی انی بہت چھوٹی ہوتی۔ بعض سوار چھوٹا برچھا پاس رکھتے تھے جس کے سرے پر فولادی مونھ ہوتی جو آہنی زرہ کو پاش پاش کرنے کے لئے استعمال کرتے۔ ان کی کمانوں پر بھی سینگ یا لوہے کے خول چڑھے ہوتے تھے۔ اکثر کے پاس آہنی گرز اور تیغ ضرور ہوتی۔

فوج کا چھوٹے سے چھوٹا دستہ، جس میں سو سوار ہوتے، آج کل کے اسکواڈرن کے برابر اور 'ہزارہ' رجمنٹ کے برابر ہوتا تھا، جس کی کمان مینگ باشی (کرنل) کے سپرد ہوتی۔ امیروں کو تمام صفوں پر تقسیم کر دیا جاتا تاکہ انہیں فوج کو لڑانے میں آسانی ہو۔ لڑائی کے دوران میں قیادت کی تمام ذمہ داری انہیں پر ہوتی۔ امیر تیمور اور امیر حسین کے گرد چند امیر ہر وقت موجود رہتے جنہیں تاواچی (آج کل کی اصطلاح میں ایڈی کانگ) کہتے تھے۔

تیمور نے اپنی فوج میمنہ، قلب اور میسرہ میں ترتیب دے رکھی تھی ان میں سے ہر ایک کے دو حصے تھے۔ ایک اعظم البُنیش، دوسرا محفوظ سپاہ۔ میمنہ امیر حسین کی کمان میں تھا، اس کو تیمور نے قصداً" زیادہ طاقتور رکھا تھا۔ میسرہ، جو کمزور تھا، تیمور نے براہ راست اپنی کمان میں رکھا۔ اس کے ساتھ برلاس سردار، امیر جاکو اور اس کے ساتھی بھی تھے۔

تیمور بہت پرامید تھا اور نامعلوم طور پر خوش نظر آتا تھا۔ تاتاری سپاہیوں کو بھی اپنی کثرت تعداد اور شان و شوکت کی وجہ سے فتح کا یقین تھا مگر یک لخت بارش شروع ہوگئی۔ بہار کا یہ طوفان باراں اس قدر شدت سے آیا کہ جیسے قدرت نے انسانوں اور گھوڑوں کو اڑا لے جانے کی ٹھان لی ہے اور اس نے دونوں فوجوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا ہے جو بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کی کڑک چمک سے ہو رہا تھا۔ زمین پہلے ہی نرم تھی، اب کیچڑ اور دلدل کی جھیل بن گئی، جس میں گھوڑے حرکت بھی بمشکل کر سکتے تھے، چنانچہ بارہا پیٹ تک دھنس دھنس گئے۔ دریا (40) بھی چڑھ گیا، اس سے نشیبی علاقوں اور ندی نالوں میں پانی بھر گیا۔ سپاہیوں کی وردیاں بھیگ چکی تھیں اور ہتھیاروں کی حفاظت دشوار ہوتی جا رہی تھی۔ وقائع نگار نے لکھا ہے کہ یہ سب جتہ مغلوں کی کارستانی تھی جن کے جادو گروں نے یدہ پتھر سے یہ حالت پیدا کی تھی (41) اور چونکہ انہیں اس کا پہلے ہی سے علم تھا اس لئے وہ نمدے، کمبل اور جھولیں ساتھ لائے تھے جن سے اپنے گھوڑوں کو برف اور بارش سے بچا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نالیاں کھود کر پانی کے نکاس کا بھی انتظام کر رکھا تھا، اس لئے ان کا معسکر بھی دلدل نہ بنا۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور بارش کی صعوبتوں سے بچ نکلے اور تیمور کے لشکروں کو یہ سب جھیلنی پڑیں۔ غرض جتہ مغل تازہ دم گھوڑوں پر

سوار ہو کر تاتاریوں پر حملہ آور ہوئے۔

تیمور بھی مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ حسب معمول پہلے شمشیر زن فردا" فردا" ز
آزما ہوئے اور اس طرح چند جھڑپیں ہوئیں۔ اس کے بعد تیمور نے اپنے بائیں باز
رجمنٹوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جتہ لشکروں نے یہ حملہ روک لیا اور تاتاریوں کو پ
دھکیل دیا اور خود ان کے عقب میں سیلاب کی طرح بڑھ آئے جس سے تیمور کی محفوظ
کے قدم بھی اکھڑنے لگے۔

اس اچانک اور عظیم مصیبت سے دوچار ہوتے ہی تیمور نے نقارے پر ضرب لگا
حکم دیا اور اپنے برلاس بہادروں کو لے کر آگے بڑھا۔ مگر دلدل کے اس سمندر میں
قائم نہ رہ سکا اور اس کے دستے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ گئے۔ جس سے گھبراہ
افراتفری اور بدنظمی پھیلنے لگی۔

باد و باراں کی وجہ سے کمانیں بیکار ہوگئی تھیں۔ گھوڑے بری طرح پھسل رہے ت
زرد زرد پانی کی نالیاں خون سے سرخ ہوتی جارہی تھیں۔ اب فولاد ہی کا استعمال ممکن ت
شمشیروں سے شمشیریں ٹکرانے لگیں۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹیں، تلواروں کی جھنکاریں، زخ
کا کراہنا اور تاتاری شہسواری کے نعرے، غرض قیامت کا سماں تھا۔

تیمور، جتہ فوج کے میمنہ کے کماندار (42) کے علم کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر ا
وار کیا جو اس نے اپنی ڈھال پر روکا اور رکابوں میں کھڑے ہو کر تیمور پر تلوار سے وا
ہی چاہتا تھا کہ جاکو نے، جو اپنے امیر کے ساتھ سائے کی طرح لگا آرہا تھا، آگے بڑھ
نیزے کی انی مغل کماندار کے سینے کے پار کر دی۔ مغلوں کا علم سرنگوں ہوگیا۔

تیمور نے ایک بار پھر نقارے پر ضرب لگانے کا حکم دیا تاکہ دشمن کے دل دہل جا
مغل علم گر جانے سے بددل ہو کر پسپائی کرنے لگے مگر اس دلدل میں منظم پسپائی امکان
باہر تھی، ان کی فوج میں بدنظمی پیدا ہوئی۔ پھر بھی تھوڑی دیر بعد، تازہ دم گھوڑوں پر
ہو کر صاف نکل گئے۔

تیمور نے اپنا گھوڑا ایک پہاڑی کی طرف بڑھایا اور اس پر چڑھ کر میدان جنگ
دیگر حصوں کا جائزہ لیا۔ حالات اچھے نہیں تھے۔ امیر حسین کو پیچھے دھکیل دیا گیا تھا او
کی محفوظ فوج بڑی مشکل سے مغلوں کو روکے ہوئے تھی۔ اور اس دوران میں
فوجوں کے قلب بھی ایک دوسرے کے مقابل آچکے تھے۔

تیمور نے اپنے سپاہیوں کو ازسرنو صف بندی کا حکم دیا، مگر ایسے لشکروں کو، جو لڑ
کررہے ہوں، اکٹھا کرنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور تیمور اتنا صبر کرنے کے لئے

نہ تھا چنانچہ جتنے بھی دستے مل سکے انہیں کو لے کر حسین کے مقابل مغل لشکر کے دائیں
پہلو پر حملہ کردیا۔ وہ اس یورش میں اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ مغلوں پر اس کا حملہ ایک حد
تک ان کے عقب سے تھا۔ اس اچانک حملے کی تاب نہ لاکر مغل پیچھے ہٹ گیا۔ الیاس
خواجہ خان نے ابھی تک اپنی محفوظ فوج روک رکھی تھی اور ایسا نظر آرہا تھا کہ میدان
چھوڑنے کا ارادہ کررہا ہے۔

اس پر حملے کا اس سے بہتر موقع نہ مل سکتا تھا۔ تیمور نے حسین کو پیغام بھیجا کہ اپنے
لشکر کو دوبارہ ترتیب دے اور جلد آگے بڑھے۔

حسین خفا ہوگیا اور بگڑ کر قاصد سے کہا: "کیا میں بزدل ہوں جو تیمور مجھے میرے
آدمیوں کے سامنے آگے بڑھنے کا حکم دے رہا ہے؟" اور تیمور پر جو غصہ آیا تھا وہ اس کے
قاصد پر اس طرح اتارا کہ اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔

وقت ضائع ہورہا تھا، تیمور کو غصہ تو آیا، مگر پی گیا اور دو ایسے افسر جو امیر حسین کے
رشتہ دار بھی تھے، اسے یہ سمجھانے کے لئے بھیجے کہ الیاس ہار رہا ہے، اس وقت ضرورت
ہے کہ ہم آگے بڑھ کر اس پر حملہ کردیں۔

"میں بھاگ تھوڑے ہی رہا ہوں۔" حسین نے پھر اسی طرح خفگی سے کہا: "وہ کیوں
بار بار مجھے آگے بڑھنے کو کہتا ہے (43) پہلے میں اپنے آدمی تو اکٹھے کرلوں!"

ان افسروں نے کہا: "حضور بجا ہے۔ لیکن ذرا غور فرمایئے، امیر تیمور اس وقت دشمن
کی اس فوج سے لڑ رہا ہے جو اس نے آخری مقابلے کے لئے تازہ دم رکھی ہے۔ آپ کو
تیمور کی مدد کرنی چاہئے۔"

مگر امیر حسین پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ممکن ہے حسد کی وجہ سے نہ ہوا ہو یا شاید اس کے
لئے آگے بڑھنا ممکن ہی نہ ہو۔ بہرحال تیمور کو واپس آنا پڑا۔ رات کو اس نے کھیتوں میں
اپنا معسکر قائم کیا مگر اس پر افسردگی طاری تھی۔ نہ خود حسین کے پاس گیا نہ اس کے
ایلچیوں کو کوئی جواب دیا۔ اس رات اس نے مصمم ارادہ کرلیا کہ آئندہ حسین کے ساتھ
مشترک کمان میں کبھی جنگ نہ کرے گا۔

اگلے دن پھر بارش ہوئی۔ مگر تیمور نے، جو ابھی تک غصے میں تھا، اکیلے ہی بڑھ کر الیاس
کا مقابلہ کیا۔ مغل لشکر اس پر کئی طرف سے حملہ آور ہوئے۔ تیمور اکیلا ان سب کا مقابلہ
نہ کرسکا چنانچہ اسے پسپائی پر مجبور ہونا پڑا۔ سروں پر طوفان باد و باراں، پاؤں تلے دلدل اور
کیچڑ، پسپائی بڑی ناخوش گوار رہی۔ میدان جنگ مقتول تاتاریوں سے پٹا پڑا تھا۔ ان کے غم
نے اسے اور بھی غمگین کردیا۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا، خاموش چلتا رہا۔ برلاس

سردار اس کے پیچھے پیچھے سر جھکائے چل رہے تھے۔ تیمور کو شکست فاش ہوئی تھی۔ امیر حسین نے عین وقت پر مدد کرنے سے انکار کیا تھا۔ یہ بات وہ ساری عمر نہ بھولا۔

امیر حسین نے کئی ایلچی روانہ کئے' ہر مرتبہ ایک نئی تجویز بھیجتا اور ہندوستان چلے جانے کا مشورہ دیتا' تیمور نے جواب میں کہلا بھیجا "تم ہندوستان جاؤ یا جہنم میں جاؤ' مجھے کیا"

اس نے سمرقند کی جانب پسپائی کی۔ وہاں محاصرے کے انتظامات کئے اور خود اپنی وادی کا رخ کیا تاکہ وہاں سے نئی فوج تیار کرکے لائے۔ اس کا خیال تھا کہ اس عرصے میں جب تک مغل سمرقند کے محاصرے میں مصروف رہیں گے وہ نئی فوج لے کر آپہنچے گا۔

مگر شہر سبز پہنچا تو معلوم ہوا کہ الجائی ابدی نیند سو چکی ہے اور اس کا جسد خاکی محل کے باغ میں دفن بھی کیا جا چکا ہے۔ تنہائی پسند تیمور اب حقیقت میں یکہ و تنہا رہ گیا۔

دو امیر

الجائی کے مرجانے سے امیر تیمور اور امیر حسین کا وہ رشتہ منقطع ہوگیا جس میں یہ دونوں اب تک منسلک رہے تھے۔ امیر حسین نے تیمور ہی کی مدد سے پہلو تہی نہیں کی تھی اس نے اپنی بہن سے بھی اس کی زندگی میں ایک دو بار بدسلوکی کی تھی۔ تیمور کے دل میں یہ رنجش بھی تھی۔ غرض طبیعت پہلے ہی سے مکدر تھی' اب بیوی کی موت نے بالکل ہی افسردہ کردیا۔ اس نے جہانگیر کو ساتھ لیا اور دریائے آمو کے جنوب میں اسی مقام پر جا پہنچا جہاں پچھلے برس گرمیوں میں الجائی کے ساتھ قیام کیا تھا۔

مولانا زین الدین نے جو تعزیت نامہ بھیجا وہ ان الفاظ پر ختم ہوتا تھا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہر شخص کی موت کا دن اور وقت معین ہے۔"

مگر تیمور تقدیر کا اتنا قائل نہ تھا۔ جو مذہبی جذبہ علمائے دین کے دلوں میں موجزن رہتا تھا وہ اس سے بے بہرہ تھا۔ ویسے تو جس تحمل سے وہ مصائب برداشت کرتا تھا' اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ توکل کا قائل ہے اور شریعت محمدی کے اتباع کو وسیلہ نجات سمجھتا تھا۔ مگر اس پر نسلی اور عصبی روایات کا اثر بھی تھا اور کئی ایسے سوال اس کے ذہن میں پیدا ہوتے تھے جن کا تسلی بخش جواب اسے نہ سوجھتا تھا (44) گو وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا' مسجد میں حضور قلب سے وعظ بھی سنتا تھا۔ وہ رات کے وقت گھنٹوں تک شطرنج کھیلتا اور پیادہ و فرزین کی چالیں چلتا۔ اکثر اکیلا ہی کھیلنے لگتا مگر جب کبھی کسی کے ساتھ کھیلتا ہمیشہ جیتتا کیونکہ بڑا استاد شاطر تھا۔

اس کھیل میں تکمیل مہارت کے لئے اس نے ایک نئی بساط اختراع کی تھی جس میں عام بساط سے دگنے خانے اور مہروں کی تعداد بھی دگنی تھی۔ اس بساط پر وہ نئی نئی چالیں چلتا۔ ننھا جہانگیر' جس کی عمر اس وقت صرف پانچ سال کی تھی' قالین پر باپ کے پاس بیٹھا ان عجیب اور چمکتے دمکتے کھلونوں کو دیکھتا رہتا جن میں اس کا باپ محو ہوتا۔

تیمور اس قسم کے اشغال میں کھویا ہوا تھا کہ سمرقند کے علماء کا ایک وفد آیا اور اس

نے کہا "خدا نے اپنے مومن بندوں کی مغلوں سے گلو خلاصی کر دی ہے۔ وہ سمرقند پر چڑھ آئے تھے مگر بخارا کے مفتی نے سمرقند پہنچ کر مسلمانوں کو دفاع پر آمادہ کرلیا تاکہ دونوں امیروں کے آنے تک دشمن کو روکے رکھا جائے۔ ملعون دشمن شہر کے مضافات تک آ گیا تھا' مگر اہل سمرقند نے اسے مار بھگایا۔ پھر اللہ کے حکم سے مغلوں کے گھوڑوں میں وبا پھیل گئی جس سے تین چوتھائی گھوڑے مرگئے چنانچہ ان کے پیغام رسانوں تک کو سواری ملنا مشکل ہوگئی۔ اس مصیبت سے گھبرا کر وہ ملک خالی کر گئے۔ واپس جاتے وقت ان کی حالت دیدنی تھی۔ سامان اور کمانیں پیٹھوں پر باندھے' تلواریں کندھوں پر رکھے' پا پیادہ جارہے تھے۔ دنیا نے مغلوں کی فوج کو پیدل چلتے کبھی نہ دیکھا ہوگا' مگر ہم نے دیکھا ہے۔"

علماء کے بعد تیمور کے افسر آئے جو یہ حالات بچشم خود دیکھتے رہے تھے۔ انہوں نے بھی یہی بتایا کہ سمرقند کے شہریوں نے دشمن کو روکے رکھا تھا۔ گھوڑوں میں جو وبا پھیلی وہ واقعی بڑی شدید تھی۔ مغلوں کا تعاقب کرنے والے تاتاری دستوں کو بعض دفعہ میلوں کا چکر اس لئے کاٹنا پڑتا تھا کہ مردہ گھوڑوں کے قریب سے نہ گزرنا پڑے۔

یہ خبر جب امیر حسین کو ملی تو وہ سمرقند پہنچ کر بڑی شان سے شہر میں داخل ہوا۔ وہاں کے لوگ اپنی کامیابی پر بے حد خوش تھے۔ دیواروں پر قالین لٹک رہے تھے' مسجدوں میں لوگ ہزاروں کی تعداد میں سجدۂ شکر بجا لا رہے تھے۔ امیر حسین جس باغ میں جاتا' سامعہ نواز نغمے اس کا خیر مقدم کرتے۔ اب تیمور اور حسین ہندوستان کی سرحد سے لے کر بحیرۂ ارال تک تمام علاقے کے مالک تھے۔ تیمور سپہ سالار تھا' فوج اسی کی کمان میں لڑی تھی' اس کے ساتھی بھی تعداد میں زیادہ تھے۔ مگر امیر حسین بادشاہ گر قزغن کا پوتا اور ایک حکمراں کا بیٹا تھا' اس نے چنگیز کی نسل کا ایک خان (45) نامزد کیا' اسے دستور کے مطابق شاہانہ رسوم ادا کرکے تخت پر بٹھایا اور اپنے دادا کی طرح خود حکومت کرنے لگا۔

حالات کچھ ایسے پیدا ہوگئے کہ تیمور کو حسین سے کم تر درجہ قبول کرنا پڑ گیا' اس کے ذمے صرف زمین کی تقسیم' مالیہ اور دیگر واجبات کی وصولی اور دیوانی مقدمات فیصل کرنے کے کام تھے۔ مگر ایک بات پر وہ اڑ گیا اور وہ یہ تھی کہ وہ اپنی وادی' یعنی شہر سبز سے دریا تک کا علاقہ' کسی کو نہ دے گا۔ اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہہ دیا۔ "دریا تک کا علاقہ میرا ہے۔"

اس کا رویہ بڑا باوقار تھا' کسی کو' اس کی فیاضی کی وجہ سے' اس سے الجھنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ جب امیر حسین نے قبیلہ برلاس پر ایک بھاری محصول لگایا تو تیمور نے احتجاج کیا اور

کہا کہ گزشتہ جنگ میں ان کو شدید جانی و مالی نقصانات پہنچے ہیں اس لئے یہ محصول ناواجب ہے اور حسین کو محصول کی پوری رقم اپنی گرہ سے ادا کی بلکہ غصے میں آکر الجائی کے زیورات' کانوں کی بالیاں اور موتیوں کا وہ گلوبند بھی جو اس نے شب عروسی میں پہنا تھا' حسین کے حوالے کر دیئے اور حسین نے یہ زیورات پہچان لینے کے باوجود رکھ لئے۔

ان میں آخری اختلاف چند مفسد امراء کی وجہ سے پیدا ہوا۔ امیر حسین نے خان مقرر کرکے مغلوں کو بھی اپنا مخالف بنا لیا تھا اور بعض تاتاری امیروں کو زیر کرکے بھی نئی دشمنیاں پیدا کرلی تھیں۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ غلطی کس کی تھی مگر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ملنا جلنا بھی ترک ہوگیا' جس کا نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں برآمد ہوا۔ اوپر سے جتہ مغل بھی وقتاً" فوقتاً" ملک میں گھس آتے۔ چنانچہ تاتاری مملکت نے جنگی معسکر کی شکل اختیار کرلی اور چھ سال تک یہی حالت رہی۔ کشاکش کے اس تاریک دور میں تیمور ایک ایسی روح جنگ کی طرح حرکت میں رہا جو قید جسم سے آزاد ہو۔ اس کی دلیری' پامردی' بے خوفی اور بے مثل فراخ دلی زباں زد خلائق ہوگئی۔ راتوں کو جب قافلوں والے الاؤ جلا کر اس کے گرد بیٹھتے تو اس مافوق امیر کی کہانیاں سنتے اور سناتے۔ وہ اکثر کہتے: "تیمور بلاشک اسم بامسمی ہے۔ وہ فولاد کا بنا ہوا ہے' ایسا فولاد جسے کوئی نہیں جھکا سکتا۔"

قرشی کی فتح کا قصہ بے حد مقبول تھا' اسے بازاروں' معسکروں اور کاروان سراؤں میں بار بار دہرایا جاتا تھا۔

قرشی خراسان کے نقاب پوش "پیغمبر" مقنع کا مسکن تھا جو مدتوں پہلے مرکر ختم ہو چکا تھا۔ اس شخص نے لوگوں کو اپنے کرشموں سے مسحور کر لیا تھا۔ وہ انہیں تاریک راتوں میں' جب اند نہ نکلا ہوتا تھا' ایک کنویں میں سے چاند نکال کر دکھاتا تھا۔ اس شعبدے کی وجہ سے اس کا نام "ماہ ساز" یا "ماہ سازندہ" پڑ گیا تھا گو مورخ اسے "فتنہ ساز" ہی کہتے ہیں۔

تیمور نے یہاں ایک پختہ قلعہ تعمیر کرایا تھا جس پر اسے ناز تھا۔ جن دنوں کا یہ ذکر ہے اس زمانے میں قرشی پر امیر حسین کی فوج قابض تھی اور اس کا قلعہ بھی اسی کے پاس تھا۔ تیمور کے سپاہی اس بات سے پوری طرح واقف تھے کہ یہ قلعہ بے حد مضبوط ہے۔ امیر حسین کی طرف سے امیر موسیٰ شہر کا حاکم تھا' وہی موسیٰ جس نے سنگین پل کی لڑائی میں بیک جک کے ممکنہ حملے سے پل کی حفاظت کی تھی۔ ہرچند وہ خورونوش اور شراب ناب کا دلدادہ تھا اور اکثر بے پروائی بھی برت جاتا تھا مگر نازک موقعوں پر قابل اعتماد ثابت ہوتا تھا۔ کیونکہ بہرحال ایک آزمودہ کار کمانڈر تھا۔

تیمور کے پاس اس وقت صرف دو سو چالیس سوار تھے۔ افسروں میں سے امیر جاکو اور موید ارلات بھی موجود تھے، جو سنگین پل کی لڑائی میں شریک تھے۔ ان کے علاوہ خطر پسند امیر داؤد بھی تھا۔ جب تیمور نے قرشی پر حملے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ حیران رہ گئے۔ ان دنوں شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ ان کے خیال میں یہ موسم اس مہم کے لئے موزوں نہیں تھا، اور پھر ان کے اہل و عیال ساتھ تھے۔ ان کی بھی حفاظت کرنی تھی۔

تیمور نے جھنجلا کر کہا: "کم فہمو! میں نے کتنی بار تم سے کہا ہے کہ تمہارے اہل و عیال کی حفاظت میرے ذمے ہے۔"

وہ بولے: "مگر وہ شہر پناہ کے اندر تو نہیں ہیں!"

تیمور ہنسا اور کہا: "اگر شہر پناہ سے حفاظت ہو سکتی ہے تو قرشی کے گرداگرد فصیل ہے۔ ذرا سوچو اگر قرشی پر ہمارا قبضہ ہو جائے تو کتنا فائدہ ہو! حفاظت کا ایک مضبوط ذریعہ ہاتھ آجائے گا۔"

یہ بات تو ان کی سمجھ میں آگئی مگر مہم کی نوعیت کی وجہ سے داؤد جیسا دلیر سردار بھی خاموش رہا اور جاکو نے سرہلاتے ہوئے کہا "امیر! بات یہ ہے کہ پہلے ہمیں کافی طاقت حاصل کرنی چاہئے۔ ہر بات کا موقع اور وقت ہوا کرتا ہے، کوئی موقع جلد بازی اور دلیری کا ہوتا ہے اور کسی موقعے پر سوچ بچار کی ضرورت ہوتی ہے۔ موسیٰ طفل مکتب نہیں ہے۔ اس نے نقارہ، طبل اور علم کے ساتھ عمر گزاری ہے۔ وہ کجاوے میں بیٹھی ہوئی عورتوں کی طرح قابو میں نہیں آجائے گا۔"

"اچھا تو پھر تم عورتوں کے پاس جاکر ان سے سبق سیکھ کر آؤ۔" تیمور نے بھاری بھرکم آواز سے کہا: "میں انہیں ساتھ لے لوں گا جو پل کی لڑائی میں شریک تھے۔ موید ارلات تم! اور ایلچی تم!! کوئی اور بھی ہے؟"

کئی آوازیں آئیں کہ ہم نے بھی آپ کے ساتھ دریا عبور کیا تھا اور جتہ مغلوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تیمور نے کہا: "مگر اب تو تم وہیں جاؤ جہاں تمہارے بال بچے ہیں اور اپنے پچھلے کارناموں پر بازاروں اور گلیوں میں لاف زنی کرو، میں تو اپنے گھوڑے کی باگ قرشی کی جانب موڑتا ہوں۔"

لوگ جانتے تھے کہ اگر ہم نے ساتھ نہ دیا تو بھی تیمور جائے گا ضرور۔ آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ تیمور کو اس کے ارادے سے باز رکھنا ناممکن تھا۔ اس کی بات اٹل ہوتی

تھی۔ حصول مقصد کے لئے اس قسم کے رویئے سے بعض اوقات جانیں ضائع ہوتی تھیں مگر تیمور کا حکم تقدیر کی طرح اٹل ہی سمجھا جاتا تھا۔

جب سردار آپس میں مشورہ کرنے کے بعد واپس آئے تو جاکو کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا: "امیر! ہم نے اس قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے کہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے، اور یہ ہے تلوار! اگر ہم نافرمانی کریں تو آپ اس سے ہمارے سر قلم کر دیجئے گا۔"

اب وہ تیمور کے ہمنوا تھے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر موسیٰ کو قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے۔

"کم عقل کہیں کے!" تیمور نے ہنستے ہوئے کہا۔ اگر تم نے موسیٰ کو قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور بھی کر دیا تو تمہارے پاس کل دو سو چالیس جوان ہوں گے جب کہ اس کے پاس تین ہزار ہوں گے، تم اس کا کیا بگاڑ سکو گے!

داؤد نے باقی ساتھیوں کو خاموش دیکھ کر کہا۔

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم شب خون ماریں اور موسیٰ کو سوتے میں اچانک گرفتار کرلیں۔"

"بہت خوب!" تیمور نے سنجیدگی سے کہا۔ "اوراس کے بعد تم موسیٰ کے تین ہزار سپاہیوں کو بھی سوتے میں گرفتار کرو گے؟"

"خدا چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے!" داؤد نے اپنی بات رکھنے کے طور پر کہا۔ "موسیٰ کو ہماری موجودگی کا علم ہے۔ جب تک ہم یہاں موجود ہیں وہ باہر نہ نکلے گا۔ اس کے آقا نے اسے قرشی کی حفاظت پر مامور کیا ہے اور وہ اس کے حکم پر کاربند رہے گا۔"

پھر تیمور نے کہنا شروع کیا (اس طرح جیسے اپنے آپ سے باتیں کررہا ہو۔ "اگر میں موسیٰ کو یہ پیغام بھیجوں کہ وہ دریا کے کنارے آکر ہری ہری گھاس پر شراب سے تشنگی بجھائے اور گرمی سے بچنے کے لئے درختوں کے تلے پناہ لے، تو کیا وہ آجائے گا؟"

داؤد ہنسا۔ موسم گرما شباب پر تھا۔ وہ جہاں چاہتے خیمے لگا لیتے، پھر بھی ان کے بدن عبائیں اتار کر بیٹھنے کے باوجود پسینے سے شرابور رہتے۔ قرشی کا قلعہ موسم سرما کے لئے بنایا گیا تھا، وہ گرمیوں کے لئے موزوں نہیں تھا، ادھر موسیٰ کو جشن و طرب اور جام و مینا کا شوق تھا جو کسی کھلے میدان یا مرغزار ہی میں پورا ہو سکتا تھا۔

"معاذاللہ!" داؤد نے کچھ سوچ کر کہا۔ "موسیٰ آنا تو چاہے گا مگر آئے گا نہیں۔"

تیمور بولا: "اگر یہ بات ہے تو پھر بلانا بھی نہیں چاہئے!" اور اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے کچھ نہ کہا۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے قرشی کی مہم کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اس نے والی ہرات کو تحائف بھیجے اور خراسان کی سڑک پر، جو ہرات کو جاتی تھی، چاہ اسحاق کے قریب اپنے خیمے نصب کرا لئے۔

قاصد کوئی ایک مہینے بعد واپس آیا۔ جتنے قافلے شمال کی طرف جارہے تھے تیمور نے انہیں روک رکھا تھا چنانچہ چاہ اسحاق کے پاس بہت سے قافلے پڑے ہوئے تھے اور لوگوں کا بڑا ہجوم تھا، قاصد جو پیغام لایا اسکا سب کو فوراً علم ہوگیا اور یہ بات ہر طرف پھیل گئی کہ تیمور ہرات جارہا ہے۔ والی ہرات نے تیمور کے قاصد کے ہاتھ تحائف بھیجے تھے اور یہ کہلوایا تھا کہ آکر مجھ سے ملئے۔

اگلے دن تیمور نے تمام کاروانوں کو سفر کی اجازت دے دی اور خود بھی روانگی کے انتظامات شروع کر دیئے۔ انہوں نے راستے میں حفاظت کی درخواست کی تو تیمور نے جواب میں کہہ دیا کہ قرشی کے راستے میں ہمارا کوئی سپاہی نہیں ہے۔ اس کے بعد نہایت عجلت میں اپنے دو سو چالیس جانبازوں کو ساتھ لے کر جنوب کی طرف روانہ ہوگیا۔ کارواں شمال کی طرف روانہ ہوئے، انہیں دریائے آمو عبور کرکے قرشی جانا تھا۔

جب یہ کارواں قرشی پہنچے تو موسیٰ نے ان سے تیمور کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جو دیکھا تھا بتا دیا کہ تیمور تو ہرات کا قصد کرکے جنوب کی طرف روانہ ہوگیا ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ شاید والی ہرات کے پاس پناہ لینی چاہتا ہے۔ موسیٰ فوراً قرشی سے نکل کر ان سرسبز و شاداب میدانوں میں چلا گیا جن کا ذکر تیمور نے کیا تھا اور ایک مورخ کے الفاظ میں وہاں "بساط عیش بچھا کر خم صہبائے سرمستی کے منہ کھول دیئے۔" احتیاطاً اپنے بیٹے محمد بیگ کو چند سو جوانوں سمیت قرشی میں چھوڑ گیا۔

تیمور چاہ اسحاق سے چل کر اگلی منزل پر رک گیا اور وہاں کوئی ایک ہفتے ٹھہرا رہا تاکہ کارواں قرشی پہنچ جائیں۔ پھر مڑ کر دریائے آمو کا رخ کیا اور ایک ہی منزل میں دریا پر پہنچ کر گھوڑا پانی میں ڈال کر تیرتا ہوا پار اتر گیا۔ صرف چالیس سوار اس کا ساتھ دے سکے، باقی کے لئے کشتیاں فراہم کی گئیں۔

جب یہ لوگ ادھر پہنچے تو تیر کر پار اترنے والوں نے ان کا خوب مذاق اڑایا۔ اس رات وہ کنارے ہی پر ٹھہرے، مگر سڑک سے اوجھل رہے۔ صبح کو بیس پچیس سوار قرشی کے راستے پر بھیجے گئے کہ قرشی جانے والے مسافروں کو روکنا شروع کر دیں۔ شام کے وقت

باقی آدمی سوار ہوئے اور قرشی کے مضافات میں پہنچ کر ایک کنویں کے پاس درختوں میں چھپ گئے۔ موسیٰ کے آدمیوں میں سے جو کنویں پر آتا، اسے قید کر لیتے۔ تیمور نے اپنے آدمیوں اور ان قیدیوں کو سارے دن کمندیں بنانے پر لگائے رکھا۔ جب سورج غروب ہوا تو اپنے چند ایک سپاہیوں کو قیدیوں کی حفاظت پر مامور کیا اور خود باقی سواروں کو لے کر روانہ ہوگیا۔

جاکو نے کہا: "ہم اس قدر تیز رفتار سے سفر کررہے ہیں کہ ابھی تک ہمارے سب ساتھی یہاں نہیں پہنچ سکے ہیں۔ مہم کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ہم سنبھل سنبھل کر آگے بڑھیں اور بلاوجہ خطرے میں نہ پڑیں۔"

تیمور بولا: "اچھا تم سب آدمیوں کو لے کر آؤ، میں گھوڑا بڑھا کر آگے جاتا ہوں اور فصیل پر کمندیں پھینکنے کے لئے جگہیں تلاش کرتا ہوں۔" اور صرف دو جوان ساتھ لے کر چلا گیا۔

جب انہیں برج کی روشنی نظر آئی تو درختوں کے سائے میں گھوڑوں سے اتر پڑے۔ تیمور نے ساتھ کے دو جوانوں میں سے ایک کو گھوڑوں کے پاس چھوڑا۔ دوسرا اس کا خانہ زاد عبداللہ تھا جو اس کا ساتھ چھوڑنے پر رضامند نہ ہوا۔ اسے ساتھ لئے ہوئے تیمور خندق تک پہنچا۔ وہاں مکمل خاموشی تھی۔ وہ دونوں خندق کے کنارے کنارے چلنے لگے اور اس جگہ پہنچے جہاں قلعے کی نہر خندق سے گزرتی تھی۔ اس میں پانی صرف گھٹنوں تھا۔ تیمور اچھل کر اس کے اندر اتر گیا اور دبے پاؤں خندق کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھا۔ عبداللہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ جب وہ دوسرے کنارے پر پہنچے تو کود کر قلعے اور خندق کے درمیان کی زمین پر اتر گئے۔

اب تیمور عبداللہ کو ساتھ لے کر دیوار کے لگواں لگواں چلنے لگا۔ آگے ایک دروازہ آیا۔ تیمور نے اس پر رک کر، تھوڑی دیر بعد، اس کے کواڑ دھڑدھڑائے۔ اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ معلوم ہوا کہ کواڑوں کے اس طرف دیوار چن دی گئی ہے۔

اس نے جستجو جاری رکھی۔ آخر ایک جگہ ایسی مل ہی گئی جہاں فصیل کا بالائی حصہ ٹوٹا ہوا تھا۔ یہاں سے اندر داخل ہونا آسان تھا۔ اس نے عبداللہ کو یہ جگہ دکھائی اور جب یقین ہوگیا کہ وہ اسے اندھیرے میں دوبارہ ڈھونڈ لے گا تو وہاں سے لوٹ کر گھوڑوں کے پاس آیا۔ اس وقت تک باقی آدمی بھی پہنچ چکے تھے۔ اس نے پینتالیس آدمیوں کو گھوڑوں کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور باقی ایک سو کو ساتھ لے کر دوبارہ قلعے کا رخ کیا۔

تیمور ان سے آگے بڑھ گیا تاکہ فصیل کے ٹوٹے ہوئے حصے کو ان کے آنے سے پ
ڈھونڈ رکھے۔ عبداللہ کو اس لئے ان کے پاس چھوڑ گیا کہ ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا
نہر کے پار اتارے۔ جب یہ سب موقع پر پہنچے تو تیمور دیوار پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پہنچتے
اس نے احکام دینے شروع کر دیئے۔

سپاہیوں کی ایک ٹکڑی سنتریوں کو پکڑ کر قید کرنے کے لئے روانہ کی گئی۔ سحر قری
تھا۔ موسیٰ کے سب سنتری سو رہے تھے۔ حصار پر تھوڑی سی لڑائی ہوئی۔ تیمور نے ا
سب سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور طلوع آفتاب کے قریب بگل بجوائے۔

قرشی کے باشندے چھتوں پر چڑھ کر دیکھنے لگے کہ قصہ کیا تھا' اس لئے اس اچانک
سے گھبرا کر ان میں سے بیش تر اطاعت قبول کرنے تیمور کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ ا
جب تیمور ان سے گفتگو کر چکا تو وہ اس کے ساتھ آن ملنے پر رضامند ہوگئے۔ صرف مو
کے بیٹے نے اپنے محل پر مقابلہ کیا مگر جب روزنوں سے محل کے اندر آگ پھینکی گئی (46
تو وہ بھی تلوار گلے میں ڈالے اطاعت قبول کرنے باہر نکل آیا۔

تیمور نے اس کی دلیری کی تعریف کی اور موسیٰ کے خاندان کو اس کے پاس جانے
اجازت دے دی۔ صرف اس کے بیٹے کو قرشی میں نظربند رکھا۔

اس کامیابی کے بارے میں امیر جاکو نے بعد میں یہ الفاظ کہے کہ: "ہم نے یہ شہر ا
امیر کے اقبال سے فتح کیا اور اس کی وجہ سے ہمارے کارناموں کو چار چاند لگ گئے۔"

مگر اس شہر کو فتح کر لینے کے بعد قبضے میں رکھنا بھی تیمور کا کمال تھا۔ امیر حسین
پاس ہزاروں سپاہی تھے۔ تاتاری جوانوں کی نگاہ میں تیمور کا اتنے کثیر دشمنوں کے مقاب
میں قرشی کے دفاع میں کامیاب رہنا ایک اعجاز تھا۔ وہ فتح اور شکست دونوں کو خدا کی طرف
سے سمجھتے تھے۔ مولانا زین الدین اور دیگر علماء انہیں یہی تلقین کرتے رہتے تھے۔

مگر یہ تاتاری شہسوار کچھ عجیب طبیعتوں کے لوگ تھے۔ کبھی تو گھنٹوں تک ک
چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے درویش کے قدموں میں سرنگوں بیٹھے رہتے اور اس کی ہر بات
ایمان لانے کو تیار ہوتے اور کبھی درویشوں کے ساتھ حقارت سے پیش آتے۔ ان کا قو
تھا کہ "دو واعظ ایک مرد کے برابر ہوتے ہیں' اگر ایک ہو تو اسے عورت سمجھو۔" (47)

وہ توہم پرست بھی تھے۔ کوئی برا خواب دیکھ لیتے تو اسے برا شگون سمجھ کر گھوڑے
بیٹھ کر کوسوں دور بھاگ جاتے مگر دوسری طرف موت سامنے نظر آتی تو بھی نڈر اور
خوف رہتے۔ عین جنگ میں خود سر سے اتار کر پھینک دیتے اور نعرے لگاتے ہوئے دشم

پر ٹوٹ پڑتے تاکہ دیکھنے والوں پر ان کا رعب پڑے اور وہ ان کی مردانگی پر عش عش کر
اٹھیں۔ عزت اور وقار کے لئے جانیں دے دیتے تھے۔ موت سے زیادہ بے آبروئی سے
ڈرتے تھے اور عربوں کا یہ قول اکثر دہراتے رہتے تھے کہ "جو فائدہ عزت گنوا کر حاصل ہو'
اس کی کوئی وقعت نہیں۔"

تیمور بام دنیا پر (48)

طوائف الملوکی کے اس دور میں تیمور لوگوں کی نظروں میں روز بروز زیادہ نمایاں ہو
چلا گیا۔ وہ اس کی دلیری کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے اور اس کے شکستوں سے بچنے او
فتوحات حاصل کرنے کے افسانے زبان زد خلائق تھے۔ جو لوگ اس کے خلاف لڑتے تھے و
بھی اس، جرات و شجاعت کے پیکر کے حالات سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ بار بار بدلتے
ہوئے حالات میں لوگوں کو تیمور کی حوصلہ مندی ہی اپنے پر اضطراب تصورات کی دنیا میں
واحد قرار آفریں چیز نظر آتی تھی۔

بہت سے سردار امیر حسین سے بیزار ہو کر تیمور کے علم تلے آ گئے۔ منگلی بوغا' جو مغل
نسل کا ایک خانہ بدوش معمر سردار تھا' ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور اپنا تعارف
کرائے بغیر گھوڑے سے اتر کر تیمور کے سرداروں کے درمیان بیٹھ گیا۔ منگلی کسی زمانے
میں تیمور کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس نے ایک دفعہ یہ پیشکش بھی کی تھی کہ اگر مجھے چھ
ہزار سوار دے دیئے جائیں تو تیمور کو زندہ گرفتار کر لاؤں گا مگر اب یہ کہتا تھا کہ "میں تیمور
کا نمک کھا چکا ہوں' اب کسی اور کی طرف رخ نہ کروں گا۔"

وہ وسیع مملکت جو تاریخ میں مملکت تیمور کے نام سے موسوم ہے' اس کی بنیاد ایسے ہی
جاں بازوں کی وفادار نیز تیمور کی بے مثل قیادت پر رکھی ہوئی تھی۔

اسی منگلی نے آگے چل کر اپنی حاضر دماغی سے تیمور کے لئے ایک اہم لڑائی جیتی۔
تاتاریوں کا ایک لشکر' جو سیاہ میش ترکمانوں کے سردار قرا یوسف سے برسرپیکار تھا' باقی
فوج سے کٹ گیا تھا۔ تیمور کے سپاہی سب طرف سے گھرے ہوئے تھے اور ان پر سخت دباؤ
پڑ رہا تھا۔ خیال تھا کہ اس جنگ میں ان کو شکست ہو گی۔ اتنے میں منگلی باقی سرداروں سے
علیحدہ ہو کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ آخر اس کی جستجو کامیاب ہوئی' اسے ایک ترکمان کا کٹا ہوا سر
مل گیا۔

منگلی نے اس سر کو نیزے پر چڑھا کر بلند کیا اور ترکمانوں کی اگلی صفوں میں گھس کر
چلا چلا کر کہنا شروع کیا کہ قرا یوسف مارا گیا۔ اس سے تاتاریوں کے حوصلے بڑھ گئے اور
دشمن کے سپاہی دل چھوڑ بیٹھے اور تھوڑی دیر بعد بھاگ کھڑے ہوئے ----- اور یوسف کو

بھی' جو زندہ سلامت تھا' ان کے ساتھ بھاگنا پڑا۔

کئی بار ان وفاداری تاتاری سرداروں نے تیمور کی جان بھی بچائی۔ تیمور کے دلیر قاصد
ایلچی بہادر کا ایک واقعہ اس سلسلے میں بہت مشہور ہے۔

نپولین بونا پارٹ کے ایک افسر شہزادہ موراٹ کی طرح ایلچی بہادر کو بھی طرہ دار خود
اور کامدار جوتے پہننے کا بڑا شوق تھا۔ شاید اسی خوش پوشی کی وجہ سے' یا اس کی غیرمعمولی
جرات کی بنا پر' اسے تیمور کی طرف سے اکثر بادشاہوں کے درباروں میں سفیر بنا کر بھیجا جاتا
تھا مگر ایلچی بہادر اپنے طرہ دار خود اور زرکار جوتوں سمیت ہر لڑائی میں بھی موجود ہوتا تھا۔
ایک دفعہ تیمور جتہ مغلوں سے ایک مہم لڑ کر واپس ہوا تو شاہ بدخشاں کو ڈھونڈ نکالنے کی
غرض سے' جو اس پر حملہ کرنے کے لئے فوجیں لے کر نکلا ہوا تھا' دریائے آمو کے کنارے
پر واقع کوہستانی علاقے میں گشت کرنے لگا۔

ادھر شاہ بدخشاں تیمور کی خبر پا کر کوہستان کے اندرونی حصوں کی طرف پسپائی کرنے لگا۔
وہاں برف کے انبار لگے ہوئے تھے' درختوں کا نام تک نہ تھا اور یخ کے بے پناہ تودے'
سانپ کی طرح غیر محسوس رفتار سے' نیچے کی طرف پھسل رہے تھے۔ دونوں فوجیں ایک
دوسرے سے آنکھ مچولی سی کھیلنے لگیں۔ کبھی بلندیوں کی طرف بڑھ جاتیں' کبھی پھسل کر
ہزاروں فٹ نیچے آ جاتیں اور کبھی سپاہی برف باری سے محفوظ رہنے کے لئے ایک دوسرے
میں گھس کر بیٹھ جاتے۔

اس حال میں تیمور کو یہ پیغام ملا کہ اس کا مقدمتہ الجیش باقی سپاہ سے کٹ جانے کی
وجہ سے بدخشانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہے اور اب وہ قیدیوں کو ایک اور گھاٹی کے
راستے لے جا رہے ہیں۔

تاتاریوں کا ایک اٹل اصول یہ تھا کہ سپہ سالار اپنی فوج کو بچانے کی ہر ممکن سعی کرتا
تھا۔ تیمور کے ساتھیوں کے خیال میں اس کو ان کی کم ہمتی پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے انہیں
سوار ہونے کا حکم دیا اور خود قاصد کو راہبر بنا کر روانہ ہو گیا تاکہ چٹانوں کے اوپر سے کوئی
ایسا راستہ تلاش کرے جو اس گھاٹی میں اترتا ہو جس میں سے بدخشانی اس وقت گزر رہے
تھے۔

اس کے سپاہی گرتے پڑتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ کئی گھوڑے برف پر سے
اس طرح پھسلے کہ لڑھکتے ہوئے سوار سمیت اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو گئے چنانچہ جب تیمور
تیز چال سے چل کر گھاٹی میں پہنچا تو اس وقت اس کے ساتھ صرف تیرہ سپاہی تھے۔ ادھر

سے بدخشانی آرہے تھے۔ وہ ان کو آتا دیکھ کر جلدی سے سامنے کی پہاڑیوں پر قبضہ کر
کے لئے بڑھا تاکہ ان بلندیوں پر دشمن سے پہلے پہنچ جائے۔ یہ دوڑ اس نے جیت لی ا
اپنے تیرہ جوانوں سمیت چٹانوں کی اوٹ میں کھڑا ہوگیا۔ ان تیرہ میں ایلچی بہادر بھی تھا۔

سامنے سے بدخشانیوں کے صرف پچاس سوار آتے دکھائی دیئے مگر اگلے لمحے ان
پیچھے دو سو سوار اور نظر آئے۔ ایلچی بہادر نے جب یہ رنگ دیکھا تو آڑی کاٹ کر ان
سامنے پہنچ گیا۔ اس کی قاقم کی پوستین' ریچھ کی کھال کی ٹوپی اور زری کا پٹکا دیکھ کر وہ
چلتے رک گئے۔ انہیں ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے یہ سوار غیب سے نمودار ہوگیا ہے۔ اس
گھوڑا اعلیٰ نسل کا تھا۔ کمان پہلو میں لٹک رہی تھی۔ یہ کمان' اس کی قربان اور تلوار کا
سب ہاتھی دانت کے تھے اور ان پر سنہری کام تھا۔ اس شان سے گھوڑے پر سوار ا
بہادر للکارا:

"او بد نسلو! روکو اپنے گھوڑوں کو! دیکھتے نہیں سامنے کون کھڑا ہے! امیر تیمور گورگان!

وہ ان میں اس طرح جا شامل ہوا جیسے جنگ و جدل کا گمان تک نہیں ہے اور نہایت
اطمینان سے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں تیمور کا کلغی دار خود چٹانوں میں تیروں
بوچھاڑ کے درمیان نظر آرہا تھا۔

"ذرا سوچو تو سہی۔" ایلچی کہتا رہا "کہ اگر تم یہاں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیا
تمہیں بیوقوف سمجھیں گے یا نہیں؟ تیمور تمہارا راستہ روکے کھڑا ہے۔ ایسی حالت میں
تمہارا آگے بڑھنا موت کے منہ میں جانا ہے۔ ایسے موقع پر تو صلح کرلینا ہی اچھا ہوتا ہے
بہتر یہی ہے کہ تم قیدیوں کو یکجا کر لو اور انہیں تیمور کے حوالے کرکے اس کی خوشنو
حاصل کرو!"

ایلچی کی اس تقریر کا جادو کام کر گیا۔ بدخشانی گھوڑوں سے اتر کر ایلچی کے سامنے تع
بجا لائے۔ انہوں نے سوچا' اس مقام پر ضرور تیمور کی بہت ساری فوج ہوگی ورنہ اس
امیر یوں تنہا ان کے پاس ہرگز نہ آتا۔ ایلچی بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور ان کی گردنو
مشفقانہ انداز سے تھپکنے لگا۔ تیروں کی بوچھاڑ رک گئی' قیدی ایلچی کے سامنے لائے گ
ایلچی نے انہیں بغور دیکھا' پھر بدخشانیوں سے بولا: "یہ تم کیا کر رہے ہو! تیمور کے سپاہ
کو یوں بھیڑوں اور بکریوں کی طرح روانہ کرو گے؟ جب تم نے انہیں قید کیا تھا اس وق
ان کے پاس جو تلواریں اور دیگر ہتھیار تھے' وہ سب بھی ان کے حوالے کرو۔"

بدخشانی سراسیمہ ہوگئے۔ سامنے امیر تیمور نظر آرہا تھا جس کی دلیری اور فتوحات

قصے سنتے آئے تھے۔ اور وہ تھا بھی انہی کا منتظر' اور راستہ روکے کھڑا تھا جو بچ نکلنے کا واحد
راستہ تھا۔ یہ امیر صحیح کہہ رہا تھا۔ انہوں نے فوراً قیدیوں کو ان کی تلواریں اور چھینے ہوئے
دیگر ہتھیار واپس کر دیئے۔ ایلچی بہادر نے اپنے چھ سو سپاہیوں کو ساتھ لیا اور پہاڑی پر
چڑھ کر تیمور سے درخواست کی کہ بدخشانیوں کو رکاب بوسی کا شرف بخشئے۔

تیمور فوراً پہاڑی سے نیچے اتر آیا۔ بدخشانی پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے' انہوں نے اپنی
قربانوں پر ہاتھ رکھ کر آئندہ صلح رکھنے کی قسم کھائی۔ تیمور اور ایلچی بہادر ان سے اتنی دیر
تک باتیں کرتے رہے کہ تیموری سپاہ کے جو دستے پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی وہاں پہنچ گئے۔

اب ایلچی کہنے لگا: "یہ بھی کوئی بیٹھنے کی جگہ ہے! نہ کچھ کھانے کو' نہ سونے کا کوئی
انتظام! ہر طرف برف ہی برف ہے!" بدخشانی سرداروں نے صلاح دی کہ دیہات میں چلنا
چاہئے۔ چنانچہ سب جشن منانے کے لئے "بام دنیا" سے نیچے اتر آئے۔

ایلچی بہادر کی اس داستان سے مارشل موراٹ کا وہ واقعہ یاد آتا ہے کہ وہ ویانا کے پل
پر رومال ہلاتا ہوا آسٹروی فوج میں شامل ہوگیا تھا اور اس دوران میں جب اس کے ساتھی
پل پر بچھی ہوئی سرنگیں ہٹا رہے تھے' اس نے دشمن کی توپ کے دہانے پر بیٹھ کر اس کے
سپاہیوں کو باتوں میں لگائے رکھا تھا۔ اس واقعے کے ایک سال بعد ایلچی بہادر گھوڑے پر بیٹھ
کر دریا پار کرتے میں ڈوب کر ہلاک ہوگیا۔

یہ جاں باز تاتاری امیر جانتے تھے کہ تیمور کی ملازمت میں زندگی کے دن گنتی ہی کے
ہوتے ہیں مگر انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ تیمور خود بھی اسی طرح بے دھڑک خطرے میں کود
پڑتا ہے جس طرح ان سے ایسا کرنے کی توقع رکھتا ہے۔ خود اس کے بدن پر بھی اتنے ہی
زخم تھے جتنے ان کے جسموں پر نظر آتے تھے۔ اس کے ساتھ ان کے جو دن گزرتے تھے وہ
عزت و سطوت اور جبروت کے دن ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ میدان جنگ میں قدم رکھتے وقت
اپنا سر فخر سے بلند رکھتے تھے۔

ایک دفعہ لڑائی شروع ہوتے وقت تیمور نے ان سے کہا تھا:

"یہ جاں بازوں کے لئے خوشی سے رقص گاہ ہے میدان جنگ' موسیقی ہے بہادروں
کے نعرے اور تلواروں کی جھنکاریں اور دشمن کا خون شراب ناب ہے۔"

چھ سال کے اندر اندر بیش تر تاتاری امیروں نے تیمور کی اطاعت قبول کرلی۔ گو
شروع میں لوگ اسے قزاق کہا کرتے تھے' شاید اس لئے کہ وہ کسی مقام پر ایک دن سے
زیادہ نہ رکتا تھا۔ (آج بھی اس سطح مرتفع کے سپاہی "کاسک" کہلاتے ہیں۔ یہ وہی پرانا لفظ

قزاق ہے۔) مگر اب وہ حقیقی معنوں میں سالار لشکر بن گیا تھا جس کی کمان میں ایک لش
جرار تھا اور جب موسیٰ کی قوم کے لوگ' جو جلایر کہلاتے تھے' تیمور سے آن ملے تو ا
کی بالادستی میں کوئی کلام ہی نہیں رہا۔ جلایر تعداد میں بہت زیادہ تھے اور اچھے خاصے بڑ
ملکوں سے زیادہ سپاہی میدان جنگ میں لا سکتے تھے۔ جلایر نیم مغل تھے' ان سے تیمور
رشتہ بھی تھا۔ وہ اس کے بڑے لڑکے جہانگیر کی ننھیال تھے۔

اتنی بڑی فوج اور تیمور جیسا کمان دار' امیر حسین اس کے مقابلے کی کیا تاب لا
اس کی طاقت اس طرح زائل ہوگئی جس طرح گرمیوں میں برف پگھل جاتی ہے۔ پہلے
اسے دریائے آمو کی طرف بھاگنا پڑا' پھر بلخ میں محصور ہوگیا۔

مگر یہ شہر نہایت آسانی سے فتح کرلیا گیا۔ امیر حسین کھنڈروں میں چھپ گیا اور وہا
سے تیمور سے کہلوایا کہ اگر مجھے حج کو چلا جانے دیا جائے تو پھر ملک میں واپس نہ آؤں گا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بیان میں اختلاف ہے۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے
تیمور نے امیر حسین کی جاں بخشی کا وعدہ کیا مگر اس کو یقین نہ آیا اور بھیس بدل کر م
کے مینار میں جا چھپا جہاں اگلی صبح موذن نے اسے دیکھ لیا اور گرفتار کروا دیا۔ یہ بھی ک
جاتا ہے کہ ایک سپاہی مینار پر اس لئے چڑھا کہ اپنے گم شدہ گھوڑے کی تلاش میں نظ
دوڑائے۔ اس نے حسین کو وہاں دیکھ لیا۔

امیر حسین کی موت کے بارے میں بیانات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے' ایک بیان
ہے کہ جب وہ گرفتار ہوگیا اور سب سردار اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے اکٹھے ہو
تو تیمور یہ کہہ کر اٹھ گیا کہ "امیر حسین سے میرا دوستی کا عہد و پیمان ہوچکا ہے اس
میرے ہاتھوں اسے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔"

ایک اور بیان کے مطابق موید ارلات اور ایک اور سردار دونوں تیمور پر اپنا عندیہ ظ
کئے بغیر مجلس سے اٹھے اور انہوں نے باہر جا کر امیر حسین کو قتل کردیا۔ یہ بھی کہا جاتا
کہ انہوں نے امیر حسین سے یہ کہا تھا کہ ہم تمہیں بھاگ جانے کا موقع دے دیں گے
جب وہ بھاگنے لگا تو قتل کردیا۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ تیمور نے اس کی جان بچانے کی کوشش نہ کی۔ مورخ لک
ہے کہ امیر حسین کی موت کا وقت اور مقام معین تھا اور قسمت کا لکھا ہرگز نہیں ٹلتا۔

مولانا زین الدین کا ارشاد

تیمور بلخ میں کچھ دن تک قصداً" رکا رہا۔ اس گرم وادی سے' جہاں گنے کی کاشت عام اور تجارت بافراط تھی' خراسان سے ہندوستان جانے والے کارواں بھی گزرتے تھے اور کوہستانی سردار بھی اپنے کوہستانی مسکنوں سے یہاں اتر آیا کرتے تھے۔ اس شہر سے ہزاروں پرانی یادیں وابستہ تھیں اور صدیوں کا گرد و غبار اس کی فضا میں معلق تھا۔ یہاں مٹی اور بھربھرے پتھروں کے کھنڈروں میں اس آتش کدے کے آثار بھی تھے جو آتش پرستوں نے دنیا کے ابتدائی دور میں بنایا تھا' اور اس کی گلیوں میں مہاتما بدھ کے اس مجسمے کے ریزے بھی بکھرے ہوئے تھے جو اپنے عہد میں زعفرانی چادر میں لپٹے ہوئے عبادت گزاروں کی عقیدت کا مرکز تھا۔ لوگ اس شہر کو عروس البلاد کہتے تھے۔ سکندر اعظم اسے باکتریا کے نام سے جانتا تھا مگر اب یہ قبتہ الاسلام کہلاتا تھا۔ چنگیز کے سپاہی اسے مٹی اور پتھروں کا ڈھیر بنا کر چھوڑ گئے تھے جس کے گرد مقبرے اور مسجدیں تعمیر ہوگئی تھیں' جن سے یہ قبرستان معلوم ہونے لگا تھا۔ تیمور نے اسے نئے سرے سے تعمیر کرکے ایک بارونق شہر کی شکل دی تھی اور اسی شہر میں' حال میں' اس نے امیر حسین کو بھی سپرد خاک کیا تھا۔

حسین کی موت کے بعد تاتاریوں کو ایک نیا خان منتخب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنگیز خانی قانون کا یہی تقاضا تھا اور اس میں یہ شرط بھی تھی کہ وہ "ترا" ہو۔

قبائلی مجلس قورلتائی (49) میں شرکت کے لئے تمام امیر اپنے اپنے کوہستانی مسکنوں سے چل کر آئے۔ ہندوستان کے دروں سے لے کر شمالی سطح مرتفع کے مرغزاروں تک کے سرداران قبائل اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اس میں عمامہ پوش ایرانی شہزادے' ائمہ' بخارا کے علماء' درسگاہوں کے شیوخ' خدام دین اور معروف مناظر بھی جوق در جوق شامل ہوئے۔ ان میں ہادی زماں مولانا زین الدین اور ان کے درویش صفت مصاحب اور مناظر ماوراء النہر کے مصدقہ ہادی و مرشد خواجہ بہاء الدین بھی تھے۔ غرض فوجی افسر' علماء' صوفی اور سرداران قبائل سب تیمور کے بارے میں غور و خوض کرنے کے لئے یکجا ہوئے۔ مگر خود تیمور الگ رہا اور اس دوران میں جب مجلس کی کارروائی ہو رہی تھی' جہانگیر کے ساتھ کھیلتا رہا۔

بعض امیروں نے تیمور کو خان منتخب کرنے کی مخالفت کی۔ بدخشانیوں کی رائے یہ
کہ اب ہمیں چاہئے ملک کو بھائیوں کی طرح بانٹ لیں۔ ہر امیر اپنے علاقے پر حکوم
کرے اور جب کبھی باہر سے حملہ ہو' ہم متحد ہو جائیں۔

تیمور کے تجربہ کار امیروں نے اس رائے کی مخالفت کی اور اس پر عمل درآمد
برے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ بھائیوں کے کام بھی اسی حالت میں بخیر و خوبی
پاتے ہیں جب ان کے سر پر ایک بڑا بھائی ہو۔ اگر تم ملک کو تقسیم کرو گے تو جتہ مغل
شروع کرے تم سب کو الگ الگ مغلوب کرلیں گے۔

جو امیر طاقتور ترین تھے اور جن کے قبائل کی تعداد زیادہ تھی' انہوں نے بھی
کے خان منتخب کئے جانے کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ قدیم دستور حکومت بحال کرنا چاہئے
ہمارے قدیم قانون میں بادشاہی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ہمیں چنگیز خان کی اولاد میں سے
کو حکمران مقرر کرکے تیمور کو اس کا نائب مقرر کر دینا چاہئے۔

اس پر ایک درویش خواجہ ابوالبرکات (50) نے اٹھ کر علماء اور شیوخ کا نظریہ پیش
انہوں نے کہا: "یہ شریعت نبوی کے صریحاً خلاف ہے کہ امت محمدی غیر مسلم (51)
تابع ہو کر رہے۔ چنگیز خان ایک صحرا نشین وحشی تھا اور تلوار کے زور سے بہ جبر
پر مسلط ہوا تھا۔ آج تیمور کی تلوار چنگیز کی تلوار سے کسی طرح کم نہیں۔"

خواجہ نے قلوب کو اتنا گرمایا کہ جنگجو تاتاریوں میں شدت جذبات سے گرمجوشی
ہوگئی۔ انہوں نے کہا: "تم سب امیر حسین سے خوف زدہ تھے اور صحراؤں میں پناہ لینے
فکر میں رہتے تھے۔ جب تیمور اٹھا اور تم نے بھی ہمت باندھی اور اپنے دور دراز
سے باہر نکلنے پر آمادہ ہوئے۔ اس نے نہ اس وقت تم سے مدد مانگی' نہ اب تمہاری
محتاج ہے۔ اب تک میں نے تمہیں تاتاری سمجھ کر مخاطب کیا ہے' اب میں تم سے
مسلمان گفتگو کرتا ہوں۔ میں آل رسولؐ ہوں اور تمام شیوخ اور علماء میرے ہمنوا ہیں
تیمور کو نہ صرف ماوراء النہر بلکہ ممالک توران کا بھی حکمران تسلیم کرتے ہیں۔"

یہ تھا ارباب شریعت کا نقطہ نظر' اس لئے نہیں کہ تیمور کوئی عبادت گزار اور
متقی انسان تھا بلکہ صرف اس لئے کہ تیمور اور صرف تیمور طوائف الملوکی اور لوٹ
قلع قمع کرنے کا اہل اور بلاد شمال کے جتہ مغلوں کے حملے روکنے کے قابل تھا۔ جن
نے تیمور کے انتخاب کو حتمی بنا دیا وہ جنگ آزما سپاہی تھے۔ یہ کسی اور شخص کو
ماننے پر کسی صورت رضامند نہ تھے۔

اگلے دن تمام سردار اور قبائلی امیر تیمور کے خیمے پر حاضر ہو کر اس کے سامنے دوزانو
ہوگئے' پھر اس کا بازو تھام کر اسے سفید نمدے کی مسند پر لے گئے۔ مغلوں کی ایک قدیم
رسم کے مطابق سفید نمدے کی مسند سردار قبیلہ اور حاکم وقت کے لئے مخصوص ہوتی
تھی۔ غرض ان خود پوش لوگوں نے تیمور کی اطاعت قبول کرلی۔

تاجپوشی کی سی ایک رسم اس روز یوں ادا ہوئی کہ مولانا زین الدین نے قرآن ہاتھ میں
لیا اور ہر سردار سے اس پر ہاتھ رکھوا کر تیمور کی اطاعت کا اقرار کروایا۔ تیمور حقیقت میں
تو پہلے ہی سے حکمران تھا اور اس کی طاقت اس کا حکم منوا سکتی تھی مگر اطاعت کا اظہار اس
رسم کی ادائیگی کے بغیر ممکن نہ تھا' کیونکہ تاتاریوں کے لئے یہ رسم بڑی اہمیت رکھتی تھی۔
اب سے سپہ سالار تیمور کا لقب امیر تیمور (52) ہوگیا۔ اب تاتاری اس کے نمک خوار
ہوگئے۔ آئندہ اس کی اطاعت ان کے لئے باعث عزت اور اس سے غداری ان کے' نیز
ان کی اولاد کے لئے باعث شرم ہوگی۔ تیمور ہی ان کی املاک کا محافظ ہوگا اور وہی ان کے
جھگڑوں کا تصفیہ کیا کرے گا۔ اگر وہ یہ فرائض انجام دینے میں ناکام رہے گا تو تاتاری ایک
اور مجلس مشاورت کرکے نیا امیر منتخب کرلیں گے۔

مولانا زین الدین نے امیر تیمور کے سامنے قالین پر کھڑے ہو کر باآواز بلند کہا: "
مشیت کو یہی منظور ہے کہ آپ فاتح بنیں' آپ کی طاقت بڑھے اور آپ کے ذریعے اسلام
کو تقویت پہنچے۔"

تیمور سفید نمدے کی مسند پر آبنوس کے ایک نیچے سے تخت پر بیٹھا علمائے بخارا اور
سادات کی اس پر شور بحث پر مسکرا رہا تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ پر قریب ترین کس کو بیٹھنا
چاہئے۔ اس کے چہرے' بدن یا لباس پر ایسا کوئی نشان نہ تھا جس سے اس کا مذہبی رجحان
ظاہر ہوتا ہو۔ وہ حسب معمول زرہ پہنے' چہار آئینہ سجائے' بازو بند اور شانہ گیر لگائے اور
سر پر خود پہنے ہوئے تھا جو زریں کام سے جگمگا رہا تھا۔

اس نے جی کھول کر تحائف بانٹے۔ اصیل گھوڑے' بیش قیمت خلعت' اسلحہ' قبا اور
مرصع زین جو کچھ اس کے پاس تھا سب آن کی آن میں سرداروں میں تقسیم ہوگیا۔ جب
رات ہوئی تو اس نے ان کے خیموں میں کھانوں اور میووں کی کشتیاں بھیجیں۔ سادات نے'
جو اس کے خیمے میں مظاہرۂ وفاداری کے لئے موجود تھے' اس داد و دہش پر اعتراض کیا تو
تیمور نے بڑی سادگی سے کہا: "اگر میں بادشاہ ہوں تو سب کی دولت میری دولت ہے اور
اگر میں بادشاہ نہیں ہوں تو پھر یہ دولت' جو میرے پاس ہے' میرے کس کام کی ہے۔"

اگلے دن اس نے نئے افسروں، وزیروں اور مشیروں کا تقرر کیا۔ جو لوگ ان منا
کے لئے چنے گئے ان میں سے بعض معروف بھی تھے۔ امیر داؤد کو سمرقند کی حکومت
علاوہ مجلس مشاورت کا افسر بھی مقرر کیا گیا، قبیلہ برلاس کے امیر جاکو کو، جو اب بوڑھا
چکا تھا، علم برداری اور نقارہ باشی نیز تاواچی (ایڈی کانگ) کا منصب ملا۔

فوج کے کمانداروں میں دو نئے نام بھی نظر آئے، ایک مغل خطائی بہادر اور دو
عرب شیخ علی بہادر۔

ایک بات شروع ہی سے ظاہر تھی، کوئی امیر تیمور کے ارادوں اور احکام میں د
دینے کا مجاز نہ تھا۔ یہ درست ہے کہ مولانا زین الدین اور چند اور پرانے رفقائے کار ا
کے خیمے میں جب چاہیں داخل ہوسکتے تھے مگر انہیں اوروں پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی ا
ان میں سے کوئی بھی تیمور کا منظور نظر نہ تھا۔ مشورہ دینے کی اجازت ہر شخص کو تھی
فیصلے میں کسی کا دخل نہ ہوتا۔ ذہن کی یہ محکمی مشرقی بادشاہوں میں بہت کم نظر آتی ہے ا
عجیب تر بات یہ ہے کہ تیمور اب تک اپنے نجی معاملات میں بے توجہی برتتا رہا تھا۔

وہ مخالفت کا قلع قمع کرنے میں پوری تندی اور تن دہی سے کام لیتا تھا۔ بلخ سے در
منتقل بھی نہ ہوا تھا کہ امیر حسین کے ہوا خواہوں پر حملہ کر دیا۔ قیدیوں کو پابہ زنجیر کیا گیا
ان کے سر قلم کر دیئے گئے اور ان کے گھروں کو نذر آتش یا منہدم کردیا گیا۔ غرض ان
نام و نشان باقی نہ رہنے دیا۔

جتہ مغلوں کی طرف سے تیمور شروع ہی سے چوکنا رہا تھا، اب وہ ہر سال بلاد شمال
پہاڑی علاقے پر حملہ آور ہوتا۔ اور سپاہ کو حکم دے دیا کہ قتل و خون اور آتش زنی میں ک
کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔ اسے یقین تھا کہ ملک کے دفاع کا بہترین طریقہ حملہ کرنا ہے ا
مغلوں کے بارے میں اس نے تجربے سے یہ معلوم کرلیا تھا کہ حملہ کرتے وقت خطرناک
ہوں تو ہوں، دفاع کرتے وقت نہیں ہوتے۔

جب جتہ مغل قبائل کے ساتھ وہی کیا گیا جو وہ اوروں کے ساتھ کرتے تھے تو
سرحدی وادیاں چھوڑ کر شمال کی جانب اپنے مرکزی حصار المالیق کی طرف چلے گئے۔ تیم
نے ان کا تعاقب اس وقت تو نہیں کیا مگر کچھ دن بعد وہاں بھی ان کو جا پکڑا۔

اس دور میں دریائے سیر اور ہندوستان کے درمیان کے خطے میں تیمور کے زیر اقتد
ایک نیا نظام تشکیل پا رہا تھا اور وہ اپنی فوجوں میں انضباط کا ایک انوکھا تصور پیدا کر رہا تھا۔
ایک مرتبہ ایک علاقے کے جتہ مغلوں کو سزا دینے کے لئے دو امیر شمال کی جانب روا

کیے گئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو جتہ اپنی چراگاہیں چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ تاتاری امیر یہ
سمجھے کہ کام ہوگیا، چنانچہ واپس چلے آئے۔

جب وہ دریائے سیر عبور کررہے تھے اور اس خیال میں مگن تھے کہ پار اتر کر جشن
منائیں گے تو انہیں ایک اور لشکر شمال کی جانب آتا ملا جو اپنا ہی لشکر نظر آتا تھا۔ اس کے
قریب آنے پر ان امیروں نے سالار لشکر سے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ تو جواب ملا: ”
جن مغلوں کو تم نہ ڈھونڈ سکے انہیں ڈھونڈ کر سزا دینے۔“

اس بات پر ان دونوں امیروں کو پہلے تو غصہ آیا مگر پھر سوچ میں پڑ گئے اور تیمور کے
پاس جانے کے بجائے شمال کو جاتے ہوئے لشکر کے ہمراہ ہو لئے۔ ایک سال بعد یہ متحدہ
لشکر موسم سرما شمال کے پہاڑوں میں گزار کر، مگر اپنا فرض ادا کرنے کے بعد، سمرقند واپس
آیا۔ یہ لوگ جتہ مغلوں کا مال اسباب اور ان کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ساتھ لے آئے تھے
اور ان کی بستیاں برباد کر آئے تھے۔ تیمور نے سب کی تعریف کی اور سب کو برابر کے
انعامات دیئے، اور ناکام لوٹ آنے والے امیروں کی ناکامی کا ذکر تک نہ کیا۔ یہ ذکر چھڑتا تو
وہ دونوں خجالت محسوس کرتے اور شاید ایک علیحدہ محاذ قائم کر لیتے جس کی وجہ سے خوں ریز
کشاکش شروع ہو جاتی۔

بعض سردار دغا ہوکر اپنے آبائی قلعوں میں جا بیٹھتے تھے۔ مگر ایک ہی مہینے کے اندر
اندر تیمور کی فوجیں ان کا محاصرہ کرلیتیں اور انہیں چار و ناچار قلعے سے نکلنا پڑتا۔ مگر جب
وہ دست بستہ تیمور کے سامنے آتے تو انعام و اکرام سے نوازے جاتے، البتہ جنگ سے منہ
موڑنے دغا کرنے والوں کو تیمور بہت ذلیل کرتا یا مروا دیتا۔ ایک مرتبہ ایک افسر میدان جنگ
سے بھاگ آیا۔ اسے کافی جستجو کے بعد ڈھونڈ نکالا گیا۔ ہتھیار لے لئے گئے، گدھے کی پیٹھ
پر دم کی طرف منہ کرکے بٹھایا گیا اور کئی دن تک ہنستے، اور آوازے کستے شہریوں کی تضحیک
کا نشانہ بنانے کے لئے سمرقند کی گلیوں میں پھرایا گیا۔

ختلان کا شہزادہ کیخسرو ایران کے ایک معروف خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ ایک بار
خیوہ کے صحرا میں عین جنگ کے دوران میں ساتھ چھوڑ گیا۔ (یہیں ایلچی بہادر، شیخ علی بہادر
اور خطاء بہادر کے پیچھے پیچھے دریا تیر کر پار کرتے میں ڈوبا)۔ آخر میں فتح تیمور کی ہوئی۔
کیخسرو کو ڈھونڈ نکالا گیا۔ پکڑ کر سرداروں کی عدالت میں پیش کیا گیا اور فوراً سر قلم کر دیا
گیا۔

تیمور کے پرانے وفادار امیر نئے حلیفوں سے ہمیشہ یہی کہتے کہ ”ہمارے امیر کا حکم مان

لینے ہی میں خیریت ہوتی ہے' جو لوگ اور کچھ کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں۔" (53)

ان نئے حلیفوں میں چند جتہ مغل شہزادے بھی تھے جو مقابلے کو بے سود سمجھ کر تیم
کے اطاعت گزار بن گئے تھے۔ ان میں سے ایک بیگ جک کا بیٹا بیان تھا۔ اسے یاد تھا ک
نئے امیر نے اس کے باپ کی جاں بخشی کی تھی۔ دوسرا خطا کا امیر خطائی بہادر تھا جو ہر وق
چمڑے کا کوٹ پہنے رہتا تھا اور جس کی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال لٹکتی رہتی تھی۔ اس کی ش
علی بہادر سے دوستی ہوگئی جو اسی جتنا تند خو اور غصیل تھا۔

ایک مرتبہ دونوں جتہ مغلوں کی فوج کا صحیح مقام تلاش کرتے ہوئے باقی فوج سے بہ
آگے نکل گئے تھے کہ ایک دریا کے اس پار ایک مقام پر جتہ فوج نظر آئی۔ دونوں دریا ک
کنارے پر رک گئے اور دشمن پر حملے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ خطائی بہادر کی رائے یہ تھ
کہ سوچ سمجھ کر احتیاط سے کام لیا جائے۔ اس نے بہت سی تجویزیں پیش کیں جن کا لب
لباب یہ تھا کہ دریا کو کسی ایسی جگہ سے پار کیا جائے جہاں جتہ مغلوں کو خبر نہ ہو۔

شیخ علی خاموش سنتا رہا۔ ظاہر تھا کہ اس نے ابھی تک کوئی تجویز نہیں سوچی ہے ورن
بول اٹھتا کہ میری رائے کچھ اور ہے۔ خطائی بہادر سمجھا کہ شیخ علی متفق نہ ہونے کی وج
سے خاموش ہے۔ مغل فطرتاً شکی ہوتا ہے' اس نے ذرا درشت لہجے میں پوچھا: "تمہارا
کیا خیال ہے؟"

"واللہ!" شیخ علی نے بے پروائی سے کہا: "مغل اسی طرح لڑتے ہیں!"

بہادر مغل کا چہرہ خون کی تمتاہٹ سے سرخ ہوگیا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: "اچھا
میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ مغل کس طرح لڑتے ہیں۔"

شیخ علی حیران ہوکر اس کا منہ تکنے لگا۔ ادھر خطائی بہادر نے گھوڑا منگوایا اور کاٹھی
لگوائے بغیر ہی اس پر بیٹھ کر دریا میں اتر گیا اور پار پہنچ کر جتہ مغلوں پر حملہ کردیا اور ان
کے دو آدمیوں کو مار ڈالا جس کے بعد مغلوں نے اسے گھیر لیا اور لگے حملے کرنے۔

شیخ علی کو پہلے تعجب ہوا' پھر حیرت اور اس کے بعد بے اختیار داد دی۔ پھر اچھل کر کھڑا
ہوگیا' اپنا گھوڑا منگوایا' اچھل کر اس پر بیٹھا اور دریا کے پار پہنچ کر مغلوں اور ٹوٹ پڑا اور
جب لڑتا بھڑتا خطائی بہادر کے قریب پہنچا تو چیخ کر اس سے کہا: "تم پاگل تو نہیں ہوگئے ہو
اس طرح لڑنا حماقت ہے۔ چلو واپس!"

"واپس جاؤ تم!" خطائی بہادر نے پلٹ کر جواب دیا۔ مگر دونوں کے ہاتھ تیغوں کو بجلی کی
سی سرعت سے چلا رہے تھے۔

شیخ صرف اتنا کہہ سکا: "لاحول ولا قوۃ" اور دشمن سے لڑنے میں مشغول رہا۔

دونوں شانہ بشانہ کھڑے مغلوں کے وار روک رہے تھے اور گھیرے کو توڑنے کی کوشش میں تھے۔ اتنے میں ان کے ساتھی وہاں آپہنچے اور انہیں مغلوں کے نرغے سے نکال کر واپس لے آئے۔

اب دونوں پھر مشورہ کرنے بیٹھے۔ مگر اس مرتبہ مزاجوں میں وہ تندی نہیں تھی اور نہایت دوستانہ ماحول میں حملے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔

صوفی اور ملک

ایسے انسانوں کو قابو میں رکھنا اور ان کی کمان کرنا' یہ تھا وہ کٹھن کام جو تیمور نے انجام دیا۔ اس کے لئے فولادی عزم اور غیر معمولی دانش مندی کی ضرورت تھی۔ لوگ تیمور کی تعریفیں کرتے ہوئے کہتے تھے کہ "امیر تیمور عادل اور مردم شناس ہے اور مستحق آدمی کو بھر مٹھی انعام دیتا ہے۔"

اب وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے کہ تیمور ان سفیروں سے کس طرح پیش آتا ہے جنہیں صحرا پار کے ہمسایہ امیروں نے تیمور کو مبارک بادی دینے ------ اور اس کی مخبری کرنے ------ کے لئے بھیجا ہے۔

یہ امیر بڑے طاقتور تھے۔ انہوں نے تاتاریوں کی خانہ جنگی کے ایام میں تاتاری علاقے پر حملے کرکے فائدے اٹھائے تھے۔ والی خوارزم حسین صوفی' جو قبیلہ جلایر سے تھا اور خیوہ اور اور گنج کا حاکم تھا' ایک لحاظ سے جتہ خواتین کا اطاعت گزار تھا اور تیمور کو بادیہ پیا سمجھتا تھا جو اس کے علاقے کے سرخ ریت کے ٹیلوں میں پناہ گزین ہو چکا تھا۔ اور گنج' جو ولایت خوارزم کا دارالحکومت تھا' دریائے آمو کے دہانے پر واقع تھا اور تجارت کے فروغ کی وجہ سے دولت و ثروت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کی فصیلیں بہت بلند تھیں اور صوفی بھی غرور و تکبر میں کسی سے کم نہ تھا۔

اس نے تیمور کو بیش قیمت تحائف ارسال کئے۔ تیمور نے صوفی کے سفیر کے ہاتھ ان سے بھی زیادہ بیش قیمت تحائف بھیجے اور یہ کہلوایا کہ اپنی بیٹی خان زادہ کی شادی تیمور کے بیٹے جہانگیر سے کر دے۔ یہ لڑکی حسن و جمال میں یکتائے زمانہ تھی۔ تیمور کی یہ درخواست دوستانہ تھی مگر صوفی یہ سمجھا کہ تیمور جتہ مغل خان کی حدود کو اپنی حدود قرار دے کر صوفی کو اپنا باجگذار بنانا چاہتا ہے۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں نے خوارزم تلوار سے لیا ہے' اسے مجھ سے تلوار ہی سے چھینا جاسکتا ہے (54)۔

تیمور اسی وقت صحرا عبور کرکے خوارزم پر حملہ کر دیتا مگر مشائخ میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ ابھی حملہ نہیں کرنا چاہئے۔ پہلے میں خوارزم جاکر صوفی کو تاتاریوں سے مفاہمت پر رضامند کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن جب یہ بزرگ صوفی کے پاس پہنچے تو

اس نے انہیں قید میں ڈال دیا۔ اب تیمور کا رکنا مشکل تھا۔

اس نے امیروں اور سرداروں کو پیغام بھیج بھیج کر جمع کیا۔ صحرا اس کے قدموں سے ایک بار پہلے بھی آشنا ہو چکا تھا۔ اب جن میں کیخرو ختلانی نے ساتھ نہ دیا مگر اس کے باوجود تیمور نے خیوہ پر منجنیقوں وغیرہ کے بغیر حملہ کیا۔ اس نے خندق کھدوا کر اسے درختوں اور جھاڑیوں سے پٹوایا اور سپاہی کمندوں سے شہر پناہ پر چڑھے (55) وقائع نگار نے لکھا ہے کہ شیخ علی بہادر پہلا شخص تھا جس کا ہاتھ سب سے پہلے فصیل کے منڈیر پر پڑا۔ اس کے پیچھے اس کا افسر تھا' وہ ماتحت کو سبقت لے جاتے نہ دیکھ سکا۔ شیخ علی کو ٹخنا پکڑ کر نیچے گرا لیا اور خود اوپر چڑھ کر خیوہ کے سپاہیوں کو اتنی دیر تک روکے رکھا کہ اس کے سپاہی پہنچ گئے۔ خیوہ (56) سر کرنے کے بعد تیمور اور گنج پہنچا جہاں حسین صوفی قلعہ بند ہوا تھا۔ یہاں منجنیقوں اور دیگر محاصرہ شکن ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی تیاری کے انتظامات شروع کر دیئے مگر ابھی یہ انتظامات ہو ہی رہے تھے کہ صوفی (57) کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ "ہم اپنے اپنے ساتھیوں کا خون کیوں بہائیں! کیوں نہ تم اور میں ہی لڑ کر فیصلہ کرلیں۔ ہم دونوں میں سے جس کے ہاتھ دوسرے کے خون سے رنگین ہوں' وہی فاتح سمجھا جائے۔"

صوفی کے پیغام رساں نے یہ بھی کہا کہ یہ مبارزت شہر کے صدر دروازے کے سامنے والے میدان میں ہوگی اور وقت بھی بتا دیا۔

تیمور کے سرداروں اور امیروں نے یہ تجویز پسند نہ کی' خصوصاً" بیک جک کے بیٹے بیان نے پرزور لہجے میں کہا: "امیر! اب لڑنا ہمارا کام ہے۔ آپ کا مقام تخت پر اور شاہی چتر کے تلے ہے۔ آپ یہ مقام نہ چھوڑیں۔"

ہر امیر نے اس مبارزت میں تیمور کے بجائے خود لڑنے کی درخواست کی۔ مگر اس نے ان سے کہا: "شاہ خوارزم کا پیغام ذہن میں رکھو! اس نے میرے کسی امیر کو نہیں' مجھے للکارا ہے" اور پیغام رساں سے کہا: "ہم وقت مقررہ پر صدر دروازے کے سامنے اکیلے پہنچ جائیں گے۔"

جب تیمور کی مبارزت کے لئے روانگی کا وقت قریب آیا تو تیمور کے امیروں کے چہروں پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے۔ مگر تیمور ان کی طرف توجہ کئے بغیر تیاری میں مشغول رہا۔ اس نے ہلکی کڑیوں دار زرہ پہنی' پھر اس کے تیغ بردار نے اس کے بائیں بازو پر ڈھال اونچی کرکے باندھی اور تلوار پٹکے میں لگا دی۔ سیاہ رنگ کا خود تیمور نے اپنے ہاتھ سے سر پر

رکھا جس کے جھلم سے گردن اور شانے ڈھک گئے۔ اب وہ لنگڑا کر گھوڑے کی طرف بڑھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جب وہ چلنے کو تھا تو بوڑھا امیر سیف الدین سے نہ رہا گیا۔ افسروں کی صف سے نکل کر اس نے رکاب تھام لی اور اس سے درخواست کی کہ ایک معمولی سپاہی کی طرح لڑنے نہ جایئے۔ تیمور نے جواب میں زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر تلوار نکال کر چپٹی طرف سے اس پر وار کیا۔ سیف الدین وار بچانے کی غرض سے پیچھے ہٹ گیا۔

غرض تیمور تنہا اپنے معسکر سے روانہ ہوا اور منجنیقوں اور ہزاروں سپاہیوں کے سامنے سے گزر کر' درمیانی میدان عبور کرنے کے بعد' صدر دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔

اس دروازے کے اوپر برجوں میں خیوہ والوں کا ہجوم تھا۔ تیمور نے چلا کر ان سے کہا "اپنے بادشاہ سے کہو تیمور تمہارا منتظر ہے!"

ایسا تھا تیمور' دلیر' نڈر' دھن کا پکا۔ ماوراء النہر کا بادشاہ بن جانے کے بعد بھی ایک معمولی سردار کی طرح لڑائی بھڑائی کے لئے تیار ہوگیا۔ اسے نتیجے کی فکر نہ ہوتی تھی اور اپنی خواہش کے علاوہ اور کسی بات کی پروا نہ کرتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمیت گھوڑے پر سوار ہزاروں تیراندازوں کا نشانہ بنا کھڑا تھا اور بادشاہ ہونے کے باوجود دشمن کا انتظار کر رہا تھا۔ اس روز لوگوں نے تیمور کے حقیقی خد و خال دیکھے۔ وہ عظیم تھا مگر اس میں جذبات سے مغلوب ہو جانے کی کمزوری بھی تھی۔

یوسف صوفی باہر نہ نکلا۔ تیمور تنگ آگیا اور چلا کر

"جو ایفائے عہد نہ کرے' اس کے لئے زندگی سے موت بہتر ہے۔" یہ کہہ کر گھوڑے کی باگ موڑی اور اپنے معسکر کو روانہ ہوگیا۔ وہ خود تو خیر بددل اور برہم ہی ہوگا مگر اس کے تمام امیر اور سردار خوشی خوشی استقبال کو بڑھے' لشکروں میں نعرے بلند ہوئے' نقارے چوٹ پڑی اور ہزاروں گھوڑے ہنہنائے۔ صاف ظاہر تھا کہ فوج نے اس واقعے سے کیا اثر قبول کیا ہے۔

تیمور نے صوفی کے بارے میں جو کچھ کہا' وہ قدرت کہلوا رہی تھی۔ یوسف صوفی جلد ہی بیمار پڑ گیا اور اس کے مرنے کے بعد شہر کے دروازے کھول دیئے گئے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ صوفی کی لڑکی خان زادہ کو فاتح کے معسکر میں جہانگیر کی دلہن بنا کر بھیج دیا جائے (58)

تیمور نے خوارزم کو ایک صوبہ بنا کر اپنے بڑے لڑکے کو وہاں کا حاکم بنایا۔ یوں بادشاہ قزغن کی مملکت کو مغرب اور شمال کی جانب وسعت دی گئی اور غربی جلایر ماوراء النہر

نبی بھائیوں سے آملے۔

اس کے بعد جلد ہی تیمور نے جنوب کی جانب دریا پار کے پڑوسی والی ہرات پر فوج کشی کی۔ اس مرتبہ اسکے پاس فوج پہلے سے بھی زیادہ تھی۔ کم از کم پچاس ہزار سپاہیوں کے قدموں کی صدائے بازگشت اس تنگ گھاٹی میں گونجی' جسے باب الحدید کہا جاتا تھا۔ ان کی باربرداری بھی انہی کی طرح شور کرتی ہوئی گاڑیوں پر ان کے پیچھے پیچھے آرہی تھی۔

اب کے بھی حسب دستور کارروائی سفیروں کی آمد و رفت کے بعد شروع کی گئی۔ ہرات کا ملک ایک نوجوان غیاث الدین تھا۔ اس کے باپ نے ایک بار بادشاہ گر کے پاس پناہ لی تھی اور تیمور اپنے کو بادشاہ گر کا جائز وارث سمجھتا تھا۔ اس نے غیاث الدین کو سالانہ مجلس میں شرکت کے لئے بلایا۔ ظاہر تھا کہ تیمور اسے اپنے باجگذار کی حیثیت سے بلا رہا ہے۔

غیاث نے سمرقند آنے کی دعوت اس شرط کے ساتھ منظور کی کہ امیر سیف الدین کو اس کے استقبال کے لئے ہرات تک بھیجا جائے۔ تیمور نے اپنے اس بزرگ ترین امیر کو ہرات روانہ کردیا مگر وہ تنہا واپس آیا اور تیمور کو بتایا کہ ملک نے محض بہانہ بنایا تھا' وہ سمرقند آنا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس وقت ہرات کے گرد ایک نئی فصیل تعمیر کرنے میں مصروف ہے۔

تیمور نے ایک اور سفیر روانہ کیا۔ اسے غیاث الدین نے روک لیا۔ اب تاتاری علم بلند ہوئے اور خود پوش جوان جنوب کی طرف روانہ ہوگئے۔ دریائے آمو پر کشتیوں کا پل تعمیر کیا گیا۔ اس مرتبہ جنگ تاتاری ممالک سے باہر ہو رہی تھی' چنانچہ جوش و خروش کا اور ہی عالم تھا۔ بہار کا موسم تھا' چراگاہوں میں سبز سبز گھاس کی فراوانی تھی۔ تاتاری اپنے گھوڑوں کو چراتے ہوئے پہاڑوں کی طرف بڑھے اور دروں سے گزر کر فوشنج کی طرف ہو لئے۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ جس میں غیاث الدین نے اپنی فوج بٹھا رکھی تھی۔ تیمور نے وہاں پہنچنے کے بعد اپنی فوج کے آنے کا بھی انتظار نہ کیا اور فوراً حملے کا حکم دے دیا۔ خندق کو لکڑی کے تختے ڈال کر عبور کیا اور تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ ہونے کے باوجود کمندیں ڈالنی شروع کر دیں۔

تیمور اپنے جوانوں کو جوش دلانے کے لئے خود بھی خود اور زرہ اتار کر اگلی صف میں شامل ہوگیا اور دو بار تیروں سے زخمی ہوا۔ کمند اندازوں میں شیخ علی بہادر' مبارک' جس نے اسے ایک سابقہ معرکے میں فصیل سے گرایا تھا اور ایلچی بہادر کا بیٹا' تینوں ایک

دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ طبل بج رہا تھا اور اس کی آواز پر جوش میں آکر تاتاری فصیل کے اوپر چڑھ رہے تھے۔ دفعتاً" کچھ آدمیوں نے وہ نہر ڈھونڈ نکالی جو قلعے کے اندر جاتی تھی۔ چنانچہ پانی میں سے گزر کر برہنہ تلواریں لئے شہر میں داخل ہوگئے۔ اس دوران میں فصیل میں بھی شگاف کرلیا گیا تھا اور دیوار کا ایک حصہ بھی دشمن سے خالی کرا لیا گیا تھا۔ بہت جلد فوشنج میں قیامت کا نقشہ نظر آنے لگا۔ اہل شہر بے تحاشا ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور قلعے کی فوج کا تو تاتاریوں نے بزن کا بول دیا۔

فوشنج کے سقوط سے ہرات والوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ غیاث الدین نے جب دیکھا کہ اس کے حفاظتی دستے بھی تیمور کے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکتے تو اس نے امان چاہی۔ تیمور کا رویہ نہایت مشفقانہ تھا۔ وہ اس کے ساتھ عزت سے پیش آیا مگر اسے سمرقند روانہ کردیا۔ شہر سے تاوان وصول کیا گیا' نئی فصیل کو گرا دیا گیا' اور اس کے دروازے نیز جواہرات' سونا چاندی' ہیرے اور شاہی خاندان کا قدیم زریں تخت' سب شہر سبز بھیج دیئے گئے۔

ہرات پر قبضے سے تیمور کی مملکت میں ایک عظیم شہر کا اضافہ ہوا جو واقعی ایک مرکزی شہر تھا۔ اس کا گھیر نو ہزار فٹ سے زیادہ تھا اور آبادی ڈھائی لاکھ تھی۔ تاتاریوں نے شمار کیا تو معلوم ہوا کہ شہر میں کئی سو مدرسے' تین ہزار حمام اور قریب قریب دس ہزار دکانیں ہیں۔ (ان دنوں لندن اور پیرس میں سے کسی میں بھی ساٹھ ہزار سے زائد باشندے نہ تھے۔ پیرس میں مکتب تو خیر تھے مگر تاریخ میں گرم حماموں کا کوئی ذکر نہیں) مگر تاتاری سب سے زیادہ ان چکیوں کو دیکھ کر حیران ہوئے جو پانی کے بجائے ہوا سے چلتی تھیں۔

وقائع نگار لکھتا ہے کہ اس فتح کے بعد تیمور کی مملکت اس قدر محفوظ ہوئی کہ عیش و عشرت کے سوا اس کا اور کوئی دشمن نہ ہو سکتا تھا۔ مگر یہ چھوٹی چھوٹی جنگیں' یعنی جتے مغلوں کو ملک سے نکال باہر کرنا اور صوفی اور غیاث ملک کی حکومتوں کے تختے الٹ دینا ایک لحاظ سے خانگی معاملے تھے۔ ان میں جرات و دلیری اور تدابیر کا دخل تو ضرور تھا مگر تزویرات مفقود تھیں۔ ان سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ تیمور ایک غیر معمولی دوراندیش کماندار ہے۔ اس نے پاس پڑوس کی ان تمام طاقتوں کو زیر کرنے میں دیر نہ کی جو اس سے الجھ کر اسے بیکار کر دیتیں۔ اوائل میں بادشاہ ہرات کی طاقت تیمور سے زیادہ تھی۔ اگر چند سال پیشتر وہ حسین سے بھاگ کر ہرات میں پناہ گزیں ہوگیا ہوتا اور قرشی کا رخ نہ کرتا تو کون

جانتا ہے' حالات کیا رخ اختیار کرتے۔

بہرحال اب تیمور کی شکل میں ایک ایسا عسکری قائد نمودار ہوگیا تھا جس میں ایک فاتح کی صفات تھیں اور جو اس وقت بھرپور قوت کا مالک تھا۔ جب 1369ء میں وہ بلخ کے مقام پر سفید نمدے (مسند شاہی) پر متمکن ہوا تھا' اس وقت اس کی عمر چونتیس سال کی تھی۔ تاریخ کے اس دور میں تیمور کی مملکت کے چاروں طرف جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس صدی کے اوائل میں (چنگیزی سیلاب کی) جو "سیاہ وبا" ایشیا سے چل کر یورپ میں بھی پھیل گئی تھی' اس کے اثرات سے ایک عام بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ قدیم حکمران خاندان مٹ رہے تھے' تاجروں کے کاروانوں نے نئے نئے راستے معلوم کر لئے تھے' لوگ مسلح فوجی مستقروں میں رہنے لگے تھے اور سرسبز و شاداب کھیت ویران ہوتے چلے جا رہے تھے۔ آئے دن شہسوار انہیں روندتے ہوئے گزرتے اور آباد بستیاں لمحہ بھر میں نذر آتش کر دیتے۔

غرض دنیا ایک وسیع تر میدان جنگ بنی ہوئی تھی۔ تیمور اس میدان میں اترے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔

دوسرا حصہ

سمرقند

حالات کا تقاضا تھا کہ اب تیمور اپنا دربار سمرقند لے جائے۔ یوں تو ماوراء النہر میں شہ
سبز سے زیادہ دلکش مقام اور کوئی نہ تھا' مگر اب تیمور کی مملکت وسیع ہوگئی تھی اور اس کی
حدود سمرقند سے ہر جانب پانچ پانچ سو میل تک بڑھ گئی تھیں۔ بلادشمال کے دروازوں کے
مقابل ہونے کی وجہ سے سمرقند ہی اس کی سلطنت کا مرکزی مقام تھا۔ اس وجہ سے شہر
کو سمرقند کے حق میں دستبردار ہونا پڑا۔

مگر تیمور نے اپنا دربار وہاں سے منتقل کرنے سے پہلے اپنے آبائی شہر کو خوش نما عمارتوں
سے آراستہ کیا۔ باپ کی قبر پر ایک مقبرہ تعمیر کرایا جس کے گنبد پر سنہری کام تھا۔ وہ
مٹی کا محل' جس میں الجائی کے حسن نے اس کی زندگی کو حسین و رنگین بنایا تھا' گرا
اس کی جگہ سفید اینٹوں کا ایک عالیشان محل بنوایا جس کے کئی صحن تھے اور جس کے صد
دروازے کی محراب دور سے نظر آتی تھی۔ تاتاریوں نے اسے آق سرائے (قصر سپید) کا نا
دیا۔ تیمور جب کبھی ملک کے باہر مہمات میں مصروف نہ ہوتا' موسم سرما یہیں گزار
اسے اس وادی سے عشق تھا۔ جب سبز سبز گھاس سے پٹی ہوئی چراگاہوں پر موسم سرما
سورج چمکتا تو ان کی سبز چمکیلی سطح پر تخت سلمان کی برفانی چوٹیوں کا عکس پہاڑوں کی ڈھ
میں تیرتا سا نظر آتا اور تیمور کی آنکھوں میں اس نظارے سے ٹھنڈک سی پڑ جاتی۔

مگر سمرقند کی تاریخی روایات تیمور کو اس کے بوسیدہ محلوں میں کھینچ لے گئیں۔ یوں
بخارا بھی موجود تھا اور وہاں مدرسے' مکتب' کتب خانے اور علوم مشرقی کے ماہر بھی تھے
اس وقت بخارا بلحاظ وسعت سمرقند سے بڑا شہر بھی تھا مگر اسے تاریخی حیثیت حاصل
تھی۔ یہ سمرقند ہی تھا جہاں سکندر اعظم نے کلائی توس کا کام تمام کیا تھا اور تیمور سے ڈیڑھ
سو سال قبل چنگیز خاں کے دل بادل لشکروں نے بھی یہیں قیام کیا تھا۔

ابن بطوطہ' جس نے مارکوپولو سے کہیں زیادہ ممالک کی سیاحت کی تھی' سمرقند کے متعلق لکھتا ہے:

"یہ دنیا کے عظیم ترین اور سب سے زیادہ پرشکوہ اور شاندار شہروں میں سے ایک ہے۔ جس دریا کے کنارے پر واقع ہے اس کا نام نہرالقصارین (کمھاروں کا دریا) (59) ہے۔ اس پر لاتعداد پن چکیاں ہیں اور اس سے نہروں کے ذریعے پانی کھینچ کر باغات کو سیراب کیا جاتا ہے۔

لوگ عصر کے بعد چہل قدمی کے لئے دریا کے کنارے جمع ہوتے ہیں۔ یہاں بالا خانے اور نشست گاہیں ہیں جن کے جھروکوں سے دریا کا نظارہ کیا جا سکتا ہے' دکانیں ہیں جن پر پھل فروخت ہوتے ہیں' اور ایسی یادگاریں ہیں جن سے اس ملک کے باشندوں کی عالی ہمتی کا پتا چلتا ہے۔ لیکن ان یادگاروں میں سے بیشتر کھنڈر ہو چکی ہیں اور اب نہ شہر پناہ موجود ہے نہ شہر کے دروازے۔ شہر کے باہر جو باغات ہوا کرتے تھے وہ بھی اب نہیں ہیں۔

غرض یہ تھا نخلستانوں اور شہتوت کے اشجار کے جھنڈوں میں بسا ہوا وہ سمرقند جہاں تیمور نے اپنا دربار منتقل کیا۔ کوہستان کی گرمی' جو ناگوار نہ گزرتی تھی' شمالی علاقوں کی خنک اور ٹھنڈی ہوا' اور عظمت رفتہ کی یادیں' یہ سب سمرقند کے باشندوں کو چاق و چوبند اور خوش و خرم رکھتی تھیں۔ زمین زرخیز تھی۔ سال میں چار فصلیں اٹھائی جاتی تھیں۔ نہروں میں پانی بافراط تھا اور دریا پر بند باندھ کر سطح زمین سے بلندی پر ایک جھیل بنائی تھی جس سے سیسے کے نلوں کے ذریعے ہر گھر میں پانی پہنچایا جاتا تھا۔ اس شہر کے باشندوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ ان کے کرگھوں پر دن رات قرمز کپڑا بنا جاتا تھا' جس کی دنیا میں بڑی مانگ تھی۔ قرمزی رنگ کا نام اسی کپڑے کے نام پر رکھا گیا۔

انگریزی زبان کا لفظ کرمزن (Crimson) اسی کپڑے کے نام سے بنا۔ ان کی آبی گھڑیاں ان کی اپنی ایجاد تھیں۔ ان کا ساختہ کاغذ دنیا میں بہترین کاغذ مانا جاتا تھا۔ دنیا جہان کے کارواں سمرقند سے گزرتے تھے۔ کسی محراب کے قریب بیٹھے ہوئے نجومی کی چھوٹی سی دکان پر بیٹھ کر تقدیر کا حال معلوم کرنا تفریح میں شامل تھا اور دو قدم آگے چل کر مداری کی بکری کے کرتب دیکھنے میں بھی کچھ کم لطف نہ آتا تھا۔ رہے کھنڈر تو بہرحال کھنڈر ہی تھے۔ مگر لوگ کہتے تھے خدا جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔

اہالیان شہر تیمور کی پذیرائی کے لئے جوق در جوق شہر کے باہر آئے۔ مصلحت کا تقاضا

یہی تھا کہ اسکا استقبال زیادہ سے زیادہ جوش و خروش سے کیا جائے۔ انہوں نے اسے
نیستاں، کشور کشا اور اقبال مند کے لقب دیئے۔ اس کی شان و شوکت نے ان کی آنکھ
کھول دیں مگر انہیں یہ بھی یاد تھا کہ صرف دس سال قبل وہ سمرقند سے ایک سائے کی
یوں گزر گیا تھا کہ کچھ معلوم نہ ہوا کہاں سے آیا تھا اور کدھر گیا۔ اور انہیں یہ بھی
کہ انہوں نے جتہ مغلوں کو بھگایا تھا جو ان کے جانی دشمن تھے، گو اس میں وبا کا بھی
تھا۔ تاہم جب تیمور نے تمام محصول معاف کر دیئے تو حریر پوش سرداروں اور امراء
لے کر زین ساز، کوزہ گر، گھوڑوں کے سوداگر اور بردہ فروش تک سب بہت خوش ہوئے

مگر اس نے ان سے بیگار لی اور اسے لازمی قرار دیا۔ شہر پناہ کے تمام شگاف ا
سامنے بند کروائے اور شہر کے دروازوں سے وسط شہر کے بازار (60) تک کشادہ سڑ
بنوائیں جن کا فرش پتھر کی سلوں کا تھا۔ شہر کے جنوب میں پہاڑی کے تمام بوسیدہ مکان
جھونپڑیاں گروا دیں اور وہاں ایک حصار کی بنیاد رکھوائی۔

اسی طرح مضافات سمرقند میں، جہاں فوجی معسکر قائم کیا گیا تھا، شہر سے دریا تک ک
سڑکوں کا جال بچھا دیا، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر باغات لگوائے اور ان کے گرد دیوا
کھنچوائیں۔ دور کے نیلگوں پہاڑوں سے بھورا بھربھرا پتھر ٹھیلوں پر لاد لاد کر لایا گیا او
طرف وسیع محلوں کی بنیاد ڈالی گئی۔ اورگنج اور ہرات کے فن کار اور کاریگر جوق در
فوجی دستوں کی حفاظت میں سمرقند آکر وہاں آباد ہوئے۔ غیر ممالک کے سفیروں کی سوا
ان شاہراہوں پر جن پر دو رویہ سرو کے درخت تھے، بڑی آن بان سے نکلتی تھیں۔ ش
سرائیں ہر وقت بھری رہتی تھیں۔

نیلا رنگ تاتاریوں کا محبوب اور مرغوب رنگ تھا۔ آسمان کی بے اندازہ بلندی
سمندر کی اتھاہ گہرائیوں کا رنگ، دور افق پر پہاڑوں کی لکیر اور ان میں بہتی ہوئی ندیا
رنگ۔ تیمور ہرات میں وہاں کے نیلگوں گنبدوں کی آسمانی چمک دمک دیکھ کر اس سے
ہوا تھا۔ اس نے سمرقند کی عمارتوں میں پرانی مٹیالے رنگ کی اینٹوں کے بجائے کاشی کی
اینٹیں لگانے کا حکم دیا۔ اس لاجوردی زمین پر سفید اور سنہری میناکاری عجب دلکشی پیدا
تھی۔

اسی لئے سمرقند کو لوگ گوگ کنڈ (نیلا شہر) کہنے لگے۔

سمرقند کے باشندوں نے محسوس کیا کہ یہ بادشاہ سابق بادشاہوں سے مختلف ہے
فولاد (تیمور) ضرب المثل بن گئی۔

جب وہ اپنے چوڑے چکلے ہاڑ اور سنہری رنگ کے گھوڑے (61) پر سوار خیابانوں سے
گزرتا تو لوگ راستہ چھوڑ دیتے۔ اس کے سپہ سالار اور زیرک وزراء صبا رفتار گھوڑوں پر
سوار اس کے ساتھ ہوتے۔ اڑتی ہوئی گرد کے درمیان ان کے لباسوں کی قرمزی اور نقرئی
جھلکیاں دیکھنے کے قابل ہوتیں۔ جب تیمور مسجد سے نکل کر اس کی بلند محراب کے نیچے
بالائی سیڑھی پر کھڑا ہوتا اور علماء اس کی تعریف و توصیف کرتے اور گداگر اس سے بھیک
مانگتے ہوتے تو سمرقند کے باشندوں کی ہمت نہ پڑتی کہ داد خواہی کے لئے اس کے سامنے
پیش ہوں۔ وہ جانتے تھے کہ امیر صرف ان لوگوں کی باتیں صبر و تحمل سے سنتا ہے جنہوں
نے جنگی خدمات انجام دی ہوں۔ اگر ایک شہری دوسرے کے خلاف انصاف طلب ہوتا تو
ان میں سے ایک کا سر آناً فاناً اڑ جاتا۔

اہل سمرقند کو تیمور کی بہو خان زادہ کے ورد سمرقند کی تقریب برسوں یاد رہی۔ اورگنج
کے ترجمان بادشاہ کی بیٹی کی پذیرائی انتہائی شان و شوکت سے کی گئی تھی۔ مغربی دروازے کا
خیاباں قالینوں سے ڈھکا ہوا تھا اور تیمور کے معسکر کے فرش پر کمخواب اور اطلس کے تھان
بچھے ہوئے تھے۔ اس کے استقبال کے لئے مملکت کے وزیر و امیر، تواچی اور علم بردار شاہی
چتر کھولے، سجے ہوئے گھوڑوں پر سوار، دور تک گئے تھے۔ شہزادی سفید اونٹ پر شغدف
میں بیٹھی تھی۔ چہرے پر نقاب تھا۔ اردگرد شہسواروں کے دستے اور گھوڑوں اور اونٹوں کی
قطاریں تھیں جن پر جہیز کا سامان لدا ہوا تھا۔

اس روز غروب آفتاب کے بعد ہوا خیموں کو لوریاں دیتی معلوم ہوتی تھی۔ درختوں میں
لٹکی ہوئی قندیلیں رنگارنگ پھولوں کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ صندل کی خوشبو خیموں کی
چوبوں کے قریب سے اٹھ اٹھ کر چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ تیمور مہمانوں کی قطاروں
کے درمیان پھر رہا تھا اور اس کے غلام مہمانوں کی دستاروں پر ہیرے جواہرات نچھاور
کر رہے تھے۔

وقائع نگار لکھتا ہے: "ہر شے مسرت افزا تھی۔ غم و اندوہ کا کہیں گزر نہ تھا۔ بڑے
خیمے کی چھت گیری آسمانی رنگ کی تھی جس میں ٹکے ہوئے ہیروں کی چمک دمک ستاروں
کے دمکنے کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ حجلہ عروسی پر زر بفت کا پردہ پڑا تھا اور اس کی سیج قاف
کی شہزادی قدسیہ کی سیج سے بھی زیادہ دلکشی و رعنائی لئے ہوئے تھی۔"

خان زادہ جو جہیز اور تحائف لائی تھی، وہ حسب دستور سب کو دکھائے گئے۔ تیمور نے
متصل خیمے میں وہ تحائف بھی سجا کر رکھوائے جو جہانگیر کی طرف سے دلہن کو دیئے گئے

تھے۔ زریں کمربند' زر و جواہر' لعل و گہر' مشک و عنبر' اطلس و کمخاب' ململ کے تھان' بڑ
قیمت لبادے' عمدہ گھوڑے اور حسین و جمیل کنیزیں۔ وقائع نگار ان کی تفصیل پیش کر
اور ان کی تعریف میں رطب اللساں رہنے کے بعد لکھتا ہے کہ یہ تحائف تعداد میں اتنے
زیادہ تھے کہ ان سے ہر روز ایک نیا خیمہ سجایا جاتا۔

اس رات جب تیمور نے جہانگیر اور خوارزم کی سیاہ بالوں والی حسین شہزادی کو دیکھا
ہوگا تو کیا اسے وہ رات یاد نہ آئی ہوگی جب الجائی دلہن بن کر طبل اور نقاروں کی آواز
سے گونجتے ہوئے معسکر میں اس کے پاس پہلی بار آئی تھی اور کیا اسے یہ بھی یاد نہ آیا ہو
کہ جب ایک روز صحرا میں وہ اس کے ساتھ پا پیادہ چل رہا تھا تو الجائی نے مسکرا کر کہا تھا
"میرے سرتاج! اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج آپ پیدل چل رہے ہیں
"

مگر خان زادہ کا مقدر الجائی سے کہیں اچھا تھا۔ وہ جہانگیر کی بیوی تھی جو ایک فاتح کا
بیٹا تھا اور جس کا اپنا دربار تھا۔ خوبرو خان زادہ تیمور کے منہ پر جو چاہتی بے دھڑک
دیتی' چاہے اس کی بات پر تیمور کو غصہ ہی کیوں نہ آجائے۔ ایک مرتبہ اس نے تیمور
تیوری پر بل دیکھ کر کہا تھا: "اے امیر! فاتح کو چاہئے کہ شاہ و گدا سب کو بخش دے ا
جب وہ کوئی غلطی کریں تو معاف کر دے' اس لئے کہ جب دشمن معافی کا خواستگار ہو تو
دشمن نہیں رہتا۔ اسی طرح جب فاتح کسی کو کوئی شے بخش دیا کرتا ہے تو اس سے اس
بدلہ نہیں چاہا کرتا۔ وہ نہ کسی ایک آدمی کی دوستی کا محتاج ہوتا ہے' نہ اس کا غضب
ایک دشمن پر نازل ہوتا ہے' اس لئے کہ سبھی اس سے کمتر ہوتے ہیں اور اسے سب
اختیار حاصل ہوتا ہے۔"

"نہیں دختر نیک اختر۔" تیمور نے جواب میں اسے اطمینان دلایا تھا۔ "جو تم سمجھ
ہو وہ بات نہیں ہے۔ امیر' وزیر' سردار اور شہزادے تو میرے حضور دست بستہ کھڑے ر
ہیں۔ اس وقت تو ایک گدائے گوشہ نشیں کی کسی بات نے مجھے تردد میں ڈال رکھا ہے۔

تیمور کو خان زادہ کی حاضر جوابی اور ذہانت پسند تھی' گو وہ جانتا تھا کہ شہزادی اپنے
قبیلہ ترکمانوں کی خطائیں بخش دینے کی سفارش کرتی رہتی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ جہانگیر
خان زادہ کی پہلی اولاد نرینہ ہو۔

خود اس نے امیر حسین کی بیوہ سرائے خانم سے شادی کرلی تھی۔ مغلوں میں یہ
رسم تھی کہ جب کوئی بادشاہ یا سردار قتل ہو جاتا تو اس کی بیوی فاتح کے حرم میں داخل

جاتی' اور سرائے خانم کی رگوں میں تو چنگیز خانی خون بھی تھا۔

وہ حقیقی معنوں میں اس کی شریک زندگی اور حرم سرا کی حقیقی ملکہ تھی۔ جب تیمور
میدان جنگ میں ہوتا تو دربار اسی کی تعظیم بجا لاتا۔ وہ سپہ گروں کے خاندان سے تھی اور
اکثر شکار میں تیمور کے ساتھ ہوتی تھیں۔ تیمور سے اس کی وفاداری مسلم تھی اور یہی
وفاداری تیمور کے بیٹوں اور پوتوں کی وفاداری کی بنیاد تھی۔

تیمور سمرقند میں بہت کم نظر آتا مگر سانڈنی سواروں یا سرحدی دستوں کے قاصدوں کے
ذریعے اس کی خبر دارالسلطنت میں ہر روز پہنچ جاتی تھی۔ جب کوئی شہر یا ملک فتح ہوتا تو
تاوان لانے والے دستے سمرقند پہنچ کر جنگ کے حالات بھی سناتے۔ ماوراء النہر میں اب
امن و سکون کا دورہ دورہ تھا۔ تیمور ہر سال مغرب کی طرف' خراسان کی تاریخی شاہراہ پر'
نیشاپور سے گزر کر مشہد کی زیارت گاہوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا' بحیرۂ خزر کے کنارے جا
پہنچتا۔ ایک دفعہ سمرقند میں یہ خبر پہنچی کہ اس نے اس سرداری قوم کو نیست و نابود کر دیا
جس نے عرصے سے لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔

اس کی شمالی مہم کے متعلق لوگوں کو بہت کم باتیں معلوم ہو سکی تھیں۔ اب معلوم ہوا
کہ اس مرتبہ وہ جتہ مغلوں کے صدر مقام سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ سمرقند کی کارواں
سراؤں میں اس وسیع و عریض صحرا ----- گوبی ----- کے قصے سنائے جانے لگے جہاں ریت
کے تودے چلتے نظر آتے تھے۔ قمرالدین وہ آخری مغل بادشاہ تھا جسے تیمور کے مقابل رزم
آرا ہونے کی ہمت ہوئی۔ مگر تیمور نے اس کا زور توڑ دیا۔ اور تو اور اس کا گھوڑا تک چھین
لیا گیا تھا اور اسے جان بچانے کے لئے پیدل بھاگنا پڑا تھا۔

تیمور نے اس فتح کے بعد جہانگیر کو کہلا بھیجا: "پہلے ہم نے صرف چنگاریاں بجھائی تھیں
مگر اب کے آگ بالکل ہی سرد کر دی ہے۔"

جب وہ خطا کی شاہراہ پر ایک ہزار میل کی مسافت طے کرکے لوٹا مگر وہ سیاہ لباس پہنے
ہوئے تھے اور گم سم تھے۔

امراء کی ایک جماعت سیف الدین کی پیشوائی میں تیمور کے سامنے حاضر ہوئی۔ سب
نے کپڑوں پر خاک ڈال رکھی تھی۔ انہیں اس حال میں دیکھ کر تیمور نے اپنے گھوڑے کی
باگ کھینچ لی۔ سیف الدین گھوڑے سے اتر کر سر جھکائے تیمور کی طرف پاپیادہ بڑھا اور اس
کی رکاب تھام لی۔

"کیا تم خوف زدہ ہو؟" تیمور نے پوچھا' پھر کہا: "بولو سیف الدین!"

سیف الدین نے آہستہ سے کہا: "میں خوف زدہ تو نہیں ہوں مگر نوجوان شہزادہ' جس

کی ابھی چڑھتی جوانی تھی' اس نازک پھول کی طرح آپ سے چھین لیا گیا جو باد تند
جھونکوں سے ٹہنی سے گر جاتا ہے۔"

جہانگیر کی بیماری کی خبر تیمور کو نہ دی گئی تھی۔ وہ باپ کے وطن واپس آنے سے
ہی روز قبل مرا تھا۔ سیف الدین شہزادے کا مشیر بھی تھا' وہی امیر کو اس کی سناونی د
سکتا تھا۔

تیمور لمحہ بھر خاموش رہا' پھر سیف الدین سے کہا: "جاؤ! اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ
جب بوڑھا سیف الدین اپنے گھوڑے پر بیٹھ چکا تو فوج کو روانگی کا اشارہ دیا گیا۔
آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھی کیونکہ شہزادے کی موت کی خبر آناً" فاناً" پوری فوج
پھیل گئی تھی۔ فاتح فوج سمرقند میں یوں داخل ہوئی۔

رات کو تیمور نے جہانگیر کے طبل اور نقارے اپنے سامنے منگوا کر ٹکڑے ٹکڑے
دیئے تاکہ انہیں کوئی اور نہ بجا سکے۔ اس وقت ایک لمحے کے لئے تیمور کے دل میں در
ایک لہر اٹھی جس سے اس کے فولادی ہونٹ بھنچ گئے۔ اسے دنیا میں جہانگیر سے زیادہ
شے عزیز نہ تھی۔

سنہری غول (62)

اس دور کے واقعات کو صحیح پس منظر میں دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس سے سو
سال قبل کے واقعات کا جائزہ لیا جائے اور قوبلائی خاں بلکہ اس کے زمانے کے مغل یا
منگول (63) سلطنتوں پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔

چنگیز خاں نے اتنے جلد اتنا زیادہ علاقہ فتح کر ڈالا تھا کہ اسے تادیر زیر نگیں رکھنا کسی
ایک انسان کے لئے ممکن نہ تھا۔ یہ درست ہے کہ اس کا پوتا قوبلائی خان خاقان (64) یعنی
خان اعظم مانا جاتا تھا اور وہی چنگیز کی فرماں روا اولاد کا حکمران اعظم تھا مگر حقیقت میں وہ
صرف خطا کا حاکم تھا اور اپنے دارالسلطنت بالغ سے صحرائے گوبی' چین اور کوریا پر حکومت
کرتا تھا۔ دیگر علاقوں میں چنگیز کے اور پوتے آپس میں لڑ رہے تھے۔

یوں تو یہ جنگیں آپس کی لڑائیں تھیں مگر مسلسل جاری تھیں اور بڑی خونریزی تھیں
اور اکثر و بیشتر بے نتیجہ بھی رہتی تھیں' کیونکہ مغلوں کی بیشتر سلطنتیں برقرار تھیں اور شاہ
راہوں پر قافلے اور سفیر بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ شمال کی طویل شاہراہ جو ماسکو سے روم
تک سطح مرتفع سے گزر کر المالیق (65) اور وہاں سے صحرا کو عبور کرکے بالغ پہنچتی تھی'
اب بھی کھلی ہوئی تھی۔ قوبلائی خان کے ایک نسل بعد مشہور عرب سیاح ابن بطوطہ' جس
نے مارکو پولو سے کہیں زیادہ سیاحت کی' وہاں تک پہنچا۔ 1340ء مطابق 741ھ میں پاپائے
روم بنی دکت دوازدہم کے پادری بھی خطا کے خاقان کے دربار میں حاضر ہوئے اور المالیق
میں ایک عیسائی مشن بھی موجود تھا۔

مگر مغل سلطنتوں کے سلسلے کی ایک کڑی ٹوٹ چکی تھی۔ جنوب مغرب میں ایل خانی
بیت المقدس سے لے کر ہندوستان تک کے علاقے پر حاکم چلے آرہے تھے۔ ایل خانی
بادشاہوں کے درباروں میں 1305ء مطابق 705ھ تک مغربی ممالک کے سفر آتے رہے۔
انگلستان کے ایڈورڈ اول' ارغون (اسپین) کے جیمز دوم' قسطنطنیہ کے یونانی قیصر اور آرمینیا
کے حکمران کے سفیر "مغل خان اعظم" کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں اپنے
بادشاہوں کی طرف سے نذرانے پیش کیا کرتے تھے۔

مگر اس زمانے میں ایل خان عیش و عشرت میں پڑ کر کھوکھلے ہو چکے تھے۔ وہ ایرانیوں'

عربوں اور مصر کے مملوک بادشاہوں کے حملوں کی تاب نہ لا سکے چنانچہ ان کی مملکت
طوائف الملوکی پھیل گئی۔ انہی دنوں خطا کا مغل خاقان بھی چینیوں کے حملوں کی وجہ
چین سے نکلنے پر مجبور ہوگیا اور بالآخر اس کے پاس صرف اس کا وطن صحرائے گوبی رہ
چینی تہذیب نے وہاں کے مغلوں کو کمزور کر دیا تھا اور وہ جنگ کے وہ ڈھنگ بھی بھول
تھے جن سے فتوحات حاصل کرنے آئے تھے۔ چنانچہ سراسیمہ ہوکر دیوار چین کی پشت
ہٹ آئے۔ کبھی کبھی لوٹ مار ضرور کرنے لگتے مگر وہ بات پھر کبھی نصیب نہ ہوئی
شاہراہوں پر فاتح بن کر دندناتے پھرتے تھے۔

مغلوں کی سب سے چھوٹی شاخ جتہ مغلوں کی تھی۔ یہ چنگیز خاں کے منجھلے بیٹے چغ
کی اولاد تھے۔ امیر قزغن نے ان کی مملکت کا شمالی حصہ، جو سمرقند کے اردگرد تھا، ان
چھین لیا تھا۔ اب 1375ء مطابق 777ھ میں امیر تیمور نے انہیں ان کے وطن، یعنی الما
کے اردگرد کے پہاڑوں سے بھی نکال دیا۔

اس مہم میں تیمور محض شمالی پہاڑوں کی محکم دیوار سے آگے نہیں نکل گیا بلکہ وہ ا
کی صدیوں پرانی اس تجارتی شاہراہ پر بھی قابض ہوگیا جس سے ایشیا کا مال تجارتی یور
جاتا رہا تھا۔ اسے شاید معلوم بھی نہ تھا اور ممکن ہے اپنی مہم کے اس نتیجے کا شعور بھی
ہو کہ اس نے شمالی ایشیا سے ہونے والے حملوں کا ہمیشہ کے لئے سدباب کر دیا ہے۔
ترک اور مغل، سب اسی شمالی سطح مرتفع کے تھے اور تیمور کی رگوں میں بھی انہی کا خ
تھا، گویا وہ اپنے ہم نسب قبیلوں پر غالب آیا اور چنگیز کی متمدن اولاد نے اس کی بربر
پسند اولاد کو صحرا کے اندرونی حصوں میں دھکیل دیا۔

1370ء تا 1380ء (مطابق 772ھ تا 782ھ) کے عشرے میں مغل مملکت کا تین چو
حصے نقشے سے غائب ہو چکا تھا اور تجارتی راستے بھی بند ہو چکے تھے۔ مگر جو چوتھائی
مغلوں کے پاس رہ گیا تھا، وہ ابھی تک نہایت محکم تھا۔ اسی کو سنہری غول کا علاقہ کہتے
اور یہ تیموری قلمرو سے شمال اور مشرق کی جانب واقع تھا۔

سنہری غول کی اس سلطنت کی ابتداء چنگیز خاں کے بڑے بیٹے جوجی خاں نے کی
اسے سنہری غول کا نام اس لئے دیا گیا کہ جوجی خاں کا بیٹا یاتو خان اعظم اپنے خیمے پر س
کپڑا منڈھا کرتا تھا۔ مغل خاندان کی یہ شاخ پھلتی پھولتی رہی۔ روس اور وسطی ایشیا
وسیع ویران مرتفع علاقے اس کی جولان گاہ تھے اور یہ ان میدانوں میں خانہ بدوشی کی زن
بسر کرتی اور اپنی روزافزوں دولت کے بل پر ڈیڑھ سو سال تک یورپ کو تنگ کرتی رہی۔

تیمور کی پیدائش کے وقت سنہری غول کی قوت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ کھلے میدانوں
کی زندگی، لوٹ مار اور جنگ و جدل نے ان خانہ بدوشوں کو ذہنی و جسمانی طور پر خوب
مضبوط اور تندرست و توانا بنا رکھا تھا۔

یہ ٹنڈرا کے برف پوش میدانوں میں پھرتے رہتے تھے۔ عورتیں اور بچے بند بیل
گاڑیوں میں بیٹھے رہتے اور مرد گھوڑوں پر سوار ساتھ ساتھ سفر کرتے۔ جب کسی مقام سے
روانہ ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے ایک پورا شہر سفر میں ہے۔ چلتی گاڑیوں میں خورد و نوش
کا انتظام ہوتا رہتا او چولہے جلتے رہتے۔ نمدے کی گنبد دار مسجدیں بھی انہی گاڑیوں پر رکھی
ہوتیں۔ یہ لوگ کبھی کبھی شمال میں بہت دور تک نکل جاتے اور ایسے علاقوں میں چوبی
قلعوں میں قیام کرتے جہاں نیلے نیلے درختوں کے جنگل چراگاہوں کی حد فاصل بنے ہوتے
تھے (67)۔

ان کا مذہب غیرواضح سا تھا کیونکہ ابھی ان میں بت پرستی باقی تھی۔ ملاؤں کے ساتھ
ساتھ لمبے بالوں والے شامان بھی بت کمر میں لٹکائے بیٹھے رہتے اور مداریوں کے ریچھ
مسجدوں کی گاڑیوں کے نیچے ہی سوتے۔ ان کے پاس لاتعداد گھوڑے ہوتے تھے اور ان کی
بھیڑوں کی تعداد رکھوالی کرنیوالے کتوں کی تعداد پر قیاس کی جا سکتی تھی۔

ان میں صرف حکمران خاندان مغل تھے، باقی اس شمالی علاقے کے کثیرالنسل باشندے
تھے جسے دنیا "سرزمین آسیب" کہا کرتی تھی۔ ان کے نام بھی عجیب ہوتے تھے۔ جیسے قپچاق
(صحرائی)، تنقلی (اونچی گاڑی)، قازق، قرغیز، مردوا، بلغار اور آلان۔ ان میں بیرونی دنیا کے
جپسی (جہاں گرد) اور جنوآئی بھی تھے، جو یورپ سے تاجر بن کر جہاں گردی کرنے نکل
آئے تھے۔ ان لوگوں کے علاوہ ان خانہ بدوشوں میں کچھ ارمنی اور روسیوں کی بہت بڑی
تعداد بھی شامل تھی۔ تاہم ترک اور تاتاری سب سے زیادہ تھے اور آسانی اسی میں ہے کہ
ان سب کو سنہری غول کہہ دیا جائے۔

یہ تیموری تاتاریوں کے چچیرے بھائی تھے۔ وہی ترچھی آنکھیں، چھدری ڈاڑھیاں،
انہیں کی طرح متلون مزاج، عصبی اور قبضہ جمانے کے عادی۔ سمور کی کھالیں اور ریشمی
صدریاں پہنتے تھے اور ان کی زرہ بھی اعلیٰ قسم کی ہوتی تھی مگر بربریت میں ہم عصر روسیوں
سے کم تھے۔ سکے بھی ڈھالتے تھے مگر صرف اس لئے کہ روسی ان سکوں میں انہیں خراج
ادا کرسکیں۔ روسیوں کو گننے کی کلیں بھی دیتے تھے تاکہ رقم کی صحیح ادائی ہو، اور کاغذ بھی
بناتے تھے تاکہ اس پر روسی والیان ریاست سے کئے ہوئے معاہدے لکھے جا سکیں۔

یہ لوگ روس پر اپنے دور دراز ملک سے حکومت کرتے تھے جس کے سرزمین
سے قریب ترین شہر سرائے اور استراخان تھے جو دریائے والگا (68) کے کنارے واقع
روسی والیان ریاست خراج اور تحائف لے کر ان شہروں میں حاضر ہوتے تھے۔ یہ
روس کی حدود میں صرف ان موقعوں پر داخل ہوتے جب خراج کی ادائیگی میں کوتا
جاتی۔ اس وقت روس میں خون کے دریا بہتے' آگ ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی او
چیز حملہ آوروں کو پسند آجاتی وہ ان کی خرجیوں میں چلی جاتی۔

جنوبی یورپ کا سیاسی توازن ان کے ہاتھ میں تھا۔ کچھ عرصہ پہلے یہ ایک خان کی ت
میں پولینڈ کے وسط تک بھی جا پہنچے تھے۔ اس خان نے ایک یونانی بادشاہ کی لڑکی سے ش
کر رکھی تھی۔ سرائے کے مقام پر وینس اور جنوآ کے صنعت کاروں کے گماشتے پہنچا ک
تھے جن کے تجارتی اڈے پوری مغل مملکت میں تھے۔

روس میں ان کی طاقت پر صرف ایک بار کاری ضرب لگائی گئی تھی۔ یہ وہ موق
جب والی ماسکو دمتری ان کے مقابلے کے لئے ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر میدان میں نکلا تھا
اس نے دریائے ڈان کے کنارے پر سنہری غول کے سردار ممائی کے مقابل اپنے علم
کرکے اسے شکست دی تھی۔ روسیوں کے لئے یہ دن بڑی خوشی کا دن تھا۔ مگر یہ خوشی
ثابت نہ ہوئی اور بہت جلد یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ "ہم' جنہوں نے تلوار اٹھائی' اپ
واجداد سے زیادہ نقصان میں رہے' جو اپنی گردنیں جھکائے رہتے تھے۔"

ان دنوں اتفاق ایسا ہوا کہ سنہری غول کا ایک شہزادہ توقتمش' جو کریمیا (69) کا حکم
تھا' اپنی قوم سے خفا ہو کر اس سے علیحدہ ہوگیا اور تیمور کے پاس پناہ لی۔ اس کے پیچھے پی
سفید گھوڑے پر سوار ایک مغل سردار سنہری غول کے ایلچی کی حیثیت سے سمرقند پہنچا
اس نے تیمور سے کہا: "اے تیمور لنگ (70) ارس خان نے' جو حاکم شرق و غرب اور
غول اور سفید غول کا خاقان' نیز آقائے صبیر بھی ہے' یہ پیغام بھیجا ہے کہ توقتمش
میرے بیٹے کو قتل کیا ہے اور تمہارے پاس پناہ لی ہے۔ تم اسے میرے حوالے کر دو
میں تم سے جنگ کروں گا' جس کے لئے بہت جلد ایک میدان جنگ انتخاب کیا جائے گا۔"

تیمور تو چاہتا ہی تھا کہ جنگ ہو۔ وہ سنہری غول کے مفتوحہ علاقوں (اور قبائل)
سے بعض پہلے ہی فتح کر چکا تھا' اس لئے تصادم ناگزیر تھا۔ چنگیز خان کی اولاد میں سے ا
شہزادے کا اس کے دربار میں موجود ہونا اس کی خوش قسمتی تھی مگر یوں بھی تیمور کسی
آدمی کو اس کے دشمن کے حوالے نہ کرتا جس نے اس کے پاس پناہ لی ہوتی۔ اس نے

کو جواب دیا کہ "توقتمش نے میرے پاس پناہ لی ہے۔ میں اسے تمہارے ظلم سے بچاؤں
گا۔ ارس خان سے کہہ دو کہ ہم نے اس کا پیغام سن لیا ہے اور ہم جنگ کرنے کو تیار
ہیں۔"

اس نے توقتمش کے اعزاز میں ایک ضیافت کی اور اسے بیٹا کہہ کے مخاطب کیا۔ پھر
شمالی سرحد کے دو قلعے اس کے حوالے کئے اور ضرورت کے مطابق افسر اور سپاہی بھی
دیئے۔ یہ دونوں قلعے مغلوں ہی سے چھینے گئے تھے۔ اس کے علاوہ تیمور نے اسے ہتھیار' زر
وجواہر' اونٹ' گھوڑے' خیمے' نقارہ' طبل اور علم بھی دے دیئے۔

توقتمش یوں کیل کانٹے سے لیس ہو کر شمال کی طرف بڑھا مگر سنہری غول نے اسے بری
طرح شکست دی۔ تیمور نے اسے دوبارہ مسلح کرکے بھیجا مگر وہ اب کے بھی بھاگنے پر مجبور
ہوا اور تیمور کے خاص گھوڑے جنگ اولغن پر بیٹھ کر جوں توں دریائے سیر عبور کر سکا۔
چونکہ زخموں سے چور تھا' جنگل میں چھپ گیا۔ تیمور کا ایک برلاس سردار' جس نے اسے
دیکھ لیا' توقتمش کو تیمور کے دربار تک لایا۔ مگر پھر یک بہ یک اس کی قسمت پلٹ گئی۔

ارس خان مرگیا۔ توقتمش نے فوراً سنہری غول کی سرداری کا دعویٰ کردیا۔ آدھے کے
قریب قبیلے اس کے طرفدار بن گئے۔ مزید برآں اسے تیمور کی حمایت بھی حاصل تھی۔ چنانچہ
جنگ ہوئی تو وہ فتوحات حاصل کرنے لگا مگر چونکہ بڑا ظالم' سرکش اور سفاک انسان تھا'
مغلوں کی مملکت پر کالی آندھی کی طرح چھایا اور انسانوں کے لئے ایک عذاب بن گیا۔ اس
نے سنہری غول کے خاقان ممائی کو سرائے سے نکال باہر کیا اور تخت پر قابض ہوگیا۔

اب اس نے روسی والیان ریاست سے خراج کا مطالبہ کیا مگر وہ دو سال قبل کی فتح
کے گھمنڈ میں تھے اس لئے خراج دینے سے انکار کردیا۔ توقتمش نے انہیں زیر کیا اور جلتی
ہوئی آبادیوں سے گزر کر انسانی خون سے لالہ زار بنی ہوئی زمین پر دندناتا ہوا ماسکو جا پہنچا۔
دھوکے سے شہر فتح کرلیا اور اسے نذر آتش کرکے روسی شہنشاہ کو ہاتھ ملتا چھوڑ آیا۔ روسی
والیان ریاست کے بیٹے توقتمش کے دربار میں پابجولاں لائے گئے' اور وینس اور جنوآ کے
امرا تجارتی مراعات کی درخواستیں پیش کرنے حاضر ہوئے۔

اس کے بعد حالات نے ایک اور پلٹا کھایا' توقتمش نے جو سنہری غول کا خاقان بن چکا
تھا' تیمور پر ہاتھ صاف کرنے کی ٹھانی۔ وہ وقت تو بھول گیا جب فرار ہو کر تیمور کے پاس پناہ
لی تھی' البتہ سمرقند کی جو شان و شوکت اور تاتاریوں کے جو جگمگاتے ہوئے خیمے دیکھ گیا تھا'
ان پر رال ٹپکنے لگی۔ احسان مند ہونا تو خیر اس کی سرشت ہی میں نہ تھا مگر جنگی آداب بھی

بالائے طاق رکھے اور بلا اطلاع ہی تیمور پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعض امرا نے اسے اس
اقدام سے روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ تیمور نے تمہاری مدد کی تھی' کیا خبر تمہار
حالات پھر خراب ہو جائیں اور تمہیں اس کی امداد کی پھر ضرورت پڑ جائے۔

مگر تو قتمش کو تو اپنی کامیابی کا یقین تھا' وہ ان امرا کی کیوں سنتا۔ اس کے علاوہ
نے جس اور گنج پر قبضہ کر رکھا تھا وہ کسی زمانے میں سنہری غول کی مملکت سمجھا جاتا
تو قتمش یہ علاقہ بھی تیمور سے چھیننا چاہا تھا۔ چنانچہ اس قسم کی پوری احتیاط اور تیاریوں
بعد جو اسکی قومی روایات میں شامل تھیں' تو قتمش مملکت تاتار پر جھپٹا۔ تیمور اس و
بحیرۂ خزر کے قریب جنگ میں مصروف تھا۔ سنہری غول کے کچھ دستے تاتار میں نمودار ہو
تو ایک تھکا ماندہ قاصد (جو بمشکل زین میں ٹکے رہنے کے قابل تھا کیونکہ سمرقند سے نو
میل کی مسافت سات دن میں طے کی تھی۔) تیمور کے پاس وہاں پہنچا اور یہ اطلاع دی
سنہری غول کی فوج کا اعظم الجیش دریائے سیر عبور کرکے ملک میں داخل ہو چکا ہے
سمرقند سے صرف چند دن کی مسافت پر ہے۔

تیمور فوراً خراسان کی شاہراہ پر روانہ ہوگیا اور اس سرعت سے راستہ طے کیا
تو قتمش کے سمرقند پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا۔ یہ درست ہے کہ راہ میں اس کے
شمار گھوڑے مرے مگر وطن کا تحفظ اس قیمت میں بہت ارزاں تھا۔

تیمور کے بہت سے قلعہ داروں نے حملہ آوروں سے لڑ کر انہیں روکنے کی کوش
کی۔ خود تیمور کا منجھلا بیٹا عمر شیخ بھی مغلوں کی راہ مین حائل ہوا مگر انتہائی بے جگری
لڑنے کے باوجود شکست کھائی اور اس کی سپاہ منتشر ہوگئی۔ تیمور کی آمد کی خبر پاکر مغ
فوجیں تباہی پھیلانے کا کام ادھورا چھوڑ کر منتشر ہوگئیں۔ انہوں نے بخارا کے مضافات
ایک محل کو آگ لگائی اور پھر دریائے سیر عبور کرکے شمال کی جانب لوٹ گئیں۔

مگر ان کے واپس چلے جانے سے یہ قضیہ ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ تیمور کے وطن پر
کیا گیا تھا' اس کی فصلیں روندی جا چکی تھیں اور گھوڑے اور انسان گرفتار کئے جا
تھے۔ پھر مغلوں کے قرنی علم نمودار ہوتے ہی بغاوت کے کئی اور علم بھی بلند ہوگئے تھے۔
اس سرزمین کا خاصہ تھا۔ تیمور کے بائیں طرف اورگنج کے صوفی' جو خان زادہ کے رشتہ
تھے' میدان میں نکل آئے تھے اور دائیں طرف جتہ مغل قبیلے بھی گھوڑوں پر زینیں کر
لوٹ مار میں مشغول ہوگئے تھے۔

اب وہ دور شروع ہو چکا تھا جس میں تیمور اور مغل خاقان کے درمیان حصول اقتد

کی آخری کشمکش ہونی تھی۔ ادھر تو قتمش تھا جو چنگیز کی اولاد اور خانہ بدوشوں کا سردار تھا
اور جس کی پشت پر تمام مغل اقوام تھی' ادھر تیمور تھا جو صرف ایک چھوٹے سے قبیلے کے
سردار کا بیٹا تھا اور جس کے ساتھ اس کے اپنے چند قبائل ہی تھے' البتہ وہ اس کی وفاداری
کا حلف ضرور اٹھا چکے تھے۔

تیمور نے تو قتمش سے ٹکر لینے کا فیصلہ کرلیا۔ مگر تو قتمش سطح مرتفع کے وسیع میدانوں
میں بڑی پھرتی سے اس طرح غائب ہوگیا جس طرح لومڑی جھاڑیوں میں غائب ہو جاتی ہے۔
اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کا آئندہ حملہ کس جگہ اور کس رخ سے ہوگا۔

تیمور نے اپنے ان تمام سرداروں کو اپنے سامنے بلایا۔ ان میں سے جنہوں نے مغلوں
کا مقابلہ کیا تھا مگر شکست کھائی تھی' پھر بھی جرات اور بہادری سے کام لیا تھا' ان کو
انعامات اور تحائف دیئے۔ جنہوں نے بزدلی دکھائی تھی انہیں سزائیں دیں۔ ایک سردار
دشمن کے سامنے سے بھاگ آیا تھا' اس کے بال عورتوں جیسے بنائے گئے اور منہ پر غازہ اور
سرخی مل کر زنانہ کپڑوں میں سمرقند کی گلیوں میں پھرایا گیا۔

ادھر تو قتمش جو غائب ہوگیا تھا' اچانک پھر ایک بہت بڑی فوج لے کر سیر کے علاقے پر
چڑھ آیا۔ اس وقت سخت ترین سردی پڑ رہی تھی۔ تیمور کی جگہ کوئی یورپی بادشاہ ہوتا تو
دارالسلطنت میں قلعہ بند ہو جاتا اور نواحی علاقوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا۔ مگر تیمور نے
کبھی ایسی تدابیر اختیار نہ کی تھیں جن سے اپنی جان بچ جائے' خواہ ملک دشمن کے ہاتھوں
تباہ ہو جائے۔ وہ تو قرشی کے دفاع کے موقع پر بھی قلعہ بند نہ ہوا تھا۔

اس وقت اس کے ساتھ فوج کا صرف ایک حصہ تھا' باقی فوج جتہ مغلوں کو مشرقی
دروں سے نکالنے کی مہم میں مصروف تھی۔ اس بلا کی سردی میں بہتر تو یہی معلوم ہوتا تھا
کہ تیمور سمرقند میں قلعہ بند ہوکر بیٹھ جائے اور تو قتمش کی فوجوں کو سردی سے مرنے دے
مگر تو قتمش اور اس کے سنہری غول کو ملک میں آزاد پھرنے دینا بھی تو ملک کو تباہ کرنا تھا۔
وہ شمال کے رہنے والے تھے' اس لئے برف و باراں کے عادی تھے' اور یہ اندیشہ بھی تھا کہ
صوفی اور جتہ خاں ان کے ساتھ مل جائیں گے' تیمور کے امیروں نے جنوب کی طرف پسپائی
کرکے منتشر فوجیں یکجا ہونے کا انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔

"انتظار؟" تیمور نے جوش میں آکر کہا: "کس بات کا انتظار؟ یہ انتظار کرنے کا وقت
نہیں ہے۔"

اس نے فوج کی کمان خود سنبھال کر اسے مختلف ٹکڑیوں میں بانٹا اور پھر علم بلند کرکے

سیر کی طرف روانہ ہوگیا اور برفباری اور بارشوں کے باوجود بڑھتا ہی چلا گیا۔ بعض جگ
گھوڑے پیٹ تک کیچڑ اور دلدل میں دھنس دھنس گئے، مگر تیمور نے رکنے کا نام نہ لیا، ا
جوں ہی سنہری غول کی بیرونی چوکیوں تک پہنچا ان پر حملہ کر دیا۔ اس کے سپاہی دشمن ـ
سواروں کے بیچ میں سے گزر کر اس کے قلب کے لشکروں تک جا پہنچے۔ تیمور نے اپنی فو
کو اس طرح ترتیب دیا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑی فوج کا مقدمتہ الجیش ہے۔

جب توقتمش نے دیکھا کہ تیمور گھیرا ڈال کر عقب سے حملہ آور ہو رہا ہے تو اسے یقی
ہوگیا کہ تیمور کی حملہ آور فوج کی پشت پر ایک اور بہت بڑی فوج بھی ہے۔ وہ اتنے سخ
موسم میں شمالی راستوں سے منقطع نہ ہونا چاہتا تھا اس لئے اسی وقت پسپائی شروع کر د
اور تیمور نے اپنے دستوں کو تعاقب کرنے کا حکم دے کر یہ ہدایت کر دی کہ اس کا پیچھا
چھوڑیں۔

پھر جب موسم بہار میں سڑکیں خشک ہوئیں تو اس نے اپنی پوری فوج لے کر پیش
قدمی شروع کی۔ سب سے پہلے مغرب کی سمت بڑھ کر صوفیوں کو نشانہ بنایا اور آورگنج
محاصرہ کرلیا۔ اس دفعہ شخصی مبارزت کا نہ کوئی موقع تھا نہ اسے اس قسم کی باتیں کر
تھیں۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور محلات اور مریض خانوں تک کو زمین ـ
برابر کر دیا گیا۔ جب تیمور وہاں سے چلا اس وقت شہر کے کھنڈر جلے ہوئے انسانی پنجرو
سے پٹے پڑے تھے۔ جو شہری زندہ بچ رہے انہیں تیمور سمرقند لے آیا۔

اب وہ جتہ مغل قبائل کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں مارتے مارتے المالیق تک پہنچا د
تاکہ آئندہ سرحدوں پر فتنہ برپا کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔

جب تیمور ان دو دشمنوں کو تہس نہس کر چکا اور اس کے دائیں بائیں علاقے محفو
ہوگئے تو اس نے توقتمش سے دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھانی، اور سنہری غول کی فوجوں کا انتظ
کرنے کے بجائے خود آگے بڑھ کر ان پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے اپنی فوج ک
سمرقند کے باہر میدان میں جمع کرکے اس کا معائنہ کیا اور پھر اسے بتایا کہ اس نے ارادہ ک
ہے۔ وہ شمال کی جانب سنہری غول کے علاقے میں گھس کر توقتمش سے نبرد آزما ہونا چاہ
ہے!!!

بالائے سطح مرتفع کا راستہ (71)

اب تیمور نے یہ فیصلہ کرنے کو تو کرلیا مگر اس پر عمل کرنا قطعی اور یقینی موت کو دعوت دینا تھا۔ اس کے چار سو سال بعد نپولین نے جب یہی کیا تو گو وہ ماسکو تک پہنچ گیا مگر اس کی فوج، جو لشکر عظمیٰ کہلاتی تھی، پولینڈ اور روس کی برف باری کی تاب نہ لاسکی اور اس کا بیش تر حصہ ان برفانی میدانوں میں کھیت رہا۔

تیمور کو ابھی تک سنہری غول کا میدان جنگ میں مقابلہ کرنے کا اتفاق تو نہ ہوا تھا مگر اسے معلوم تھا کہ توقتمش کی فوج تعداد میں اس کی فوج سے بہت زیادہ ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ چونکہ توقتمش کے پاس بے شمار گھوڑے ہوں گے اس لئے اسے نقل و حرکت میں بھی زیادہ آسانی رہے گی۔ پھر یہ بھی تھا کہ تیمور کی فوج اسی صورت میں زندہ رہ سکتی تھی جب گھوڑوں کے لئے چارہ اور آدمیوں کے لئے پانی ملتا رہے، مگر سنہری غول اس علاقے میں نسلوں سے رہتے سہتے آرہے تھے، اس لئے وہاں ہر حال میں زندہ رہ سکتے اور لڑبھڑ سکتے تھے۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ تیمور ہر قدم سوچ سوچ کر اٹھائے۔

شمال میں ریت کے تودوں اور غیر آباد پہاڑیوں میں انسانی ضرورت کی کوئی شے مہیا نہ ہو سکتی تھی۔ ظاہر تھا کہ لڑائی ایسے علاقوں میں ہوگی جہاں عقب میں بنجر زمینوں کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ فوج کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دو تین ہی مہینے کا سامان خورد و نوش لے جایا جا سکتا تھا۔ گویا شکست کے معنی ہوں گے مکمل تباہی، بلکہ خود تیمور کا زندہ بچ نکلنا بھی مشکل ہوگا۔

1716ء میں پیٹر اعظم نے خیوہ اور ترکمانوں پر حملے کے لئے جو روسی فوج روانہ کی اس کا سرکیشیائی سپہ سالار شہزادہ بیکووچ صحرا ہی میں مرگیا۔ اس کی فوج کے اکثر افراد بھی یا تو مارے گئے یا بھوک پیاس سے مرگئے۔ اور باقی ماندہ غلام بنا لئے گئے۔ اس کے سو سال بعد ایک اور فوج کاؤنٹ پیرو وسکی کی کمان میں روانہ کی گئی۔ اس کے لئے وافر پانی کی فراہمی کے پورے انتظامات کئے گئے تھے مگر اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ دس ہزار اونٹ، اتنی ہی گاڑیاں اور بیش تر فوج اس خشک صحرا ہی میں مرگئی، اور جو زندہ بچ گئے انہیں واپس آنے میں ایک سال لگا۔ ایشیا کے یہ غیر آباد صحرا، فوجی نقطہ نظر سے آج بھی ناقابل تسخیر ہیں۔

تیمور اس صحرا کا چکر کاٹ کر بھی نہ جا سکتا تھا البتہ مغرب کے رخ سے سنہری غول کے شہروں پر حملہ کرسکتا تھا۔ مگر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ابھی صحرا ہی میں ہو اور تو تمش دوسرے رخ سے بڑھ کر سمرقند پر قبضہ کرلے۔ پھر یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ جنگ کہاں کرے گا۔ سرحدی صحراؤں کے عین سرے پر یا ڈیڑھ ہزار میل دور بحیرۂ اسود کے کنارے پر یا اور اوپر بحیرۂ بالٹک کے ساحل پر یا طلوع آفتاب کی سمت صحرائے گوبی میں۔ اور ہوا یہ کہ تو تمش ایک بالکل ہی غیرمتوقع مقام پر نمودار ہوا۔ اس وقت تیمور کی حالت یہ تھی کہ اس کا سامان خورد و نوش ختم ہو چکا تھا' خبر رسانی کے وسائل اس سے پہلے بیکار ہو چکے تھے اور اس کی فوج سنہری غول کے قرنی علم نمودار ہونے سے پہلے راستہ گم کر چکی تھی۔

غرض فوجی تزویرات کے تمام اصولوں کے مطابق تیمور شکست اور موت کو دعوت دے رہا تھا مگر اس کے باوجود اس کا اقدام تھا بالکل صحیح۔ وہ غیرضروری مردانگی کا مظاہرہ نہیں کررہا تھا بلکہ انسانی فطرت کو سمجھنے کا جو ملکہ اسے حاصل تھا اس سے کام لے رہا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ تو تمش چند سال اس کے دربار میں رہا تھا۔ ان دنوں وہ دو بار میدان جنگ سے بھاگ آیا تھا۔ تیمور مغلوں کی فطرت نیز ان کی خوبیوں اور خامیوں سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تاتاری' مغلوں کے مقابلے میں' جن کی گھڑ سوار فوج دنیا میں لاثانی ہے' دفاعی جنگ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور جب تک شمال میں تو تمش طاقتور ہے۔ سمرقند خطرے میں ہے۔ چنانچہ سنہری غول کے علاقے میں گھس کر فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے سب کچھ خطرے میں ڈالنے پر آمادہ ہوگیا۔ ادھر تو تمش کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ ہو سکتی تھی کہ تیمور وہاں پہنچ کر جنگ لڑے گا' اور تیمور یہ چاہتا تھا کہ اسے اچانک جالے اور دفاع پر مجبور کر دے جس میں مغل لڑائی ہار بیٹھتے تھے۔

اس سے یہ بات عیاں ہے کہ تیمور تمام زندگی تین اصولوں پر عامل رہا: (1) اپنے ملک کو کبھی میدان جنگ نہ بنایا جائے۔ (2) دفاعی جنگ سے احتراز کیا جائے۔ (3) گھوڑوں کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار سے دوڑا کر زیادہ سے زیادہ سرعت سے حملہ کیا جائے۔ اس نے ایک بار کہا: "صحیح مقام پر صرف دس آدمی لے کر پہنچ جانا اس سے کہیں بہتر ہوتا ہے کہ دس ہزار فوج کمان میں ہو مگر موقع پر نہ پہنچے۔"

اسی طرح اس نے ایک بار یہ بھی کہا کہ "دشمن کے اپنی پوری طاقت جمع کرنے سے پہلے ہی اس پر حملہ کرکے اس کی گردن توڑ دینی چاہئے اور جتنی فوج کی رسد کا کوچ کے دوران میں انتظام ہو سکتا ہو اس سے زائد ایک بھی آدمی ساتھ نہ لے جانا چاہئے۔"

دریائے سیر تک کا علاقہ تیموری سپاہیوں کا دیکھا بھالا علاقہ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کوچ کرتے ہوئے سلسلہ کوہ قراتاغ کے قلعوں کو یکے بعد دیگرے سر کرتے چلے گئے۔ فروری کے اواخر میں برفباری اور بارش کی شدت کی وجہ سے ایک مقام پر رک گئے۔ یہاں تو تمش کے ایلچی پہنچے اور نو نفیس گھوڑے اور ایک شکرا' جس کی آنکھوں پر یاقوت کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں' بطور تحائف پیش کرکے کہا کہ تو تمش اپنی سابقہ غلطیوں پر نادم اور صلح کا خواہش مند ہے۔

مگر یہ سب حیلہ سازی تھی اور تیمور بھی سمجھ گیا کہ حیلہ سازی کی جارہی ہے۔ چنانچہ اس پیغام کو کچھ اہمیت نہ دی۔

اس نے جواب میں ایلچیوں سے کہا: "جب تمہارا آقا زخمی ہوا اور اپنے دشمنوں سے بھاگ کر میرے پاس آیا تو سبھی جانتے ہیں کہ میں نے اسے پناہ دی اور اسے بیٹا کہہ کر مخاطب کیا۔ پھر میں نے اسے ارس خان سے لڑنے کے لئے مدد دی۔ اس لڑائی میں میرے شہسواروں کی جانیں ضائع ہوئیں' مگر جب تمہارا آقا طاقتور ہوگیا تو میرا احسان بھول گیا۔ جب میں ایران میں تھا' اس نے دغابازی کرکے میری عدم موجودگی میں میرے ملک کو برباد کیا اور اس کے بعد بھی ایک جرار فوج لے کر میری مملکت پر چڑھائی کی۔ مگر اب میں نے فوج کشی شروع کی ہے تو سزا سے بچنا چاہتا ہے۔ وہ بار بار اپنے قول سے پھر چکا ہے۔ اگر وہ صدق دل سے صلح کا خواہش مند ہے تو اپنے وزیراعظم علی بے کو گفت و شنید کے لئے روانہ کرے۔"

جب علی بے نہ آیا تو تیمور نے کوچ جاری رکھا۔ شاہی حرم کی مستورات کو یہاں سے ان افسروں کے ساتھ واپس کر دیا گیا جنہیں سمرقند کے دفاع پر مامور کیا گیا تھا اور تیموری فوج پہاڑوں سے نکل کر سفید ریگ کے صحرا (72) میں داخل ہوئی۔

وہ تین ہفتے تک ریت کے تودوں پر چلتی رہی۔ طلوع آفتاب سے قبل سات فٹ لمبے کرنائے (73) بجا کر لشکروں کو تیاری کا حکم دیا جاتا۔ اس کی آواز پر گھوڑوں کا ساز درست کرلیا جاتا اور خیمے لپیٹ کر ان گاڑیوں پرلاد دیئے جاتے جن کے پہیئے آدمی کے قد سے بھی اونچے ہوتے تھے۔ بیل گاڑیوں کے علاوہ باربرداری کے لئے اونٹ بھی تھے۔ گاڑیوں پر سپاہیوں کا سامان بھی لادا جاتا۔ ہر دستے میں دس دس (74) آدمی ہوتے تھے جو ایک ہی خیمے میں رہتے تھے۔ ان کے سامان میں دو بیلچے' ایک آری' ایک کلہاڑی' درانتیاں' موٹے رسے' دیگچے اور نمدہ (بیل کا چمڑا) شامل ہوتے تھے۔ کھانے کا سامان نہایت ہلکا اور مختصر تھا

----- آٹا' بھنے ہوئے جو' خشک میوہ اور ایسی ہی چند اور چیزیں۔ جب فوج آق قم میں داخل
ہوئی تو آٹے کی فی کس ماہانہ مقدار گھٹا کر آٹھ سیر کر دی گئی۔

ہر سپاہی کو ایک فالتو گھوڑا بھی دیا جاتا تھا (کل فوج گھوڑ سوار تھی) اور ہر جوان کے
پاس زرہ' خود' ڈھال اور دو دو کمانیں تھیں' ایک دور تیر پھینکنے کے لئے اور دوسری
تیراندازی کے لئے۔ ہر ایک کے پاس تیس تیس تیر' ایک ایک شمشیر اور ان کے علاوہ
چھوٹے دستی ہتھیار بھی ہوتے تھے۔ اکثر دستوں کے پاس لمبے بلم بھی ہوتے تھے جو کندھوں
پر لٹکے رہتے تھے۔ بعض کے پاس وزنی برچھے یا لمبے نیزے بھی ہوتے تھے۔

فوج کے لشکر ایک معین ترتیب سے حرکت کرتے (یہ ترتیب بگاڑنا خودکشی کرنا تھا) او
معسکر میں بھی اسی ترتیب سے رکتے۔ ہر افسر کی جگہ مقرر ہوتی' جو امیر کے علم سے اس
کے مرتبے اور کمان کے مطابق کم یا زیادہ فاصلے پر رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ اندھیرے میں پڑا
کرنے میں بھی بے ترتیبی نہ ہوتی تھی۔ آرام کی حالت میں کوچ کرتے میں بھی توماں
(ڈویژنوں کے سالار) اپنے اپنے لشکروں کو لڑائی کی ترتیب میں رکھتے کیونکہ اس طرح پھیل
کر کوچ کرنے سے کہیں کہیں گھوڑوں کو گھاس چرانے کا موقع بھی مل جاتا۔

نصف النہار سے کوئی ایک گھنٹے پہلے قرنا پھر بجتا اور فوج گھوڑوں کو آرام دینے کے لئے
رک جاتی۔ کمزور جانوروں کا پانی کی قلت کی وجہ سے اس سے پہلے ہی پتلا حال ہو جاتا۔

شام کے وقت پڑاؤ کرتے۔ معسکر کی جگہ قراول پہلے ہی سے انتخاب کرلیتے۔ تیمور کا
علم جس میں گھوڑے کی دم کی شکل کا طرہ اور چوب کے اوپر سنہری ہلال ہوتا' اس کی سر
پردا کے سامنے گاڑ دیا جاتا۔ شاہی خیمہ اور خرگاہ اسی کے گرد ہوتے۔

اب ایک نہایت پراثر تقریب ہوتی۔ جیسے ہی کوئی لشکر پڑاؤ میں پہنچتا اور معسکر میں اپنی
جگہ پر اترتا اس کے نقاروں پر چوٹ پڑتی۔ سالار لشکر دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوتا' اپنے
ماتحت افسروں کو ساتھ لیتا اور امیر کے علم کی طرف بڑھتا۔ اس کی شہنائیاں' بین اور قر
اس کے آگے آگے ہوتے۔

ان کی آوازوں سے گھوڑے اچھلنا شروع کر دیتے اور بمشکل قابو میں رکھے جاتے۔
جھانجھ بجنے لگتے اور رجز خواں آنکھیں بند کئے' سروں کو پیچھے ڈالے' پوری قوت سے آوا
نکالتے ہوئے' جنگوں میں دکھائی گئی دلیری اور شجاعت کے قصے سازوں پر گا گا کر سناتے۔

شام کی لہو رنگ شفق کے پس منظر پر' گھوڑوں کو دلکی چال سے چلاتے ہوئے امرا' جن
کی قاقم لگی ہوئی ٹوپیاں گھوڑوں کی ایالوں کے اوپر اچھلتی نظر آتیں' تیمور کے علم تک

پہنچتے۔ ان کی قرمزی اور سیاہ قباؤں پر آہنی ہتھیار چمکتے ہوتے۔ رجز خوانوں اور ان کی
سازوں کی کان پھاڑنے والی آوازیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدائے بازگشت بن جاتیں۔ اس
شان سے امیر تیمور کے سامنے پہنچ کر نقرئی راسوں کی چھن چھن کی آوازوں کے درمیان وہ
پوری قوت سے نعرہ مار کر سلامی دیتے۔

جب آخری سالار لشکر سلامی دے کر گزر جاتا تو تیمور گھوڑے سے اتر کر امرا کے
ساتھ کھانا کھانے بیٹھتا۔ صحرا میں بھی اس کا لباس بہترین ریشمی کپڑے اور زر بفت کا ہوتا
تھا۔

رات کو کوچ کے نگران افسر قندیلیں روشن کئے اس کے سامنے پیش ہوتے اور
قراولوں سے حاصل شدہ اطلاعات تیمور کو سناتے۔ یہ قراول دائیں بائیں میلوں آگے نکل کر
دشمن کا حال معلوم کرتے رہتے تھے۔ اسی وقت اسے بیمار سپاہیوں اور گھوڑوں کی حالت
بھی بتائی جاتی۔

اس ریت کے سمندر کو تیمور جلد از جلد عبور کرنا چاہتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص پیچھے
رہ گیا تو اس کے جوتے ریت بھر کر اس کے گلے میں لٹکا دیئے گئے۔ اور حکم ہوا کہ اگلی
منزل پیدل طے کرے اور یہ بھی سنا دیا گیا کہ اگر اب کے پیچھے رہا تو مار ڈالا جائے گا۔

تین ہفتے تک چلتے رہنے کے بعد وہ ان چراگاہوں میں پہنچے جہاں شیبوں پر دھند کے
بادل ہی بادل تھے۔ یہاں ایک دریا کے کنارے رک کر انہوں نے پہلے گھوڑوں کو آرام
کرایا' پھر لشکر باری باری پار اترے۔ اس کا نام انہوں نے ساری سو (زرد دریا) رکھا۔
(65)

اس بے کنار سبزہ زار کو دیکھ کر جو سبز گھاس کا سمندر معلوم ہوتا تھا' وہ حیران رہ گئے۔
جب وہ ان دو پہاڑوں کے قریب پہنچے' جن میں سے ایک کو انہوں نے "بڑا پہاڑ" اور
دوسرے کو "چھوٹا پہاڑ" کے نام دیئے تو فوج رک گئی۔ تیمور بڑے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور
وہاں سے اس سبزہ زار کو دیکھنے لگا جو پہاڑوں کے ارغوانی سایوں سے پرے افق تک پھیلا
ہوا تھا۔ اپریل کا مہینہ تھا' گھاس میں نیلے نیلے پھول کھلے ہوئے تھے۔ تیتر خود رد گندم کے
کھیتوں میں دوڑتے پھرتے تھے' عقاب سروں پر منڈلا رہے تھے اور دھند میں دور کی جھیلوں
کا عکس نظر آتا تھا۔

اس تمام عرصے میں انہوں نے کہیں ایک بھی آدمی یا کاشتہ زمین نہ دیکھی تھی' مگر اب
کچھ آثار ظاہر ہوئے ----- گیلی مٹی پر اونٹوں کے پاؤں کے نشان' راکھ اور بجھی ہوئی آگ

کی ڈھیریاں، گھوڑوں کی لید، اور کہیں کہیں انسانی ہڈیاں بھی نظر آئیں جو سرما کے طوفان نے ٹوٹی ہوئی قبروں سے باہر نکال پھینکی تھیں۔

کچھ تاتاری جوان روز فوج کے آگے آگے چل کر شکار مارتے مگر اس میں جھانے کے جانور بہت کم ہوتے۔ ہرن ملتا مگر کہیں کہیں، گوشت کم یاب تھا۔ بھیڑ کی قیمت ایک سو دینار تک پہنچ گئی۔ تیمور نے حکم دیا کہ گوشت کو بھونا نہ جائے اور آٹے کی روٹی بھی نہ پکائی جائے۔ گوشت کی یخنی بنا کر اسی میں آٹا ڈال لیتے اور کچھ جڑی بوٹیاں وغیرہ ملا کر گاڑھا شوربا (66) سا تیار کرلیتے۔ افسر اور سپاہی سب اسی سے پیٹ بھرتے۔

ان کی دلجوئی کے لئے لشکروں کے سالار خود بھی یہی کھاتے اور دونوں وقت ان کے ساتھ شریک طعام ہوتے۔ شکاری جو تھوڑے بہت پرندے یا جڑی بوٹیاں لاتے وہ بھی اس شوربے میں ڈال دیتے۔ مگر رفتہ رفتہ ان کا بھی کال پڑنے لگا اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس شوربے کا بھی تمام دن میں صرف ایک پیالا ملنے لگا۔ اب سپاہی زمین پر نظریں گاڑے چل رہے تھے۔ جہاں کہیں کوئی بٹیر یا کچھ جڑیں نظر آجاتیں فوراً جھپٹ لیتے۔ آٹا قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔

البتہ گھوڑے اچھی حالت میں تھے۔ ان کے لئے گھاس افراط سے مل رہی تھی۔ مگر کھانے کے لئے ذبح نہ کئے جا سکتے تھے۔ اس سرزمین میں پیدل سپاہی لڑنے کے مطلب نہ رہتا تھا۔ گھوڑوں کا زیادہ تعداد میں ضائع ہو جانا تباہی کا پیش خیمہ ہوتا۔ جب حالات سے بدتر ہونے لگے تو افسروں کے دلوں میں مستقبل کے بارے میں شبہات پیدا ہو شروع ہوئے۔ مگر واپس جانا بھی خطرناک تھا۔ کمزور سپاہیوں کو صحرا سے صحیح سلامت گزر سکنا ناممکن تھا۔ سنہری غول گو نظر نہ آتے تھے مگر اس کا امکان تھا کہ یہیں کہیں موجود ہوں اور واپس جاتی ہوئی تیموری فوج پر پوری قوت سے ٹوٹ پڑیں۔ تیمور نے یہ حال دیکھا تواچیوں کو حکم دیا: "دائیں بائیں کے لشکروں کو مطلع کر دو کہ شکار کی عام اجازت ہے۔"

ابھی تک لشکروں سے آگے چلنے والے سوار صرف کہیں کہیں شکار کرتے چل رہے تھے۔ مگر یہ حکم مل جانے کے بعد ایک لاکھ سواروں نے تیس میل کے قطر کے نیم دائرے میں پھیل کر شکار شروع کر دیا۔ شکار کا ڈھنگ یہ رکھا کہ فوج کا مرکزی حصہ رک گیا۔ نیم دائرے کے دونوں سرے اندر کو سمٹنے شروع ہوگئے۔ ان کے دباؤ سے تمام چوپائے کے آگے آگے مرکز کی طرف آنے لگے اور گھیرے میں آجانے کے بعد بھیڑیئے، ہرن ریچھ اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگے تو الٹے شکاریوں کی زد پر پہنچ گئے۔ کوئی خرگوش

بھی بھوکے تاتاریوں سے بچ کر نہ جا سکا۔ جو جانور اس شکار میں ہاتھ لگے ان میں سے دو ایسے بھی تھے جنہیں دیکھ کر تاتاری بڑے حیران ہوتے۔ ایک تو ہرن ایسا ملا کہ قد میں بھینس سے بھی اونچا تھا۔ خیال ہے کہ یہ ایلک (77) ہوگا۔ دستور کے مطابق شکار کے دائرے میں سب سے پہلے تیمور داخل ہوا اور اس نے تیر سے چند گورخر اور ہرن مارے۔ اس کے کمال تیراندازی پر لوگ عش عش کر اٹھے۔ بیشتر تاتاری لمبی کمان کو سینے تک کھینچ لیا کرتے تھے مگر تیمور نے زہ کو کان تک کھینچ لیا تھا۔

اب تاتاری فوج میں گوشت کی فراوانی ہوئی۔ انہوں نے فربہ فربہ جانور ذبح کئے اور ایک بڑا شاندار جشن منایا۔

مگر تیمور نے فوجوں کو آرام طلب نہ بننے دیا۔ اگلے ہی دن معائینے کے لئے تیاری کے احکام جاری کر دیئے اور ایک ہی گھنٹے بعد ایک خاص لباس پہنے باہر نکل آیا۔ سر پر قاقم کی کلاہ تھی جو یاقوتوں سے جگمگا رہی تھی اور ہاتھ میں ہاتھی دانت کا عصا تھا، جس کی سنہری موٹھ بیل کے سر کی شکل کی تھی۔ عملے کے افسر پیچھے پیچھے تھے، سرا پردے سے باہر نکلتے ہی معائنہ شروع کر دیا۔

جب کسی لشکر کے سامنے پہنچتا تو سالار لشکر گھوڑے سے اتر کر اس کی رکاب کو بوسہ دیتا، پھر اپنے لشکر کے ایک سرے سے دوسرے تک پاپیادہ ساتھ چل کر اسے اپنے جوانوں کا قد کاٹھ اور ان کی تنومندی، نیز اسلحہ کی اچھی حالت کی طرف متوجہ کرتا۔ تیمور سپاہیوں کے جانے پہچانے چہروں پر نظر ڈالتا ------ جست کے رنگ کے برلاس، چھریرے بدن کے لمبے تڑنگے سلدوز ترک، سپاہیانہ خو بو کے جلایر اور وہ جنگجو بدخشانی پہاڑی، جن سے وہ "با دنیا" پر جنگ کر چکا تھا ------ اور آگے بڑھ جاتا۔

معائنہ تسلی بخش رہا مگر اس کے نزدیک محض یہ معائنہ کافی نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد شاہی نقارے پر چوٹ پڑی جس کی گرج سے زمین کی چھاتی دہلنے لگی۔ اس کے برنجی پیندے کا گھیر دو گز کا تھا اور اس پر ایک بیل کی پوری کھال منڈھی ہوئی تھی۔ اس کی آواز پر لشکروں کے طبل بھی بجنے لگے اور سواروں کے دستے حرکت میں آکر لڑائی کی ترتیب میں صف بند ہوگئے۔ چشم آفتاب نے اس خطے میں جہاں ٹیلے ہی ٹیلے تھے، اتنے پرشکوہ فوجی معائینے کا منظر کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ افسر گھوڑے دوڑا کر اپنے نئے مقامات کی طرف بڑھے

اور جب میلوں تک صفیں مرتب ہوگئیں تو سب نے بیک آواز جنگی نعرہ مارا ----- دارٗ (دارو گیر)۔ حملہ کرتے وقت تاتاری یہی نعرہ لگایا کرتے تھے۔

فوج خوش تھی۔ اس کا جوش برقرار تھا۔ اگلے دن کوچ پھر شروع ہوگیا۔

سرزمین آسیب

وہ جوں جوں آگے بڑھتے جاتے دھند کے بادل چھٹتے جاتے۔ بلندیوں پر چٹانوں کے اوپر لال لال پتوں کی بیلیں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں جیسے بھورے بھورے پتھروں کو اپنے پنجوں میں دبوچے ہوئے ہیں۔ نشیبوں میں ایسی خطرناک دلدلیں تھیں جن میں انسان اور حیوان سنبھلنے سے پہلے دھنس جائیں۔ کبھی کبھی باز تو درختوں کے اوپر اوپر اڑتے ہوئے گزرتے ورنہ اور پرندوں کا تو نام و نشان تک نہ تھا جو اپنی چہچہاہٹ سے اس مرگ آسا خاموشی کو توڑتے۔ آسمان کا رنگ اب اتنا گہرا نیلا نہ تھا جتنا سمرقند میں ہوتا تھا۔ کہیں کہیں مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر بھی ملتے جو شاید بھولے بھٹکے مسافروں کی قبریں تھیں۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے: "یہ ملک ظلمات یا سرزمین آسیب کہلاتا ہے۔ جو تاجر یہاں آتے ہیں' اپنا سامان کسی جگہ پر رکھ کر چلے جاتے ہیں۔ اگلے سال جب اسی جگہ پہنچتے ہیں تو اس سامان کے بدلے چمڑا اور کھالیں رکھی پاتے ہیں۔ جو لوگ اس سرزمین میں بستے ہیں وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتے۔ یہاں گرمیوں میں دن بہت لمبے اور سردیوں میں راتیں بہت طویل ہوتی ہیں۔"

یہ کیمریئوں (77) کا مسکن اور ہاپر بورنیوں (78) کا ملک تھا جو اصطلاح عام میں اہل شمال کہلاتے تھے اور سب کے سب خانہ بدوش تھے۔ اگر وہاں موجود بھی تھے تو تیمور کے پہنچنے پر بھاگ گئے تھے۔ جنوب میں کوئی اس لئے نظر نہ آیا تھا کہ توقتمش نے وہاں سے انسان اور مویشی ہٹوا دیئے تھے۔ مگر یہاں تو شاید کوئی رہتا ہی نہیں تھا۔ (79)

مورخ لکھتا ہے کہ جتنے بھی قراول روانہ کئے جاتے وہ اس وسیع صحرا میں آوارہ گردوں کی طرح پھرتے رہتے۔ حقیقت میں تو یہ صحرا نہ تھا مگر تاتاری چونکہ کنوؤں کے اور دریاؤں کے کناروں پر آباد شہروں کے عادی تھے' اس لئے یہ وسیع سرزمین' جس میں انسان کا نام و نشان نہ تھا' انہیں صحرا سے بدتر نظر آتی تھی۔ نمازیوں کو بھی دقت تھی۔ نماز کے اوقات کا تعین مشکل ہوتا جارہا تھا۔

صبح کو اجالا ہونے کے بعد گھنٹوں تک سورج طلوع نہ ہوتا۔ لوگ رات ختم ہونے سے پہلے ہی اذان کی آواز پر خیموں سے نکل آتے مگر صبح ہونے کا گھنٹوں تک انتظار کرنا پڑتا۔

شام کو شفق بہت جلد پھول جاتی حالاں کہ سورج ڈوبنے میں کئی گھنٹے ہوتے۔ شام کی شفق پھولنے اور نماز عشا کے وقت میں کئی گھنٹے کا فصل ہوتا اور تاریکی کا وقفہ اتنا قلیل ہوتا کہ لوگ پوری طرح آرام نہ کرسکتے۔

علما نے اس معاملے پر غور کرنے کے بعد یہ فتویٰ دیا کہ نماز کے اوقات میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ اس دوران میں تیمور نے بیس ہزار کا ایک لشکر' فوج سے علیحدہ کرکے سنہری غول کا کھوج نکالنے پر لگایا۔ ہر افسر چاہتا تھا کہ یہ لشکر میں لے کر جاؤں مگر تیمور نے اس کی کمان اپنے نوجوان بیٹے عمر شیخ (80) کو دی۔ یہ بیس ہزار نفوس صحرا میں غائب ہوگئے' پھر چند روز بعد ایک قراول نے واپس آکر بتایا کہ ایک اور دریا ملا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور سوار پہنچا اور اس نے بتایا کہ پانچ چھ جگہ آگ جلتی دیکھی گئی ہے۔

دشمن کی موجودگی کے بارے میں یہ پہلی خبر تھی۔ تیمور نے اس سے اسی وقت فائدہ اٹھایا۔ تجربہ کار قراول بلوائے اور انہیں اپنے بیٹے کے پاس یہ ہدایت دے کر روانہ کیا کہ تمام علاقہ چھان ڈالو اور پھر خود بھی ایک چھوٹا سا محافظ دستہ۔ لے کر ادھر روانہ ہوگیا۔ جس دریا کے متعلق اطلاع ملی تھی یہ دریائے توبل تھا جو بحر منجمد شمالی میں گرتا ہے' اور جو آگ نظر آئی تھی وہ اس دریا کے مغربی کنارے پر تھی۔ تیمور نے دریا تیر کر عبور کیا اور عمر شیخ کے مقدمتہ الجیش کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔

قراول واپس آئے تو انہوں نے یہ اطلاع دی کہ پچھلے ایک دو دن میں کم از کم ستر جگہ آگ جلتی نظر آئی ہے اور اس علاقے میں گھوڑوں کے گزرنے کے نشان بھی ہیں۔ تیمور نے شیخ داؤد کو طلب کیا جو چھاپے مارنے اور غیر معمولی کارنامے دکھانے میں مشہور تھا اور اسے حکم دیا کہ مغرب کی جانب پورے علاقے کی چھان بین کرکے دشمن کا کھوج نکالے۔ شیخ فوراً روانہ ہوگیا' اور دو دن کے اندر اندر ایک کارنامہ انجام دے کر آیا۔ ایک جگہ اسے گھاس پھوس کے چند جھونپڑے نظر آگئے۔ اس نے ان کا چکر کاٹا اور ایک جگہ تمام رات چھپا بیٹھا رہا۔ اگلی صبح اس محنت کا پھل مل گیا۔ ایک سوار جھونپڑوں سے نکلا اور اس طرف آیا جہاں داؤد چھپا ہوا تھا۔

داؤد نے اس پر قابو پا لیا اور اس کی مشکیں باندھ کر ہراول لشکر کی طرف لے گیا' جو اس دوران میں اس کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ مگر جب اس قیدی سے پوچھ گچھ کی گئی تو پتا چلا کہ اسے تو تو قتمش کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ اس نے صرف چند زرہ پوش سوار جھونپڑوں کے قریب جھاڑیوں میں خیمہ زن دیکھے تھے۔

تیمور نے ساٹھ سواروں کو فاضل گھوڑے دے کر روانہ کیا کہ ان دس سواروں کو پکڑ لائیں۔ جب ان کو پکڑ کر لایا گیا تو انہوں نے بتایا کہ سنہری غول یہاں سے مغرب کی سمت سات دن کی مسافت پر ہے۔

تیمور کے لئے اتنی ہی اطلاع کافی تھی۔ اس نے فوراً فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ شمال کی جانب تیمور کا یہ طویل کوچ آجکل کے ماہرین تزویرات کو شاید مخمصے میں ڈال دے۔ مگر یہ جنگ ایسی تھی کہ اس میں اصولوں اور قاعدوں کو کم اور دشمن کے نفسیاتی مطالعے کو زیادہ دخل تھا۔ کمزوری ظاہر کرنا اتنا ہی خطرناک ہوتا جتنا دشمن کو اپنے اوپر اچانک حملے کا موقع دینا۔ تیمور جانتا تھا کہ دشمن کی نظریں اس کی نقل و حرکت پر لگی ہوئی ہیں اور وہ اس کے اقدامات کی ٹوہ بھی لے رہا ہے۔ لڑائی میں تاخیر اس کے لئے خطرناک تھی اس لئے وہ چاہتا تھا کہ سنہری غول کو جلد از جلد لڑائی پر مجبور کردے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو موسم گرما گزرنے سے پہلے پہلے اپنی فوج کو مزروعہ علاقے میں لے پہنچے۔ اس کے برعکس تاخیر تو قتمش کے ہاتھ میں بہترین ہتھیار تھا اور وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔

تیمور کی سرعت رفتار سے دشمن پریشان سا ہوگیا۔ اسے اپنی فوجوں کو تیمور کے لشکروں کے متوازی حرکت میں رکھنا پڑا تاکہ انہیں تیموری فوج اور اپنے ملک کے درمیان حائل رکھے اور مشرق بعید کی سطح مرتفع نیز والگا اور بحیرۂ اسود کے قبائل کے جمع ہو جانے تک انہیں روکے رہے۔ تو قتمش کی پوری طاقت یک جا ہو جانے کے بعد اس کے پاس تیمور سے دگنی فوج ہو جاتی۔

اب دونوں فوجوں نے تزویراتی چالیں چلنی شروع کیں۔ دشمن محتاط تھا اس لئے تیمور کو بھی احتیاط لازم تھی۔ دشمن کی ایک یہ خصوصیت بھی ذہن میں رکھنے کے قابل تھی کہ اس کے لئے ایک دن میں سو میل کا فاصلہ طے کرلینا معمولی بات تھی اور وہ اس وقت تک میدان میں نہ اترتا تھا جب تک یقین نہ ہو جاتا تھا کہ حملہ کرنا مفید پڑے گا۔

تیمور کے عمل سے ظاہر ہے کہ وہ خطرات سے پوری طرح آگاہ تھا اور اسے اپنی فوج کی تکالیف کا احساس بھی تھا۔ وہ چھ دن تک بہ حد امکان زیادہ سے زیادہ تیز رفتار سے مغرب کی طرف بڑھتا رہا اور آخرکار یورال کے کنارے پر جا پہنچا۔ قیدیوں سے معلوم ہوا تھا کہ دریا تین مقامات پر پایاب ہے جو پاس پاس واقع ہیں۔ ان میں سے ایک کا معائنہ کرنے کے بعد تیمور نے حکم دیا کہ دریا کو یہاں سے نہیں بلکہ اسی جگہ سے تیر کر عبور کیا جائے جہاں فوج رکی ہوئی ہے۔ پہلے خود پار اترا اور دوسرے کنارے پر پہنچتے ہی اپنے سپاہی

جنگل میں آگے بڑھا دیئے۔

یہاں کچھ اور قیدی ہاتھ لگے۔ ان سے معلوم ہوا کہ انہیں تو قتمش کی فوج میں شامل ہونے کے لئے روانہ کیا گیا تھا مگر اس کا معسکر نہ ملا۔ پوری فوج نے دو دن میں دریا عبور کیا۔ جب سب دریا کے مغربی کنارے پر پہنچ گئے تو پوچھ گچھ سے معلوم ہوا کہ ان تینوں مقامات پر، جہاں دریا کو عبور کیا جا سکتا ہے، تو قتمش نے لشکر چھپا رکھے تھے کہ تیمور کی فوج وہاں سے دریا پار کرے تو ان کے نرغے میں آجائے۔ مگر جب دیکھا کہ تیمور نے ایک اور جگہ سے دریا عبور کرلیا ہے تو پیچھے ہٹ گیا۔

تیمور جانتا تھا کہ مغل پسپائی کے دوران میں جتنے خطرناک ہو جاتے ہیں اتنے خطرناک اور کبھی نہیں ہوتے اس لئے اس نے حکم دے دیا کہ کوئی اپنے لشکر کی حدود سے باہر نہ جائے اور رات کے وقت آگ بھی نہ جلائی جائے۔ جوں ہی اندھیرا ہوتا سوار دستے معسکر کے گرد حلقہ ڈال لینے کے لئے بھیج دیئے جاتے۔ اس طرح انہوں نے یورال کی تنگ وادی کی دلدلوں سے گزرتے ہوئے، مغرب کی جانب کئی دن تک کوچ جاری رکھا۔ جوں ہی دلدلوں سے نکلے رفتار تیز کر دی اور آخری دن تمام نقاروں پر چوٹ پڑ رہی تھی اور سوار رجز خوانی کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

تیمور کے قراول تو قتمش کے موخرالجیش کی بیرونی چوکیوں تک پہنچ گئے، مگر تو قتمش تک اب بھی نہ پہنچے۔ سنہری غول کے سردار کے پاس تیموری فوج کے گھوڑوں سے زیادہ تازہ دم گھوڑے اور اس کے سامان خوراک سے کہیں بہتر قسم کا سامان خور د نوش تھا، پھر ابھی اس کے ترکش میں ایک اور تیر بھی تھا۔

اس اثنا میں جب اس کا موخر الجیش تیمور سے لڑ رہا تھا، اس نے سنہری غول کے اعظم الجیش کا رخ شمال کی طرف کر دیا۔ یہ درست ہے کہ وہ تیمور سے پیچھا نہ چھڑا سکتا تھا مگر یہ تو ممکن تھا کہ اس سے آگے آگے رہے۔ اور جہاں سے وہ گزر جاتا وہاں تاتاریوں کے لئے شکار کے نام پر تیتر کے پر بھی نہ بچتے۔ وہ آباد علاقوں سے ہٹ کر سرزمین آسیب کے اندر گھستا چلا جارہا تھا۔ جن جنگلوں سے یہ دونوں فوجیں اب گزر رہی تھیں ان میں سفیدے اور شاہ بلوط کے درخت نہ تھے بلکہ اب غوشے اور سدا بہار کے جنگل شروع ہو چکے تھے اور ان سے آگے مرطوب ٹنڈرا کا علاقہ تھا۔

تیمور کے سوار پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے کمزور ہوتے جارہے تھے۔ تین تاتاری سرداروں کو مغلوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ ان کے مارے جانے کا بھی انہیں صدمہ تھا۔ وہ

جانتے تھے کہ اب مکمل تباہی کی لڑائی ہونی ہے، چاہے تباہی کسی فریق کی ہو مگر انہیں تیمور پر پورا اعتماد تھا۔

اب حالاں کہ جون کا مہینہ تھا، بارش شروع ہوگئی اور برف بھی گرنے لگی۔ چھ دن تک دونوں فوجیں اپنے اپنے خیموں میں بند رہیں۔ جوں ہی برفباری رکی تیمور نے باہر نکلنے میں پہل کی۔ عمر شیخ کے بیس ہزار جوان مغل سواروں کے پہریداروں کو قتل کرکے آگے بڑھے۔ تیمور نے منزل بہ منزل پیش قدمی جاری رکھی۔ ساتویں دن سنہری غول کے قرنی علم اور ان کے گرد ان کے گنبد نما خیمے نیز پوری فوج نظر آنے لگی۔ تیمور کے لشکر پہلے ہی سے جنگی ترتیب میں تھے، چنانچہ اسے صرف حملے کا حکم دینا تھا۔ تاتاری اسی لمحے دشمن پر ٹوٹ پڑتے، لیکن اس نے جو حکم دیا وہ یہ تھا کہ سیاہ گھوڑوں سے اتر آئے اور خیمے لگائے اور جتنا سامان خوراک باقی ہے اسے پکا کر خوب پیٹ بھر کر کھائے۔

اٹھارہ ہفتے کے بعد اٹھارہ سو میل کا سفر ختم ہوا تھا۔ تیمور سے صرف آدھ میل کے فاصلے پر سنہری غول جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا، اور گاڑیاں عقب میں بھیجی جارہی تھیں۔ اب دونوں فوجیں لڑے بغیر نہ رہ سکتی تھیں۔ مگر تاتاری فوج خیمے لگا کر نہایت بے فکری سے کھانے پکانے میں اس طرح مشغول تھی جیسے شمالی ٹنڈرا کا یہ علاقہ اس کا اپنا علاقہ ہے۔ دشمن تو یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا۔ مگر بات صرف اتنی تھی کہ تیمور آخری لڑائی سے پہلے اپنے سواروں اور گھوڑوں کو آرام دینا چاہتا تھا۔

اس کی بیرونی چوکیوں کے سپاہی چوکنے رہے۔ اس نے رات کے وقت آگ جلنے دی نہ روشنی ہونے دی، بلکہ مجلس مشاورت بھی نہ کی۔ اس کے ذاتی عملے کے افسر اس کے گرد قالینوں پر سو گئے اور پیغام رساں افسر بھی تیمور کے سرا پردے کے پہریداروں کے ساتھ تمام رات چوکس کھڑے رہے۔ تیمور ہتھیار باندھے تیل کے چراغ کی روشنی میں شطرنج کے سپاہیوں کو لڑا کر وقت گزارتا رہا۔ کبھی اونگھ آجاتی تو فوراً سنبھل جاتا۔

تمام انتظامات مکمل تھے۔ فوج سات لشکروں میں اسی طرح منقسم تھی جس طرح ہر وقت منقسم رہتی تھی۔ میسرہ کے مقدمتہ الجیس اور اعظم الجیش علیحدہ علیحدہ تھے۔ قلب کے پیچھے تیمور خود تھا اور اس کے پاس بہترین اور آزمودہ کار شہسوار تھے۔ فوج کا کمزور ترین حصہ قلب تھا، میمنہ میں بہترین قسم کے سردار اور ان کے تحت وزنی زرہ پوش سوار تھے۔ ان کی کمان تیمور کے چھوٹے بیٹے میراں شاہ کے ہاتھ میں تھی مگر اس کو مشورے دینے کے لئے آزمودہ کار سالار ساتھ تھے۔ ان میں ایسے ایسے جانباز بھی تھے جو موت کو للکارنے کے

عادی تھے۔ یہ ("تولو بہاتر" یعنی "سر پھرے بہادر") شیخ علی بہادر اور اس کے ساتھی تھے
جنون کی حد تک دلاور تھے۔

تیمور نے رات کو اپنے دائیں بازو کو صبحدم حملے کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ صبح ہو
ہی سفید ریش امیر سیف الدین نے اپنے پانچ ہزار سواروں سے بے پناہ حملہ کیا' جو بڑ
آواز "دار وگر" کا نعرہ مارتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

تو قتمش کا لشکر نیم دائرے کی شکل میں تھا جس کے سرے تیمور کے بازوؤں کو باڑھ
لئے ہوئے تھے۔ سیف الدین کے حملے کو اس کے بائیں سرے کے سپاہیوں نے آگے بڑ
کر روکا اور اتنا زبردست شور مچایا کہ تیمور کے نقاروں' طبلوں اور قرناؤں کی آواز بھی ا
سے دب گئی۔ ان مقامات کو چھوڑ کر' جہاں تیمور بذات خود پہنچ سکتا تھا' باقی سب جگہ لڑا
سرداروں اور امیروں کے ہاتھوں میں تھی۔

تیمور کا ایک اور لشکر سیف الدین کی مدد کو پہنچا اور دایاں بازو پورے کا پورے آ
بڑھ کر ایسی حالت میں دشمن پر جا پڑا کہ ان کے سروں کے اوپر سے تیر سن سن کر
ہوئے گزر رہے تھے۔ سنہری غول اس حملے کی تاب نہ لا سکا۔ ادھر تیمور نے قلب کو آ
بڑھ کر میراں شاہ کی کمک کو پہنچنے کا حکم دے دیا۔ (81)

قلب میں کیا ہوا' یہ معلوم نہ ہوسکا۔ پورے میدان میں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔
سوار دشمن سوار سے الجھا ہوا تھا' تیروں کی بوچھاڑیں' تلواروں کی جھنکاریں اور انسانی خ
کی ندیاں۔ زخمی اپنی کاٹھیوں سے چمٹے چمٹے بھی تلواریں چلا رہے تھے۔ رحم کی خواہش ن
نہ اس کی امید ہو سکتی تھی۔ سپاہی اس وقت تک ہتھیار چلاتے رہتے جب تک ان
رگوں میں خون دوڑتا رہتا' جب خون بہہ چکنے کے بعد بے جان ہو جاتے تو گھوڑوں سے
پڑتے اور ان کے سموں کی روندن میں آکر نرم زمین کا پیوند بن جاتے۔

بائیں طرف تاتاری کم تعداد میں تھے۔ انہوں نے پے بہ پے حملوں کی وجہ سے پ
ہٹنا شروع کیا۔ سلدوز بکھر چکے تھے مگر عمر شیخ نے اپنا علم اب بھی بلند کر رکھا تھا۔ جوں
تو قتمش نے یہ دیکھا وہ اس پر پوری قوت سے حملہ آور ہوا اور صفیں چیرتا ہوا تاتا
قلب سے گزر کر اس کے عقب میں جا پہنچا۔

تیمور جو اپنے قلب کے حملے کو بغور دیکھتا رہا تھا' یکایک قرنی علم اپنے اور بائیں باز
درمیان دیکھ کر حیران رہ گیا۔

وہ محفوظ لشکر لے کر پلٹا اور تو قتمش کے بازو پر حملہ کر دیا۔ ایک تو یہ حملہ یک

تھا' دوسرے تیمور کے ذاتی محافظوں کے کلغی دار خود اور تیموری علم اس قدر قریب دیکھ کر
تو قتمش کو موت سامنے کھڑی نظر آنے لگی۔ وہ گھبرا اٹھا اور جو چند امیر قریب تھے انہیں
ساتھ لے کر جان بچانے کے لئے میدان سے ہٹ گیا۔ پھر اسنے اپنے ہزاروں سپاہیوں کو
ان کے حال پر چھوڑا اور مغرب کی طرف اس طرح سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا جیسے موت اس
کا تعاقب کر رہی ہے۔

اور اس کے جاتے ہی سنہری غول کے علم سرنگوں ہوگئے۔

ماسکو (82)

اب تاتاری اطمینان سے کوچ کررہے تھے۔ توقتمش کے معسکر پر ان کا قبضہ ہوگیا تو
اس لئے خوراک کی کمی نہ رہی تھی اور گھوڑے بھی کثیر تعداد میں ہاتھ آگئے تھے۔ دس ہز
سے سات لشکر قیدی پکڑنے کے لئے روانہ کر دیئے گئے۔ سنہری غول کے سردار علم گر
ہی اپنی اپنی سپاہ سمیت بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ جو رہ گئے وہ مشرق کی طرف دریائے وال
کی دلدلوں کی طرف بھاگے جہاں ہزاروں کی تعداد میں تاتاری تیغ کا شکار ہوئے۔ وقائع نگ
کا بیان ہے کہ لڑائی کے دوران میں اور بھاگتے میں، ایک لاکھ کے قریب آدمی مارے گئے
صحیح تعداد کچھ ہو مگر بہرحال بہت آدمی قتل ہوئے۔

ایک مرتبہ پھر فوج شکار کے لئے پھیل گئی مگر اسے جانوروں کا شکار نہیں کرنا تھا بلکہ
والگا کے دونوں کناروں کے دیہات میں لوٹ مار کرنی تھی۔ وہاں سے تاتاری جنوب کے
گرم علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں لاتعداد گائیں، بیل، بھیڑیں، اونٹ اور
گھوڑے ہاتھ آئے۔ گندم کی فصل پک چکی تھی، وہ بھی کاٹ لی۔ جو مکان سامنے آتا اس
کی تلاشی لی جاتی اور خوبصورت لڑکیاں اور کم سن لڑکے پکڑ لئے جاتے۔ روس کی سرزمین
میں داخل ہوئے تو وہاں بھی خوب دولت لوٹی۔ چاندی، سونا، سفید قاقم اور سیاہ سمور کی
پوستینیں (83)۔ ہر سپاہی کے اتنی دولت ہاتھ آئی کہ اس کی اپنی اور اولاد کی زندگی میں ختم
نہ ہو سکتی تھی۔

ہر ایک کے پاس بیش قیمت کپڑوں سے لدے ہوئے خچر، لومڑی کی کھالیں اور بچھیرے
تھے۔ کثرت اشیاء کا یہ حال تھا کہ بعض چیزیں تو وہیں پھینک دینی پڑیں۔ جنوبی علاقے میں
پہنچ کر لشکر پھر یکجا ہوئے۔ یہاں تیمور نے ایک ہفتے تک جشن منانے کی اجازت دے دی۔

یہ جگہ تاتاریوں کو بہت پسند آئی۔ اونچی اونچی گھاس میں سے ہوا سیٹیاں بجاتی ہوئی
گزرتی تھی اور دریا کی موجیں ہر وقت گنگناتی رہتی تھیں۔ دھند کا کہیں نام نہ تھا۔ چاندنی
راتوں میں اتنا اجالا ہوتا کہ گھاس کے تنکے تک علیحدہ علیحدہ نظر آجاتے اور دن میں بادل

گزرتے تو سروں پر سایہ ڈالتے ہوئے جاتے۔

رات کے وقت جھینگر کے جھنجھنانے کی آواز، آوارہ پرندوں کی پرواز، اور مٹی کی
سوندھی سوندھی مہک سپاہیوں کو قوئی ڈھیلے کرنے پر اکسا رہی تھی۔ تیمور بھی چاہتا تھا کہ وہ
تھکاوٹ دور کرلیں۔ وہ اپنے امیروں سمیت اس خیمے میں مسند نشین ہوا جو توقتمش سے
چھینا گیا تھا۔ اس کے ریشمی پردے چھوڑ دیئے گئے۔ چوبوں پر جڑی ہوئی سونے کی پتریاں
ڈگر ڈگر کررہی تھیں۔ فرش پر عرق گلاب چھڑکا گیا۔ جنگی قیدیوں نے گوشت کی قابیں لا لا کر
فاتحوں کے آگے رکھیں۔

مطرب بلائے گئے۔ انہوں نے بانسریوں اور دوتاروں پر نغمے الاپنے شروع کئے۔ یہ
لوگ شعر بھی کہتے تھے اور اکثر فی البدیہ کہتے تھے۔ انہوں نے تاتاری سپاہیوں کے بہادرانہ
کارناموں کا گیت "ظفر صحرا کا مژدہ" جوڑ لیا تھا۔ اس ضیافت میں انہوں نے یہی گیت گایا
لیکن جب کھانا ختم ہونے کے بعد جام کھنکنے کی باری آئی تو موسیقی کا ٹھاٹھ بدل گیا۔ اب
ساز نرم اور دھیمے سروں میں بج رہے تھے۔ بلبان اور بانسری اب سننے والوں کو استراحت پر
مائل کررہی تھی۔

سونے کے جام گردش میں آئے ہوئے تھے۔ ساقنیں بھی موجود تھیں۔ یہ جنگ کی
قیدی کنیزیں تھیں۔ خوش گلو، خوبرو، دراز قد، سیمیں بدن۔ تاتاریوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ
قیدی عورتیں جب شراب پلاتیں اس وقت ان کا لباس صرف انکے سر کے دراز بال ہوتے
تھے، اور وہ فاتحوں کے سامنے عشق و محبت اور ہجر و وصال کے وہی گیت گاتی تھیں جو اپنے
ملک میں گاتی آئی تھیں۔ ایسا سامان بہم پہنچ جائے تو انسان مصیبت کی گھڑیاں فراموش
کرکے خود کو لطف دو لحظہ میں غرق کرہی دیتا ہے۔

جب یہ جشن ختم ہوا تو تیمور فوج سے علیحدہ ہوگیا اور اس کی کمان سیف الدین کے
سپرد کرکے تیزی سے سمرقند پہنچا۔ وہاں آٹھ مہینے سے امیر کے متعلق کوئی اطلاع نہیں پہنچی
تھی۔ جب اس کی آمد کی خبر پھیلی تو پورا شہر استقبال کو امڈ آیا۔ اب حملے کا کوئی خطرہ نہ
تھا۔ لوگ اب سمرقند کو "محفوظ شہر" کہتے تھے۔

تیمور نے توقتمش کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور سنہری غول کی مملکت کے شمالی حصے
میں دخل نہ دیا۔ یہ درست ہے کہ وہ چنگیز کی اولاد میں سے ایک خان کو اپنا نمائندہ بنا کر
چھوڑ آیا مگر یہ ایک رسمی سی بات تھی۔ نتیجہ نکلا کہ تین سال بعد توقتمش پھر حملہ کرنے
آگیا اور اس نے تیمور کی سرحدوں پر بحیرۂ خزر کے شمال میں یلغار شروع کر دی۔

تیمور نے بڑی برہمی کے عالم میں اسے نامہ لکھا : "تجھ میں یہ کیا خناس گھسا ہوا
کیا تو گزشتہ جنگ بھول گیا؟ تو جانتا ہے کہ میرے لئے امن اور جنگ میں کوئی فرق نہ
اور تجھے میری فتوحات کا بھی علم ہے۔ بول' دوستی چاہتا ہے یا دشمنی؟ آئندہ کے لئے
میں سے ایک کو پسند کرلے اور مجھے مطلع کر دے۔"

تو قتمش نے جنگ کو ترجیح دی اور ایسی بے جگری سے لڑا کہ اس بار تیمور اس
ہاتھوں شکست سے بال بال بچا۔ وہ اپنی فوج سے کٹ گیا اور صرف چند آدمی ساتھ رہ گئے
دشمن کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ ان آدمیوں نے گھوڑوں سے اتر کر تیمور کے گرد حلقہ بنا لیا
نورالدین دشمن کی چند بیل گاڑیاں کھینچ لایا اور تیمور کے گرد ان کا پشتہ باندھ کر مدافعت
جاری رکھی گئی۔ مگر جلد ہی کمک پہنچ گئی اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیا گیا۔ تیمور کا بیٹا میراں شاہ
اور امیر الامراء سیف الدین اسی معرکے میں زخمی ہوئے۔ (84)

مگر اس لڑائی سے سنہری غول کا خاتمہ ہوگیا۔ تو قتمش شمالی صحراؤں کی طرف بھاگ
اور اس کے قبیلے منتشر ہوگئے۔ کچھ کرائیمیا' کچھ اورنا اور کچھ ہنگری' چلے گئے' بہت
تیمور سے مل گئے۔

تیمور نے مغلوں کے والگا کے کنارے کے مشہور شہر سرائے کو تاراج کیا اور ان
اور تمام شہروں کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ سرائے کے باشندوں کو شہر سے باہر نکال کر
میں مرنے کے لئے چھوڑدیا اور ان کے چوبی مکانوں کو آگ لگا دی۔ پھر والگا کے کنارے
کے ایک اور بڑے شہر استرا خان پر حملہ کیا۔ سننے میں آیا ہے کہ اس کی فصیل برف
اونچی دیوار تھی۔ اہل شہر اس پر پانی ڈالتے رہتے تھے جو برف میں تبدیل ہو کر اسے اور
کر دیتا تھا۔ تیمور نے انہیں یاد دلایا کہ مغلوں نے بخارا کو جلایا تھا اور اس کی پاداش
انہیں قتل کروا دیا اور حاکم شہر کو منجمد دریا میں دفن کروا دیا۔

جب تیمور کے علم دریائے ڈان کے کنارے کنارے آگے بڑھے تو ماسکو میں ہلچل
گئی۔ روسی شہنشاہ فوج لے کر میدان میں اترا تو آیا مگر اسے کامیابی کی امید نہ تھی۔
برفانی گاڑیاں حضرت مریم کا مجسمہ لانے کے لئے ویشائی گورود بھیج گئیں اور جب یہ
پہنچا تو اسے ہزاروں کے عظیم الشان جلوس کے ساتھ ماسکو لے جایا گیا۔ لوگ پکار پکار
کہہ رہے تھے :

"اے مادر خداوند! روس کو بچالے!"

روسی اپنی نجات کو اسی کا کرشمہ بتاتے ہیں۔ تیمور ڈان ہی سے لوٹ آیا (85)۔

معلوم نہیں ہو سکا کہ تیمور ماسکو کیوں نہ گیا۔ مگر ماسکو کی یہ جاں بخشی یورپ کی ان بستیوں کے لئے مصیبت بن گئی۔ جو بحیرۂ آزاف کے کنارے آباد تھیں۔ وینس' جینوا' لیتھوانیا اور شکستہ کی فوجوں کو تاتاریوں نے شکستیں دیں اور ان کی بندرگاہیں' جہاں وہ غلاموں کی تجارت کرتے تھے' نذر آتش کر دیں۔

جس مملکت میں جوجی نے چنگیز خاں کا قانون نافذ کیا تھا وہاں اب سنہری غول کا آفتاب غروب ہو رہا تھا اور دنیا کا عظیم ترین فاتح اس کو روند رہا تھا۔ مغل خانوں کے پاس اب صحرائے گوبی اور شمالی ٹنڈرا کے سوا اور کچھ نہ رہا۔

بلاد شمال سے واپسی میں تیمور نے چکر کاٹ کر بحیرۂ خزر کے مغرب سے وطن آنے کا فیصلہ کیا تاکہ کوہستان قفقاز میں سے ایک شاہراہ نکالی جا سکے۔

اب صحرا کے رہنے والے قپچاق (86) اور برفانی خطوں میں بسنے والے فارلق (87) اس کے ہمراہ تھے۔ کوہستان قفقاز کے اونچے اونچے پہاڑوں اور گھنے جنگلوں نے سد سکندری بن کر دیگر فاتح افواج کا راستہ روک لیا تھا۔ مگر تیمور نے ان میں سے گزرنا شروع کر دیا تو راستہ بنانے اور جارجیا کے ان جنگجو باشندوں کو زیر کرنے کی ضرورت پڑی جو قدم قدم پر بڑی دلیری سے مزاحمت کر رہے تھے۔

پورا موسم سرما اسی میں صرف ہوگیا کیونکہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کے ذمے ایک ایسا کام لگا دیا تھا جو انسانی تدبیر کے بس کا نظر نہ آتا تھا۔ ایک جگہ جنگل اتنا گھنا تھا کہ اسمیں سے ہوا کا گزر بھی مشکل تھا۔ پستہ قد درختوں نیز دیوزاد اشجار کے ٹوٹے ہوئے تنوں پر' جو بیلوں اور جھاڑیوں تلے دبے ہوئے تھے' فرکے فلک رس درخت چھائے ہوئے تھے' چنانچہ وہاں صدیوں سے سورج کی شعاعیں نہ پہنچی تھیں۔ کہیں کہیں تھوڑی تھوڑی دھوپ پتوں میں سے چھنتی تھی مگر زمین پھر بھی غبار میں چھپی رہتی تھی۔ اس جنگل کو کاٹ کر راستہ بنایا گیا۔

قریب ہی نہایت دشوار گزار پہاڑوں میں ایک کوہستانی قبیلہ مقابلے پر آمادہ ہوا۔ اس کا قلعہ عمودی چٹانوں کے اوپر اتنی زیادہ بلندی پر تھا کہ اس تک تیر بھی نہ پہنچ سکتے تھے اور جب تاتاری اس کی طرف دیکھتے تھے تو چکر آنے لگتا تھا۔ مگر تیمور نے اس کو فتح کئے بغیر آگے بڑھنے سے انکار کردیا۔ وہ اپنی نئی شاہراہ پر ایسا کوئی مقام نہ دیکھنا چاہتا تھا جو مطیع نہ ہوا ہو اور بعد میں آمد و رفت میں خلل ڈالے۔

اس نے بدخشانیوں کو طلب کرکے اس قلعے تک پہنچنے کا راستہ ڈھونڈنے کا حکم دیا۔

بدخشانی پہاڑی باشندے تھے۔ اور ایسی چٹانوں میں بز کوہی کا شکار کرنے کے عادی تھے
شگافوں اور ابھری ہوئی چٹانوں کو بڑی دیر تک دیکھتے بھالتے رہے' اس کے بعد لوٹے
ناکامی کا اعتراف کیا۔ مگر تیمور آگے بڑھنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔ اس نے خود ایک اور پہاڑ
چڑھ کر وہاں سے قلعے والے پہاڑ کا معائنہ کیا اور سیڑھیوں بنا کرانہیں رسیوں سے جوڑ
ان کے ذریعے پہاڑ پر چڑھنے کا حکم دیا۔

یہ سیڑھیاں تین سو فٹ اونچی ایک چٹان پر لگائی گئیں' پھر انہیں قریب کے درخت
سے باندھا گیا اور سپاہی اس چٹان پر پہنچ گئے۔ اب انہوں نے سیڑھیاں اوپر کھینچ کر ا
اور چٹان پر لگائیں اور اس پر پہنچ گئے۔ یوں وہ چٹاں چٹاں آگے بڑھتے جا رہے تھے اور ا
دوسرے کو رسوں سے اوپر کھینچ رہے تھے۔ پاس ہی ایک اور جگہ مل گئی کہ وہ بھی سیڑھیا
لگانے کے قابل تھی۔ پھر وہ ایک ایسی چوٹی تک جا پہنچے جہاں سے تیر قلعے تک پہنچ
تھے۔ قلعے والے اس دوران میں اوپر سے وزنی پتھر پھینکتے رہے تھے' مگر جب تیر بر
شروع ہوئے تو انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس وقت تک سیڑھیاں بھی اوپر پہنچ چکی تھی۔ قلعہ
ہوگیا۔

اس طرح انہوں نے اس کوہستان کے متعدد قلعے ایک ایک کر کے فتح کر لئے اور ا
وادی میں جا پہنچے جو بحیرۂ خزر تک جاتی تھی۔ اب ان کے سامنے کوہ البرز کا سلسلہ تھا
شمالی ایران کو اس علاقے سے جدا کرتا ہے۔ یہاں بھی جا بجا جارجیا جیسے قلعے تھے۔ تیم
نے انہیں اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا۔ جو اطاعت قبول کر لیتے وہ حملے سے محفوظ رہتے
اس کے دو محاصرے تاریخ میں یادگار ہیں' ایک کلات (88) کا' دوسرا تکریت (89)
پہلا مقام ایک اونچی کشادہ سطح پر واقع تھا جس میں چشمے اور چراگاہیں موجود تھیں مگر ا
کے گرد دشوار گزار درے اور چٹانیں تھیں اور جگہ اس قدر تنگ تھی کہ فوج کے
معسکر بنانا بھی مشکل تھا۔ یہ گھاٹیاں دشوار گزرگاہ ثابت ہوئیں۔ چٹانوں کو عبور کرنا مشک
مگر اوپر پہنچنا اس سے بھی مشکل تھا۔ بعد میں نادر شاہ نے اپنے خزانے یہاں محفوظ
تھے۔

جب حملہ کامیاب نہ ہوا تو تیمور نے محاصرہ شروع کر دیا اور تھوڑی سی فوج وہاں چھ
کر باقی اپنے ساتھ لے کر آگے نکل گیا۔ کچھ دن بعد قلعے میں وبا پھیل گئی اور لوگ
اترنے پر مجبور ہوگئے۔ یوں یہ قلعہ بھی فتح ہوگیا۔ اس کے دروازے اور راستے آئ
استعمال کرنے کی غرض سے از سر نو درست کئے گئے۔

دوسرا قلعہ تکریت دجلہ کے کنارے ایک بلند پہاڑی پر تھا۔ اس میں ایک آزاد قبیلہ
رہتا تھا جو ہر راہ گیر کو بے دھڑک لوٹ لیا کرتا تھا۔ تیمور کے وہاں نمودار ہونے پر قبیلے کے
سرداروں نے فیصلہ کیا کہ قلعہ حملہ آور کے حوالے نہیں کیا جائے گا اور تمام دروازے
پتھروں سے چن کر درزیں چونے سے بند کر دیں۔

تاتاریوں نے نقاروں پر ضرب لگائی اور فوراً حملہ کر دیا۔ پہاڑ پر قلعے کے نیچے جو فصیل
تھی وہ تو آسانی سے فتح ہوگئی مگر مدافعت کرنے والے اندرونی حصار میں قلعہ بند ہوگئے۔
اس پر منجنیقوں سے وزنی پتھر پھینکے گئے' جن سے مکانوں کی چھتیں بیٹھنی شروع ہوگئی۔
مگر حصار کی دیوار چونکہ بلندی پر تھی اسے کوئی نقصان نہ پہنچ سکا۔ محاصرے کی تیسری
رات سید خواجہ نام ایک سردار بیرونی برجوں میں سے ایک پر قبضہ کرنے میں کامیاب
ہوگیا۔ مگر اس کے جوان حصار کی دیوار تک نہ پہنچ سکے۔ اب اونچے اونچے شہتیروں پر
سائبان ڈالا گیا اور اس کی آڑ میں تاتاری انجینئروں اور کھدائی کرنے والوں نے اپنا کام
شروع کر کے اتنی اونچائی پر باڑیں باندھ لیں کہ اس کے ذریعے حصار کی دیوار کی بنیاد تک
پہنچ گئے۔

حصار کے مختلف حصے مختلف دستوں کو سونپے گئے۔ بہتر ہزار آدمی مختلف اوزاروں سے
حصار کی بنیاد کھودنے میں مصروف ہوگئے۔ وہ باری باری کام کرتے۔ دن رات چھینیوں اور
کدالوں سے کام لیا گیا تو چٹان میں شگاف پڑنے شروع ہوگئے۔ ایک دستے نے تو پہاڑ میں
بیس فٹ لمبی سرنگ کھود لی۔ قلعے والے گھبرا گئے۔ انہوں نے تیمور کی خدمت میں تحائف
بھیجے مگر تیمور نے جواب دیا کہ ان کا سردار حسن حاضر ہو کر خود کو اس کے حوالے کرے۔
حسن کو یہ صورت قبول نہ تھی۔ حملے کا نقارہ ایک بار پھر بجا۔ ایک سرنگ میں لکڑیاں اور
جھاڑیاں بھر دی گئی تھیں اور ان پر تیل بھی چھڑک دیا گیا تھا۔ جب انہیں آگ دکھائی گئی تو
فصیل کے جو حصے اڑواڑوں پر ٹکے ہوئے تھے وہ گر پڑے اور ان کے ساتھ ساتھ بہت سے
قلعے والے بھی گرے۔ تاتاری شگاف میں سے اندر داخل ہو کر گری ہوئی فصیل کے
ڈھیروں پر چڑھ کر حملے کرنے لگے۔ دو سرنگیں اور تیار ہوگئی تھیں۔ تیمور نے ان کو بھی
آگ دکھانے کا حکم دے دیا۔ حصار کے چاروں طرف دھوئیں کے بادل پھیل گئے۔ جب
اور شگاف کھل گئے تو وزنی ہتھیاروں سے لیس فوجوں نے حملہ کر دیا۔ قلعے کے پیچھے ایک
اونچی جگہ تھی۔ قلعے والے اس کی طرف بھاگے مگر ان کا تعاقب کیا گیا۔ حسن کی مشکیں
باندھ کر نیچے لایا گیا۔ شہریوں کو سپاہیوں سے علیحدہ کر کے آزاد کر دیا گیا مگر سپاہیوں کو مروا دیا

گیا۔

ان کے سروں کے دو کلہ مینار (90) دریا کے ریت سے تعمیر کیے گئے اور ان کے
یہ کتبہ لگایا گیا:

"ڈاکوؤں اور باغیوں کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔"

لیکن اصل میں تو یہ کتبہ یوں ہونا چاہیے تھا کہ:

"تیمور کی اطاعت سے انکار کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔" (91)

ٹوٹی پھوٹی دیوار اسی طرح رہنے دی گئی۔ ایک عرصے تک لوگ تاتاریوں کی طاقت
ثبوت دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے رہے۔ مگر رات کو کوئی اس جگہ کے قریب جا
پھٹکتا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ رات کے وقت ان کلہ میناروں پر غیبی شعلے نظر آتے ہیں۔

تکریت کا قلعہ سر کرنے میں تیمور نے سترہ دن صرف کیے۔

اب اس کی مملکت میں بلاد شمال، بحیرۂ خوارزم، بحیرۂ خزر، ایران، اور کوہستان ق
بھی شامل ہوگئے تھے۔ خراسان کی تاریخی شاہراہ دو ہزار دو سو میل تک اس کی مملکت
سے گزرتی تھی۔ نیشاپور سے المالیق تک چودہ شہر اسے خراج دے رہے تھے۔

لیکن یہ عظیم الشان کامیابی بڑی بڑی قیمتی انسانی جانیں بھینٹ چڑھانے کے بعد حا
ہوئی تھی۔ امیروں میں سے پرانے چہرے اب نظر نہ آتے تھے۔ "بہادروں" کی تعداد
کم ہوگئی تھی۔ خطائی بہادر دریائے سیر کے کنارے مارا جا چکا تھا جہاں ان دنوں بر
بڑی شدت سے ہوئی تھی۔ شیخ علی بہادر کو جس نے ایک بار سنہری غول سے لڑائی
دوران میں اپنا خود سر سے اتار کر پھینک دیا تھا، غول کے ایک جاسوس نے خنجر مار کر ہلا
کر دیا تھا۔ تیمور کا منجھلا بیٹا عمر شیخ کوہستان قفقاز میں دشمن کے تیر سے ہلاک ہوگیا تو
موت تیمور سے تو کترا کترا کر نکل جاتی تھی مگر اس کی اولاد پر وار کرتی رہتی تھی۔ ایک
پہلے چھین چکی تھی، اب اس کے ایک اور بیٹے کو لے گئی۔

تیمور کو جب عمر شیخ کی سناونی ملی تو اس مرتبہ اس نے رنج و ملال بھی ظاہر نہ کیا۔ بل
آواز سے کہا: "خدا ہی نے دیا تھا، اسی نے واپس لے لیا۔" اور سمرقند کی جانب کوچ کا
دے دیا۔

راستے میں آق سرائے میں تھوڑے دن رکا۔ قصر سپید، جو شہر سبز کے قریب ایک
زار میں تھا، بن کر تیار ہو چکا تھا۔ یہاں تیمور نے دربار وغیرہ کچھ نہ کیا اور چند دن
آرام کیا۔

شہر سبز میں اس نے جہانگیر کی قبر پر گنبد بنوایا تھا۔ اسے دیکھنے گیا اور عمر شیخ کو بھی
جہانگیر ہی کی قبر میں رکھنے کے لئے اسے کشادہ کرنے کا حکم دیا۔

اب تیمور پہلے کی طرح ہنستا بولتا اور باتیں چیتیں نہ کرتا بلکہ چپ چپ رہتا تھا۔ شطرنج
کی بساط بچھائے دیر تک کچھ سوچتا رہتا اور سمرقند میں بہت ہی کم ٹھہرتا۔ اس نے آئندہ کے
بارے میں اپنے منصوبوں کا کسی سے کوئی ذکر نہ کیا مگر عمر شیخ کی موت کے بعد دور دراز
علاقوں پر حملوں کا آغاز کر دیا۔

نااہل ندیم اور نالائق مصاحب

اس وقت تک تاتاری فاتح نے جنوب کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ کوہ ہندو کش کے اس طرف ہندوستان تھا جس سے اسے تجارت کے سوا کوئی سروکار نہ تھا اور ایران اور تاتار کے درمیان شور صحراؤں کا ایک وسیع سلسلہ حائل تھا۔

یہ ایران کبھی شوکت و سطوت کا مرکز رہا تھا مگر اب ایک تباہ حال ملک تھا۔ عظیم مسلمان فرمانرواؤں کا مرمریں تخت اب ان کے ناخلف بیٹوں پوتوں کے قبضے میں تھا جو حکمران سے زیادہ شراب و کباب کے دل دادہ تھے اور اپنا وقت پھلوں میں ضائع کرتے تھے۔ گویا شہبازوں کے آشیانوں میں کرگس گھسے بیٹھے تھے۔

کہیں برہنہ زائرین دھوپ تاپتے نظر آتے' کہیں درویش لوگ طبلے کی تھاپ پر تھرکتے رہتے' گو آنکھیں ان سکوں پر جمی ہوتیں جو ان کے کشکول میں ڈالے جاتے۔ قبیلوں کے سردار خچروں پر بیٹھ کر نکلتے اور ان کے غلام ان کے سروں پر چھتر سے سایہ کئے ہوئے جلو میں چلتے۔ اکثر ریشمی جانمازیں مئے لالہ فام سے تر' اور بگلاسی سفید ڈاڑھیاں حشیش سے رنگی رہتیں۔

اس ملک کی زمین طبعی اعتبار سے سخت تھی مگر سورج کی تپش نے اسے بھربھرا کر ریتلا بنا دیا تھا۔ جب چاند نکلتا اور باغوں کی دیواروں پر چاندنی چھٹکتی ہوتی تو یہ جنت ارضی کا نمونہ بن جاتی مگر جب صحرا کی طرف سے جھلسا دینے والی لو چلتی تو اس کے باشندوں کو سانس لینا دوبھر ہو جاتا۔ تخت جمشید جو سکندر کے وقت میں پرسی پولس کہلاتا تھا' اس کے ستون اور زرد پتھر کے وہ فرش' جن پر سیمیرامس (92) کی کنیزوں نے مسحور کن رقص کئے تھے' یہ تمام یادگار تاریخی آثار ایران ہی میں تھے۔

حافظ شیرازی کے بقول' ایران کے مغنی اور موسیقار تمام دنیا میں لاثانی تھے کیونکہ ایسی دھنیں لاثانی موسیقار ہی نکال سکتے تھے جن پر شرابی' جو نشے میں دھت ہوتے اور سامعین' جو ہوش میں ہوتے' سبھی جھوم جھوم کر رقص کرنے لگتے۔

مگر ایران اتنے عرصے سے دولت مند چلا آرہا تھا کہ اب دولت و ثروت اس کے لئے باعث مصیبت بن گئی تھی۔ وہاں کے امیر لوگ شکی ہوگئے تھے اور غریبوں میں خودسری اور

خردماغی آگئی تھی۔

بادشاہ اپنے بیٹوں کی آنکھیں نکلوا دیتے اور بھائی اپنے بھائی کی موت پر مسکرا مسکرا کر کہتا کہ میں زمین کے اوپر ہوں اور میرا بھائی زمین کے نیچے پہنچ گیا ہے' اب ہم دونوں خدا کی زمین کے صحیح معنوں میں برابر برابر کے مالک بن گئے ہیں۔ ایران کے ایک ظریف نے کہا تھا کہ اس ملک میں قسمت بے وقوفوں کا ساتھ دیتی ہے' عالم وہ ہے جس میں روزی کمانے کی صلاحیت نہ ہو' خاتون وہ ہے جس کے کئی کئی عاشق ہوں اور بیوی وہ ہے جس کی کوئی پوچھ نہ ہو (93)۔

وہاں صوف پوش مشائخ شاعروں سے الہیات پر گرماگرم بحثیں کرتے رہتے اور شہزادوں کے گرد یاران ہم پیالہ یعنی مہ وش ساقیوں کا ہجوم رہا کرتا۔ نقال' مسخرے' لفظی صنائع و بدائع کے ماہر' ممدوح کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے والے' دو شالوں میں لپٹے ہوئے بھکاری اور دو چار شاعر' جن کے کلام کو الہام کا درجہ دیا جاتا تھا' ان کے ندیم اور مصاحب بنے ہوئے تھے۔ یہ شہزادے دختر رز پر جان دیتے' جسے اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ زرہ پہن کر جنگ میں شامل ہونے کے بجائے' رزمیہ شاعری پر سر دھنتے اور ہر وقت عالم خیال میں گم رہتے تھے۔

ہم فقط چلتی پھرتی پرچھائیاں ہیں۔
جادو کی' جو کبھی نظروں کے سامنے آتی اور کبھی اوجھل ہو جاتی ہیں'
آفتاب سے اکتساب ضیا کرنے والے فانوس کے گرد'
جسے تماشاگر نے تھام رکھا ہے' آدمی رات کے اندھیرے میں۔ (94)

اگر کوئی ان کے مذہب کی توہین کرتا تو اسے سنگسار کرا دیتے مگر خود جام ہاتھ میں تھام کر مذہب کا مضحکہ اڑاتے اور اسے بے مصرف بتاتے۔ وہ ایشیا کے یونانی تھے۔ کبھی عیش پرستی میں ڈوب جاتے' کبھی تحفظ مذہب کے لئے جانیں دینے کو تیار ہو جاتے اور انہیں تاتاریوں سے خاص طور پر نفرت تھی جنہیں بے دین سمجھتے تھے۔

ایران کا بادشاہ شاہ شجاع' جو حافظ کا ممدوح تھا' شراب شیراز' پری رخوں اور شمع و پروانہ کی فضاؤں کا دلدادہ تھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسے یاد آیا کہ اس نے عرصہ ہوا' تیمور سے دوستی کا عہد کیا تھا۔ جب اسے اپنی موت قریب نظر آنے لگی تو سفر آخرت کی تیاری بڑے اہتمام سے شروع کی۔ اپنا کفن اپنے سامنے تیار کرایا' اسی طرح تابوت بھی اپنے سامنے بنوایا اور تیمور کو' جس سے وہ کبھی نہ ملا تھا' یہ خط (95) لکھوایا :

"جنھوں نے اس دنیا کو غور سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتنی ناپائیدار ہے۔ عقل مند نہ اس کی فانی اشیاء کی طرف مائل ہوتے ہیں' نہ اس کے حسن اور لذتوں کو اہمیت دیتے ہیں کیونکہ انھیں ان کے ناپائیدار ہونے کا علم ہے۔

جو عہدنامہ میرے اور آپ کے درمیان ہوا تھا اس کے سلسلے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ میں آپ کی دوستی حاصل کرلینے کو اپنی ایک بہت بڑی کامیابی سمجھتا ہوں اور میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ عہدنامہ میرے ہاتھ میں ہو' تاکہ آپ مجھے عہد شکنی کا مجرم قرار نہ دیں۔

اب خالق کائنات کے دربار میں میری طلبی ہوئی ہے اور میں اس پر شکر بجا لاتا ہوں کہ گو ایسے ناگزیر قصور اور گناہ' جو خاکی انسان کی سرشت میں داخل ہیں' مجھ سے ضرور سرزد ہوئے ------ اور ترپن سال کی اس زندگی میں' جو میں نے اس دنیائے آب و گل میں بسر کی' کون سا عیش ایسا تھا جس کی لذت میں نے نہیں چکھی ------ مگر ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کررہا ہو۔

غرض میں نے بے لوث زندگی بسر کی ہے اس لئے اپنے انجام کی طرف سے مطمئن جارہا ہوں۔ میں نے دنیا کی فضولیات ترک کر دی ہیں اور بارگاہ ایزدی میں میری یہ دعا ہے کہ خدا اس بادشاہ (تیمور) کو سلامت رکھے جو سلیمان جیسا دانا اور سکندر جتنا عظیم ہے۔

میں جانتا ہوں کہ آپ سے اپنے جگر گوشے زین العابدین کی سفارش کرنا ضروری نہیں' خدا اسے آپ کے سائے میں خوش و خرم رکھے' میں اسے خدا کے اور آپ کے سپرد کرتا ہوں اور اس بدگمانی کی گستاخی ہرگز نہیں کرسکتا کہ آپ اپنے عہد پر قائم نہ رہیں گے۔

میں آپ سے اپنے اس مخلص دوست کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہنے کی گزارش کروں گا جو خوش ہے کہ اس دنیا سے سفر کرتے وقت اسے آپ کی دوستی حاصل ہے۔ اور امید کرتا ہوں کہ آپ جیسے عظیم اور اقبال مند تاجدار کی دعا کے وسیلے سے خدا

مجھے بخش دے گا اور قیامت کے دن اپنے پیارے بندوں کے ساتھ اٹھائے گا۔ آپ سے بس اتنی ہی درخواست ہے کہ اپنے دوست کی آخری گزارش کو قبولیت کا شرف بخشئے ورنہ قیامت میں جوابدہ ہوں گے۔"

معلوم ہوتا ہے اسی مضمون کا ایک خط' ایسے ہی تحائف سمیت جو تیمور کو بھیجے گئے تھے' بغداد بھی ارسال کیا گیا تھا۔ (84) کچھ عرصے بعد شاہ شجاع نے داعی اجل کو لبیک کہی تو دس شہزادے مملکت کے مختلف حصوں پر دعویدار بن کر ٹوٹ پڑے۔ ایک نے اصفہان دبا لیا' دوسرا فارس پر قابض ہوگیا' تیسرے نے شیراز پر قبضہ جما لیا اور باقی صوبے اوروں نے ہتھیا لئے' غرض ہر ایک نے اپنی حکومت قائم کرلی' اور بعض نے اپنے نام کے سکے بھی ڈھال لئے اور لگان تو ہر ایک ہی نے بڑھا دیا اور پھر جن علاقوں پر ابھی تک دعویٰ نہ جتایا تھا ان پر بھی قبضہ کرنے کے لئے لڑنے لگے۔ یہ سب شہزادے آل مظفر تھے۔ ان کے رویئے سے پرانی مثل "اقارب چوں عقارب" اور بھی چبھتی ہوئی کہاوت بن گئی۔

1386ء کے موسم سرما میں' جب دھند نے صحرا کی آب و تاب کو دھندلا رکھا تھا' تیمور شمال سے ایران میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ستر آزمودہ کار لشکر تھے جو بڑے اطمینان اور دلجمعی سے کوچ کررہے تھے۔ جب وہ اصفہان (97) پہنچے تو اس شہر کی شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ گنبدوں کے اس شہر میں بے شمار سایہ دار خیاباں اور چھتے ہوئے بازار تھے اور پلوں پر بھی بازاروں جیسی چہل پہل رہتی تھی۔ ابن بطوطہ نے جو ان سے کچھ عرصے پہلے اس شہر سے گزرا تھا' بیان کیا ہے: "ہم باغات اور پرفضا دیہات میں سے گزرے۔ ہر طرف نہریں رواں تھیں اور سڑک کے کنارے جابجا کبوتروں کی چھتریاں تھیں۔ ہرچند اس شہر کو خانہ جنگی سے نقصان پہنچ چکا ہے مگر یہ اب بھی ایک وسیع اور خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کے آلوچے' بہی اور خربوزے بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ جس طرح ہم افریقہ میں انجیر کو خشک کرلیتے ہیں' یہ لوگ بہی کو خشک کرکے رکھ لیتے ہیں۔ اصفہان کے لوگ قدآور ہیں' ان کا رنگ گورا ہے اور چہروں پر غازہ ملتے ہیں۔ بڑے خوش اخلاق ہوتے ہیں اور دعوتیں کھلانے اور مہماں نوازی کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہنا چاہتے ہیں چنانچہ بلاتے ہیں صرف شیر اور نان کھلانے کے لئے' مگر ریشمی چادروں تلے انواع و اقسام کی لذیذ مٹھائیاں رکھی ہوتی ہیں۔"

تیمور جب اصفہان پہنچا تو گو اس کی جنگی تیاریاں مکمل تھیں مگر وہ جنگ کرنے پر آمادہ

نہ تھا۔ اسے شاہ شجاع کا خط یاد تھا۔ لیکن ایک شکایت ہوگئی تھی کہ آل مظفر نے اس کے
سفیر کو بلاوجہ روک رکھا ہے' پھر کئی سال سے وہاں کی خانہ جنگی کا تماشا بھی دیکھ رہا تھا
چنانچہ اب خود حالات معلوم کرنے پہنچ گیا تھا۔

اس کے استقبال کے لئے اصفہان کے امرا زین العابدین کے خالو سید مظفر کاشی کی
پیشوائی میں شہر کے باہر پہنچے۔ تیمور ان سے خندہ پیشانی سے ملا' تحائف پیش کئے اور قالین
پر اپنے پاس بٹھا کر اصفہان کے بارے میں گفتگو شروع کی۔

اسے تکلفات سے نفرت تھی' اس لئے فوراً مطلب کی بات کہہ دی کہ "میں تم سب
کو امان دیتا ہوں۔ تمہارا شہر بھی برباد نہیں کیا جائے گا۔ البتہ خراج دینا ہوگا۔"

آل مظفر جانتے تھے کہ ایک لاکھ فوج ایک ہزار میل کی مسافت طے کر کے آئی ہے تو
اب خالی ہاتھ واپس نہیں جا سکتی' وہ خراج ادا کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ خراج کی رقم معین کی
گئی اور انہوں نے تیمور سے درخواست کی کہ یہ رقم وصول کرنے کے لئے اپنے محصل شہر
میں بھیج دے۔ ہر لشکر میں سے ایک ایک سردار ایک ایک محلے میں روپیہ وصول کرنے گیا
اور ان سب پر ایک اعلیٰ مرتبت امیر مقرر کیا گیا۔

اگلے دن تیمور جلوس کی شکل میں شہر سے اس طرح گزرا کہ بڑے بڑے بازاروں سے
ہوتا ہوا اپنے معسکر واپس پہنچا اور دروازوں پر فوجی دستے بٹھاتا آیا تاکہ شہر کو قابو میں
رکھیں۔

اس رات تک امن و امان تھا۔ ستر ہزار سپاہی دو مہینے کے سفر کے بعد ایک آباد شہر
میں پہنچے تھے' اس عرصے میں ان کے لئے کسلمندی رفع کرنے اور دل بہلانے کا کوئی سامان
نہ ہوا تھا' اصفہان کے چراغوں نے ان کے دلوں میں کسک پیدا کر دی۔ جو دستے کسی کام سے
شہر بھیجے جاتے وہ کسی نہ کسی بہانے وہاں کی سیر کرنے کے لئے رک جاتے۔ بعض ایسے بھی
تھے جنہوں نے شہر جانے کے لئے بہانے تراش لئے۔ غرض تیمور کے سپاہی شہر میں خاصی
تعداد میں جمع ہوگئے اور شراب خانے ان اجنبیوں سے بھر گئے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ
شہر کے خود سر قسم کے نوجوان ایک لہار (97) کی رہنمائی میں جمع ہوگئے' نقارہ بجا بجا کر
مذہبی جذبات کو مشتعل کیا اور پکارتے پھرے۔ "اے مسلمین! اٹھو!! تمہارا دین خطرے میں
ہے!!!"

لوگ گھروں سے نکل آئے۔ گلی گلی کوچے کوچے مجمعے ہوگئے۔ اس وقت تک تاتاری

سپاہی شہر میں پرامن طریقے سے چل پھر رہے تھے' مگر اب ان میں اور ایرانیوں میں لڑائیاں
ہونے لگیں۔ بعض بعض محلوں میں تو عقل مند لوگوں نے تاتاریوں کی جانیں بچا لیں مگر
اکثر مقامات پر وہ ہجوموں کے ہاتھوں مارے گئے۔

جب ایک بار خوں ریزی شروع ہو جائے تو پھر اسے روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ باشندگان
شہر مشتعل ہو چکے تھے' انہوں نے شہر کے دروازوں پر جو تاتاری دستے مامور تھے ان پر بھی
حملہ کیا اور انہیں تہ تیغ کر کے یہ دروازے بند کر لئے۔

اگلی صبح جب تیمور کو معلوم ہوا تو وہ غصے سے تھرا اٹھا۔ قریب قریب تین ہزار تاتاری
مارے گئے تھے۔ ان میں تیمور کا ایک منظور نظر امیر' نیز شیخ علی بہادر کا بیٹا (98) بھی شامل
تھا۔ تیمور نے فوراً شہر کی فصیل پر حملے کا حکم دے دیا۔ جو ایرانی امرا معسکر میں موجود تھے
وہ منت سماجت کرنے لگے' جانتے تھے کہ ہجوم نے جنگ کا کھیل تو تھوڑی دیر کھیل لیا مگر
دفاع اس کے بس کا نہیں ہے مگر تیمور نے ان کی ایک نہ سنی اور دروازوں پر ہلا بول کر
قتل عام کا حکم جاری کر دیا۔ ہر سپاہی کو تاکید تھی کہ ایک ایرانی کا سر کاٹ کر حاضر کرے۔
شہر کے جو محلے پرامن رہے تھے ان کے متعلق ہدایت یہ تھی کہ انہیں ضرر نہ پہنچایا جائے
اور شہر کے شرفا اور معززین کو بھی بچانے کی کوشش کی گئی مگر باقی اہل شہر کو بے دریغ تہ
تیغ کر دیا گیا۔ سارے دن قتل عام جاری رہا۔ جو بدقسمت رات کو اندھیرے میں بچ کر شہر
سے بھاگے انہیں اگلے دن برف سے ڈھکے ہوئے میدان میں گھیر گھیر کر قتل کیا گیا۔

جو تاتاری شہریوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے نہ چاہتے تھے انہوں نے ایرانی سر
اپنے ساتھیوں سے خرید خرید کر حاضر کئے۔ شروع شروع میں ایک سر کی قیمت بیس ہزار
دینار تھی' بعد میں نصف دینار رہ گئی اور جب ضرورت نہ رہی تو خریداری بند ہوگئی۔ ان
سروں کو پہلے تو شہر کی دیواروں پر چن دیا گیا' پھر شاہ راہوں پر ان کی کلہ مینار بنائے گئے۔

اس قتل عام کا جس میں اصفہان کے ستر ہزار کے قریب باشندے مارے گئے' پہلے سے
کوئی منصوبہ نہیں بنایا گیا تھا' تیمور نے اچانک غصے میں آکر اپنے بے گناہ سپاہیوں کا انتقام
لیا۔ مگر یہ انتقام تھا۔ انتہائی سنگین اور ظالمانہ۔ آل مظفر کے باقی شہزادے اس کی خبر سن کر
ہی سہم گئے اور انہوں نے خاموشی سے اطاعت کر لی' صرف شوستر کے حکمراں منصور نے
اطاعت قبول نہیں کی اور پہاڑوں میں جا چھپا۔

شیراز اور دیگر شہروں نے خراج چپ چپاتے ادا کر دیا اور تیمور کا نام خطبے میں پڑھا
جانے لگا۔ ادھر تیمور نے ہر مظفری شہزادے کو اختیار حکومت کا پروانہ دیا جس پر اس کی

سرخ رنگ کی مہر ثبت تھی۔ اب وہ اس کی طرف سے صوبوں کے حاکم تھے اور وہ ان
حکمران اعلیٰ تھا‘ مملکت ایران ان کے زیر حکومت اسی حالت میں رہ سکتی تھی کہ انہیں تیم
کی خوشنودی حاصل ہو۔ جب تیمور کو یہ معلوم ہوا کہ ایران کے باشندوں پر بھاری بھار
محصول عائد ہیں تو اس نے محصول گھٹا دیئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جن دنوں تیمور شیراز میں تھا‘ اس نے خواجہ حافظ کو طلب کیا۔ و
نہایت سادہ لباس میں حاضر ہوئے جس سے شاید اپنا افلاس ظاہر کرنا مقصود تھا۔

تیمور نے کسی قدر خفگی سے پوچھا: ”یہ تمہارا ہی شعر ہے۔ اگر آن ترک شیراز
بدست آرد دل مارا۔ بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را؟“

حافظ نے جواب دیا: ”ہاں اے شاہ شاہاں! یہ شعر میرا ہی ہے!“

تیمور نے کہا: ”میں نے تو بہ صد مشکل تلوار کے زور سے سمرقند فتح کیا‘ اور اب د
کے اور شہروں سے نوادر لے جا لے جا کر اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا ہوں مگر تم ی
سمرقند شیراز کی دو کوڑی کی کسی چھوکری کو بخش رہے ہو!!!“

شاعر نے ایک لمحہ تامل کیا‘ پھر مسکرا کر بولا: ”اے امیر! ایسی ایسی غلط بخشیوں ہی کا
یہ نتیجہ ہے کہ آج اس افلاس زدہ حالت میں ہوں۔“

تیمور حافظ کے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اسے انعام و اکرام دے کر رخصت
کیا۔

تیمور ایران کے کئی مطربوں کو سمرقند لے گیا مگر بعد میں ان نااہل ندیموں کو ساتھ لا
پر پچھتایا۔ اس کا منجھلا بیٹا میراں شاہ‘ جو شروع سے خودسر تھا‘ ان کی ہم نشینی کی وجہ سے
شراب کا دلدادہ ہوگیا۔ وہ وقت پڑنے پر دلیری بھی دکھاتا تھا مگر طبعاً“ بڑا ظالم اور سفاک
تھا۔ صرف اس وقت ٹھیک رہتا جب تیمور کے ماتحت کسی مہم میں شریک ہوتا۔

اس کے برسوں بعد تیمور نے بحیرۂ خزر کے علاقے کی حکومت میراں شاہ کے حوالے کی
تو ہندوستان میں ایک سال کی مہم کے بعد واپس آکر یہ سنا کہ وہ نیم پاگل ہو چکا ہے۔
تاتاری افسروں نے اس کے عجیب عجیب حرکتیں کرنے کا حال سنایا ----- ”کبھی جھروکے
سے ہجوم پر زر و جواہر کی بارش شروع کر دیتا‘ کبھی کسی مسجد میں بیٹھ کر شراب پینے لگتا۔“
انہوں نے بتایا کہ میراں شاہ کہتا ہے: ”میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو اس وقت پوری دنیا پر
حکمرانی کررہا ہے‘ مجھے بھی تو کوئی ایسا کام کرنا چاہئے جس سے میری یاد بھی باقی رہے۔“
(اس کا دماغ خراب ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ایک دن گھوڑے سے گر پڑا تھا جس سے

سر میں چوٹ آئی تھی۔)

اور تو اور اس نے تبریز اور سلطانیہ میں مریض خانوں اور محلات کو بھی مسمار کرنے
کے احکام جاری کر دیئے تھے۔ امیر تیمور کے فرزند کا حکم تاتاریوں کے لئے اٹل قانون کا
حکم رکھتا تھا‘ چنانچہ مذکورہ عمارات گرانے کا کام فوراً شروع کر دیا گیا۔ مگر اس وہمی نے اس
کے بعد اور بھی زیادہ عجیب حرکتیں شروع کر دیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ ایک مشہور
ایرانی فلسفی کی لاش اس کی قبر سے نکال کر یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرائی۔ غرض
کثرت شراب نوشی اور منشی اشیاء استعمال کرنے کی وجہ سے اس کا دماغ معطل ہو چکا تھا۔

افسروں نے یہ سب باتیں تیمور کو بتانے کے بعد کہا: ”اصل میں خدا نے اس پر
عذاب نازل کیا ہے‘ اسی لئے تو جب گھوڑے سے گرا تو اس کا سر زمین سے ٹکرایا۔“

جب وہ چلے گئے تو ایک عورت تیمور کے محل کے دروازے پر نمودار ہوئی۔ اس کے
چہرے پر نقاب‘ اور جسم پر سیاہ لباس تھا‘ اور کوئی ملازم یا غلام ساتھ نہ تھا۔ مگر اس کے
سرگوشی میں ایک لفظ کہتے ہی دروازہ کھول دیا گیا‘ دربانوں نے احتراماً“ سر جھکا لئے اور
حاجب کو فوراً تیمور کے حضور میں بھیجا۔

اس نے تیمور کو اطلاع دی: ”حضور کی بہو صاحبہ باریابی کی منتظر ہیں اور تنہا ہیں۔“

یہ خان زادہ تھی جو کبھی تیمور کے بڑے بیٹے جہانگیر کی دلہن بن کر آئی تھی۔ مگر آج
فریادی بن کر تیمور کے پاس پہنچی تھی اور مذکورہ افسروں کے جانے کا بے چینی سے انتظار
کرتی رہی تھی۔ سیاہ ماتمی لباس اس کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا۔ اس نے اپنے حسین چہرے
سے نقاب الٹا تو فضا جیسے چمک اٹھی۔ وہ تیمور کے پاؤں میں گر پڑی اور کہا: ”اے امیروں
کے امیر! میں آپ کے فرزند میراں شاہ کے شہر سے آئی ہوں۔“

اس نے فاتح عالم کے حضور میں دلیرانہ عرض حال کی۔ یہ وہی خان زادہ تھی جس نے
کبھی اپنی ذہانت سے اپنے ان رشتے داروں کو بچایا تھا جنہیں تاتاری آندھی کبھی کا تتر بتر کر
چکی تھی۔ اس کی آواز میں اس کامیابی کی کھنک تھی جسے وہ الفاظ میں ادا نہ کر سکتی تھی۔
اس نے بتایا کہ اس نے اپنے ملازموں اور دربار سمیت ایک ایسے شہر میں سکونت اختیار کی
جو میراں شاہ کی عملداری میں تھا۔ جب میراں شاہ کا دماغ پھرا اور وہ احمقانہ حرکتیں کرنے
لگا تو خان زادہ نے اسے لعنت ملامت کی اس پر میراں شاہ خان زادہ کو ملازموں کے روکنے
کے باوجود‘ زبردستی اپنے محل میں لے گیا۔ وہاں اس کے حسن سے اپنے نفس کی بھوک
مٹائی اور اس کے بعد اسے آبروباختہ ہونے کا طعنہ دیا۔ (99)

"اے امیر!" خان زادہ نے کہا: "میں آپ سے پناہ کی درخواست کرتی اور عدل کی بھیک مانگتی ہوں۔"

خان زادہ اس جہانگیر کی بیوہ تھی جو تیمور کا سب سے چہیتا بیٹا تھا اور جسے وہ اپنا جانشین سمجھتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد، تاتاریوں کے قانون وراثت کے مطابق، اب میراں شاہ تخت و تاج کا مالک تھا کیونکہ وہ تیمور کے زندہ بیٹوں میں سب سے بڑا تھا۔ صحرا نشین خوانین کے زمانے سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ کسی بادشاہ کے پہلے چار بیٹے اس کے وارث بن سکتے تھے۔ تیمور کے چار بیٹوں میں سے جہانگیر اور عمر شیخ مر چکے تھے۔

زندہ اولاد میراں شاہ اور شاہ رخ ہی تھے۔ شاہ رخ ملکہ سرائے خانم کے بطن سے تھا۔ مگر وہ خان زادہ کے ہاں جہانگیر سے جو دو بچے (100) ہوئے تھے ان سے کچھ ہی بڑا تھا اور نفیس طبع، نرم دل، اور حکومت کے بجائے کتابوں کی طرف زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے اپنے بھائیوں سے بالکل مختلف تھا۔ اس لئے تیمور کا جانشین میراں شاہ ہو سکتا تھا یا خان زادہ کا کوئی بیٹا۔ تیمور نے میراں شاہ کو بہت وسیع مملکت دے دی تھی مگر اس نے عیاشی میں پڑ کر اس مملکت کا نظام درہم برہم کردیا۔ شاید خان زادہ نے میراں شاہ کے ایک شہر میں سکونت اسی لئے اختیار کی ہو کہ اس پر اپنے حسن و جمال کا جادو ڈال کر قضیہ کھڑا کرے اور اس طرح اپنی اولاد کے لئے راستہ صاف کرے، شاید اس کے بے پناہ حسن ہی نے وہ آگ لگائی ہو، جس سے میراں شاہ جل کر خاکستر ہوگیا۔

سالہا سال بعد امیر زادہ خلیل ایک ایسی کشمکش کا باعث بن گیا جس کا خان زادہ کو اس وقت گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔

بہرحال اس وقت اس کی دلیری قابل تعریف تھی۔ وہ بادشاہ وقت سے اس کے فرزند کے خلاف فریادی اور داد طلب تھی۔ اور تیمور نے بھی داد رسی میں دیر نہ کی۔ خان زادہ کے تمام مالی نقصانات کی فوراً تلافی کردی اور امیر تیمور کے فرزند رشید جہانگیر کی بیوہ جن مناصب کی حقدار تھی وہ سب اسے عطا کئے۔ ہرچند اس وقت وہ دور کے سفر سے لوٹا تھا تاہم اسی دم گھوڑا طلب کیا اور اپنے افسروں کو ساتھ لے کر سلطانیہ روانہ ہوگیا۔

وہاں جب اس نے میراں شاہ کی بد نظمیوں کی تحقیق کرلی تو کھڑے کھڑے سزائے موت کا حکم صادر کر دیا مگر امرا نے جن میں ایسے امرا بھی شامل تھے جنہیں اس سے نقصان پہنچے تھے، شہزادے کی سفارش کی۔ میراں شاہ کو گلے میں رسی ڈال کر باپ کے سامنے لایا گیا۔ تیمور نے امرا کے کہنے سے اس کی جاں بخشی تو کر دی مگر تمام اختیارات و مناصب چھین لئے اور دل شکست اور محروم اقتدار میراں شاہ کو اسی صوبے میں رہنا پڑا۔ جہاں اس کی

جگہ کوئی اور حکمراں مقرر ہوا۔

کچھ عرصے بعد روئے دے گونزالز کلاویہو سمرقند جاتے ہوئے سلطانیہ سے گزرا، اس نے جو کچھ وہاں سنا اسے نہایت صفائی سے قلمبند کر دیا ہے وہ لکھتا ہے:

"جب میراں شاہ یہ حرکتیں کررہا تھا ان دنوں اس کے پاس ایک عورت گان زادہ تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی اور چوری چھپے دن رات سفر کرتی ہوئی امیر تیمور کے حضور میں پہنچی۔ اس نے تیمور کو میراں شاہ کے کرتوت سے آگاہ کیا۔ تیمور نے بیٹے سے حکومت چھین لی۔ یہ عورت گان زادہ تیمور کے پاس رہنے لگی اور وہ اس کے ساتھ نہایت احترام سے پیش آیا۔ اور کچھ عرصے بعد واپس جانے کی اجازت دے دی۔ میراں شاہ سے اس عورت کے ہاں ایک لڑکا ہوا تھا جس کا نام خلیل سلطان تھا۔"

میراں شاہ کے مصاحبوں اور درباریوں پر تیمور کا قہر اس شدت سے نازل ہوا کہ وہ سب گویئے، مسخرے اور بعض مشہور شعرا بھی، جو اس کے ندیم بنے ہوئے تھے، قتل کر دیئے گئے۔ میراں شاہ کا درباری مسخرہ اس وقت بھی جب وہ مقتل میں لائے گئے اپنے مسخرے پن سے باز نہ آیا۔ جب سب جلاد کے چبوترے کے قریب پہنچے تو اپنے سے زیادہ بلند مرتبہ رکھنے والے درباریوں کو مخاطب کرکے کہنے لگا: "شہزادے کے دربار میں آپ کو مجھ پر فوقیت حاصل تھی، یہاں بھی پہلے آپ ہی چلئے۔"

تیمور کی سلطنت

1388ء تک، ترپن سال کی عمر میں تیمور وسطی ایشیا اور ایران کا، جو خانہ جنگی اور بغاوت کے لئے مشہور تھے، مسلمہ مالک بن گیا۔ وہ ہر لحاظ سے شہنشاہ تھا مگر اس کے نام کے ساتھ لفظ شہنشاہ نہ لکھا جاتا تھا اور وہ صرف امیر تیمور گورگاں (101) کہلاتا تھا۔ بادشاہ اب بھی ایک خان (102) تھا جو چنگیزی نسل کا "ترا" تھا۔

مگر وہ برائے نام بادشاہ تھا، نہ کچھ اختیارات نہ کوئی ذمہ داری، البتہ فوج کے ایک لشکر کا کماندار ضرور سمجھا جاتا تھا اور سمرقند میں اس کے تصرف میں ایک محل بھی تھا اور بعض رسوم مثلاً سفید گھوڑے کی قربانی میں، جب عہد ناموں کی توثیق ہوا کرتی، یا سالانہ معائنے میں، جب دو لاکھ فوج تاتاری علم کو سلامی دیا کرتی، وہ ضرور شامل ہوتا۔ تاریخوں میں اس کا نام شاذ و نادر ہی آتا ہے۔ جوں جوں تیمور کا آفتاب اقبال چڑھتا گیا اس کا ستارہ ماند پڑتا گیا۔ مگر اس کے باوجود وہ اس فوجی شان و شوکت کے ماحول میں، جس میں اس کا حصہ ہر سال کم ہوتا جارہا تھا، خوش تھا۔

تیمور کی اس روزافزوں مملکت کا کوئی نام بھی نہ تھا۔ وہ اب بھی ماوراء النہر ہی کا امیر کہلاتا تھا حالاں کہ اس کا نام ان تمام ممالک میں خطبے میں پڑھا جاتا تھا جن کے اپنے اپنے نام تو تھے مگر جو تیمور کی اس مملکت میں شامل تھے جس کا کوئی نام نہ تھا۔

اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وسطی ایشیا کے باشندے ہمیشہ سے اپنے قبائلی سرداروں کے ماتحت رہے تھے۔ اگر کبھی اپنے سردار سے ناخوش ہوتے تو کسی اور ملک میں چلے جاتے اور اپنا جان و مال وہاں کے سردار کے سپرد کر دیتے، اور اگر اب بھی ناخوش ہوتے تو اپنے کسی ساتھی کو سردار بنا لیتے اور پھر اس کے لئے جان تک دینے سے دریغ نہ کرتے۔

وہ اپنے نام اور قبیلے پر فخر کرتے، شخصی آزادی اور رسوم و رواج سے حاصل مراعات کے تحفظ کے لئے جان پر کھیل جاتے، مطلق العنان بادشاہوں کے گرویدہ ہوتے، مگر اس کے ساتھ شخصی آزادی کی حفاظت بھی کرتے، اور خانہ بدوشوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے نئی باتوں سے ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے۔ غارت گری ان کے خون میں رچی ہوئی تھی چنانچہ شکار کے انتظار میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر گدھوں کی طرح حلقے باندھ کر بیٹھے رہتے۔ مگر حضرت

سلیمان کے قصے، ذوالقرنین (103) کی فتوحات کی داستانیں اور تخت زریں پر بیٹھنے والے محمود کے واقعات خوب سنتے اور سناتے۔ وہ اپنے شجرۂ نسب کو حضرت نوح سے ملاتے اور اپنے کو پیغمبروں کی نسل بتاتے تھے۔

مکہ معظمہ کے راستے میں جتنے مزار آتے تھے، ان سب سے واقف تھے اور ان کا پورا حال جانتے تھے۔ انہیں توریت بھی ازبر تھی، کتابوں کے حوالے بھی خوب دیتے تھے اور جرح قدح کرنے میں بھی طاق تھے یہ بات اس لئے چنداں موجب حیرت نہیں کہ انہیں بعض ایسے شجرۂ ہائے نسب زبانی یاد تھے جو طوفان نوح کے زمانے تک جاتے تھے۔ وہ حکومت کے قوانین کی کچھ پروا نہ کرتے مگر قبائلی روایات کے تحفظ کے لئے جان تک دینے پر آمادہ رہتے۔ انہیں سودخوری سے نفرت تھی اور لگان وصول کرنے والوں میں سے جو انہیں تنگ کرتے وہ ان کے خنجر کا شکار ہو جاتے۔

وہ تیمور سے اس وقت تک لڑتے رہے جب تک انہیں یہ یقین نہ ہوگیا کہ اس سے لڑنا بیکار ہے۔ پھر اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے نمک خوار بن گئے۔ ایسے انسانوں پر حکومت کرنے کے لئے فولاد کے ہاتھوں کی ضرورت تھی، اور ایسے ہاتھ تیمور (فولاد) ہی کے ہو سکتے تھے۔

وہ اس سے پہلے کبھی متحد نہ ہوئے تھے محمود نے ان میں سے بعض کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا تھا۔ چنگیز بھی ان تک پہنچا تھا اور اس نے ان کو اپنے ساتھ ملا کر گویا اس طرح متحد کرلیا تھا مگر اس کی موت کے بعد انہوں نے ایک بار پھر نئے نئے سردار بنا لئے اور منتشر ہوگئے۔

اب وہ صرف ایک بات میں متحد تھے، اور وہ بھی تیمور کی اطاعت۔ مگر انہیں متحد رکھ سکنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا بھیڑیوں کو قابو میں رکھنا۔

دنیا کا کوئی قانون ایسا نہ تھا جس سے انہیں قابو میں رکھا جا سکتا ہو۔ ان کی روایات ہی سرکشی کی ترغیب دیتی تھیں۔ کاشغر کے سنگ یشب ڈھونڈنے والے ہندوکش پہاڑ کے لٹیرے، جتہ اور سنہری غول کے بقیہ السیف جنگجو قبائل، خراسان کے ایرانی شہزادے اور عرب کے شجاع شہسوار، ان سب کو قابو میں رکھنا تقریباً ناممکن تھا۔

اس لئے تیمور خود قانون بن گیا۔ وہ اپنی مملکت کی نئی اقوام اور قبائل کے لئے خود احکام نافذ کرتا تھا۔ ہر وہ شخص جس میں ہمت ہو اس کے حضور میں باریاب ہو سکتا تھا۔ کوئی اس کا منظور نظر نہ تھا جس کا کہا ماننے پر وہ مجبور ہو۔ جب کوئی نیا ملک فتح ہوتا یا

خود بخود اطاعت قبول کرتا تو اسے اپنے کسی بیٹے یا کسی بڑے امیر کو بطور جاگیر دے دیتا اور یہ ملک ایک صوبے کی حیثیت اختیار کر لیتا۔ اس کا حاکم داروغہ کہلاتا جو براہ راست تیمور کے ماتحت ہوتا۔ داروغہ کے ساتھ ایک قاضی بھی مقرر کیا جاتا تھا۔ تاتاری فوج میں سپاہی اپنی مرضی سے بھرتی ہوتے' البتہ مزدور جبراً بھرتی کئے جاتے۔ نئے ملک کے سابق حکمران اور امرا کو دربار تیمور میں نئے مناصب اور نئی ذمہ داریاں دی جاتیں اور اگر وہ اس کے بعد بھی سرکشی کرتے تو زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے یا قتل کروا دیئے جاتے۔

تیمور کی بے چین طبیعت نہ ناکامی قبول کرتی تھی نہ نقص برداشت کر سکتی تھی۔ اگر وہ کسی پرانے وھرانے اور ٹوٹے پھوٹے پل پر سے گزرتا تو حاکم صوبہ کو اس کی مرمت کا حکم دے دیتا۔ اس نے پرانی کارواں سراؤں کی مرمت کروائی اور جا بجا نئی سرائیں تعمیر کرائیں۔ موسم سرما میں بھی تمام شاہراہیں کھلی رہتی تھیں اور ان پر جگہ جگہ محافظ دستوں کے لئے چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ تیمور کے حکم سے ان چوکیوں کے منتظم ڈاک کے گھوڑے تیار رکھنے کے ذمے دار تھے اور کاروانوں کی حفاظت بھی کرتے۔ اس خدمت اور تحفظ کے معاوضے میں کاروانوں سے تھوڑی سی رقم وصول کی جاتی تھی۔

اسپین کے سفیر کلاویھو نے خراسان کی شاہراہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مسافروں کے سونے کے لئے سڑکوں کے کنارے کشادہ مکان بنے ہوئے ہیں جن میں اور کوئی نہیں رہتا۔ ان مکانوں میں دور دراز سے زمین دوز نالیوں کے ذریعے پانی پہنچایا جاتا ہے۔

"ہر سڑک کی سطح ہموار ہے اور صفائی کا یہ عالم ہے کہ اس پر ایک بھی پتھر نظر نہیں آتا۔ جب مسافر منزل پر پہنچتے ہیں تو انہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس میں گوشت کافی مقدار میں ہوتا ہے۔ انہیں تازہ دم گھوڑے بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔ بادشاہ نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ کہیں ایک سو میل کے فاصلے پر اور کہیں دو سو میل کے فاصلے پر' ہر منزل پر گھوڑے موجود ہوں۔ سمرقند تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

"جن لوگوں کو امیر کسی طرف روانہ کرتا ہے یا جو کہیں سے امیر کے پاس جاتے ہیں' وہ ان گھوڑوں پر انتہائی تیز رفتار سے دن رات مسلسل سفر کرتے ہیں۔ صحرا تک میں گھوڑوں کا ایسا ہی انتظام ہے اور غیر آباد علاقوں میں بھی مسافروں کے قیام کے لئے مکانات ہیں جن میں قریب ترین گاؤں سے اشیائے خوردنی اور گھوڑے مہیا کئے جاتے ہیں۔ ان گھوڑوں کی غور و پرداخت کرنے والوں کو انچو کہتے ہیں۔

جب سفیر کسی جگہ منزل پر پہنچتے ہیں تو یہ لوگ فوراً ان کے گھوڑوں کو تھام لیتے' ان کی کاٹھیاں اتارتے اور نئے گھوڑوں پر کاٹھیاں لگا دیتے ہیں۔ ایک یا دو انچو ان کے ساتھ بھی ہو لیتے ہیں تاکہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کر سکیں اور انہیں اگلی منزل تک پہنچا کر واپس آ جاتے ہیں۔

"اگر راستے میں کوئی گھوڑا تھک جائے اور کوئی اور گھوڑا مل سکتا ہو تو یہ اس گھوڑے سے اسے بدل لیتے ہیں۔ یہاں کا دستور ہے کہ کوئی سردار ہو' امیر ہو' سفیر ہو یا تاجر ہو اسے اپنا گھوڑا اس شخص کو دینا پڑتا ہے جو بادشاہ کے پاس جا رہا ہو۔ اگر وہ گھوڑا دینے سے انکار کرے تو اسے جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں' ایسی حالت میں فوجیوں بلکہ خود بادشاہ کے بیٹے اور اس کی ملکہ سے بھی گھوڑے لے لئے جاتے ہیں۔"

"اس طرح پیغام رسانی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے نہ صرف راہ چلتے گھوڑے مل جاتے ہیں' ہر جگہ پیغام رساں بھی مقرر ہیں تاکہ ہر صوبے کی خبریں امیر تک جلد از جلد پہنچیں۔ امیر اس شخص سے جو ایک دن اور ایک رات میں پچاس فرسخ طے کرے' اس شخص کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے جو پچاس فرسخ کے فاصلے کو تین دن میں طے کرے' خواہ پہلے شخص کی ران تلے ایک چھوڑ دو گھوڑے مر جائیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی مملکت میں ایک فرسخ کا فاصلہ بہت زیادہ ہے تو اس نے فرسخ کے دو حصے کر دیئے' ہر فرسخ پر سنگی نشان نصب کرا دیئے اور تمام زگاتامیوں (104) کو حکم دے دیا کہ ایک دن میں کم از کم بارہ فرسخ کا سفر کیا کریں (105) یہاں کا ایک فرسخ قستالیہ (106) کے دو فرسخ کے برابر ہے۔"

"یہ لوگ رات دن کے مسلسل سفر میں اتنا زیادہ فاصلہ طے کر لیتے ہیں' اس بات کا اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر یقین نہیں آسکتا۔ بعض دفعہ تو یہ رات دن میں پندرہ بیس فرسخ تک چلے جاتے ہیں۔ (107) جب ان کے گھوڑے بیکار ہو جاتے ہیں تو انہیں مار ڈالتے ہیں یا بیچ دیتے ہیں۔ ہم نے راستے میں کئی گھوڑے دیکھے جو زیادہ چلنے کی وجہ سے مر گئے تھے۔"

بعض کارواں سرائیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں حوضوں میں فواروں تلے برف پڑی رہتی ہے۔ پاس ہی پیتل کے کوزے رکھے رہتے ہیں۔ جو چاہے ٹھنڈا پانی پی سکتا ہے۔ (108)

شاہراہوں پر ہرکارے خبریں لئے ہوئے مسلسل سفر کرتے رہتے تاکہ تیمور مملکت کے حالات سے مطلع رہے۔ سرحد کے سانڈنی سواروں کے ذریعے حدود مملکت پر مامور سپہ سالار اور صوبوں کے داروغہ متواتر خبریں روانہ کرتے رہتے۔ ہر صوبے اور ہر شہر بلکہ ہر

کارواں سرائے میں خبرنویس خفیہ یادداشتیں تحریر کر کے تیمور تک پہنچاتے رہتے بلکہ تیمور
اس کی اطلاع بھی پہنچتی رہتی تھی کہ کون سی شاہراہ پر کون کون سے کارواں کس کس
طرف جا رہے ہیں۔ خبرنویسوں کو صحیح اطلاعات دینے کی ہدایت تھی۔ اگر کوئی شخص غلط خ
بھیجتا تو اسے فوراً قتل کر دیا جاتا۔

تیمور کا نظام خبر رسانی بڑا مکمل تھا اور ریل سے پہلے کے دور میں یقیناً سب سے زیا
زودکار اور تیز تھا۔

جائیداد اور زمین کی ملکیت کے بارے میں تیمور کے فیصلے ناطق مگر عادلانہ ہوتے تھے
سپاہ کو شاہی خزانے سے تنخواہ ملتی تھی' اسے رعایا سے کوئی محصول وصول کرنے کی اجاز
نہ تھی اور کوئی سپاہی کسی شہری کے گھر میں بلاوجہ داخل نہ ہو سکتا تھا۔

غیر آباد علاقے اور لاوارث زمین سرکاری مال سمجھی جاتی تھی۔ اگر کوئی کسان یا زمیند
کسی غیر آباد زمین میں آبپاشی کرتا یا اس پر عمارت یا پل بناتا تو اسے پہلے سال مالیہ معاف
ہوتا' دوسرے سال مالئے کی رقم اس کی مرضی سے مقرر کی جاتی اور تیسرے سال حسب
قاعدہ محصول لگایا جاتا۔

مالیہ اس وقت لیا جاتا جب فصل کٹ کر کاشت کار کے گھر آ جاتی۔ عام طور سے
پیداوار کا ایک تہائی حکومت کا حصہ تصور کیا جاتا تھا جو اصل شے یا اس کی قیمت کے
چاندی کے سکوں میں ادا کیا جاتا تھا۔ محصول بارانی زمین پر کم اور نہری زمین پر زیادہ تھا۔
اگر حکومت بند یا آبی ذخیرہ تعمیر کر کے اس سے پانی فراہم کرتی تو زمیندار کو آبیانہ بھی ادا کرنا
پڑتا تھا۔

بیرونی ملکوں کے تاجروں کو درآمد شدہ سامان تجارت پر چنگی کے علاوہ درآمدی محصول
بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ ان محصولوں سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی۔ ان دنوں یورپ کو
جانے والے تجارتی قافلے مصر کے راستے یورپ جانے سے گریز کرتے تھے کیونکہ وہاں کے
مملوک سلاطین کے عیسائی مملکتوں سے تعلقات اچھے نہ تھے۔

مغرب کا مال تجارت صحرائے گوبی سے گزر کر المالیق ہوتا ہوا سمرقند آتا تھا اور وہاں
سے سلطانیہ اور تبریز یا بحیرۂ اسود اور قسطنطنیہ پہنچتا تھا۔ یہی خراسان کی عظیم شاہراہ تھی
اس کی ایک شاخ شمال کی جانب چلی گئی تھی اور ایک شاخ اورگنج سے ہو کر بحیرۂ خزر کے
شمال سے گزرتی ہوئی روسی سرحد کے ساتھ ساتھ چل کر جینوا پہنچتی تھی۔ ایک تیسری
شاخ ایران سے گزر کر ہندوستان کی بندرگاہوں کو جاتی تھی۔

سمندر کے راستے بہت کم تجارت ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں عرب ہندوستان کے
جنوب سے ہو کر جزیرہ نمائے زرین اور خطا کو جایا کرتے تھے اور چینی جہاز بھی خلیج بنگال
کے ساحل تک آتے تھے مگر ایسی دلیری جہازوں کے مالک اور امیر سیاح کبھی کبھار ہی
دکھاتے تھے' البتہ دریاؤں میں جہاز رانی بڑی کثرت سے ہوتی تھی۔ دریائے آمو کے راستے
اورگنج تک' ہندوستان میں دریائے سندھ کے ذریعے سمندر تک' اور اسی طرح دجلہ و فرات
کے ذریعے بھی بہت کافی تجارت ہوتی تھی۔

اس عرصے میں تیمور نے ہندوستان جانے کے دو راستے صاف کر دیئے تھے۔ ایک کابل
سے آگے درۂ خیبر کا راستہ' دوسرا وہ جو قندھار سے شروع ہو کر ویران علاقوں سے گزرتا ہوا
دریائے سندھ تک جاتا تھا۔ اس نے والی سیستان کو ایک ہی لڑائی میں مطیع کر لیا تھا' یہ
وہی والی سیستان تھا جس نے تیمور کو تحفے وغیرہ دے کر اس سے اپنے ہاں کی قبائلی بغاوت
فرو کرائی تھی اور جس کے لئے لڑتے میں تیمور لنگڑا ہوا تھا۔

وہ ایک اور یلغار میں صحرا کو عبور کر کے شیراز سے خلیج فارس تک جا پہنچا تھا جس کی
بندرگاہوں سے جہاز ایک طرف بغداد تک' اور دوسری طرف دریائے سندھ کی بندرگاہوں
تک' مال تجارت لے کر جاتے تھے۔

مغرب کی سمت اس نے سیاہ میش ترکمانوں کے حصار ختم کر دیئے تھے' سنگ مرمر کی
عمارتوں کے شہر موصل کو فتح کر لیا تھا اور دجلہ کے بالائی حصے میں سمرقند سے پندرہ سو میل
دور' قلعے بھی اسکے ہاتھ آ گئے تھے۔ یہاں سے خراسان کی شاہراہ کی ان شمالی اور جنوبی
شاخوں کی حفاظت کی جا سکتی تھی جو تبریز (109) سے گزرتی تھیں۔ اس مرکزی شہر کی آبادی
دس لاکھ سے زائد تھی اور صرف تبریز سے تیمور کو جتنی آمدنی ہوتی تھی وہ شاہ فرانس کی
آمدنی سے زیادہ تھی۔

بظاہر اتنے بڑے شہر میں کوئی ایسا محصول نہیں لیا جاتا تھا جو ہر فرد پر عائد ہو مگر
زعمائے شہر کی مجلس تیمور کے داروغہ کو پورے شہر کی طرف سے ایک معین رقم بطور سالانہ
خراج ادا کرتی تھی اور یہ طے تھا کہ جب تک یہ خراج ادا ہوتا رہے گا اس وقت تک
تیمور شہر کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔

تاجروں کے لئے مملکت تیمور ایک نعمت غیرمترقبہ تھی۔ وہ سال میں پانچ مہینے تیمور کے
سپاہیوں کی حفاظت میں تجارتی سفر کرتے مگر صرف ایک جگہ درآمدی محصول لیا جاتا۔

چھوٹے چھوٹے زمینداروں اور کاشت کاروں کے لئے بھی تیمور کی حکومت کچھ کم

فائدہ مند نہ تھی۔ وہ اپنے کاموں میں بے روک ٹوک مشغول رہتے۔ اب انہیں
جاگیرداروں کے مظالم کا کوئی خدشہ نہ رہا تھا۔ تیمور اس نکتے کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا
کہ جس طرح جو آدمی مالی طور پر تباہ ہو جائے وہ کسی مصرف کا نہیں رہتا' اسی طرح جو ملک
تباہ ہو جائے اس سے بادشاہ کو کچھ وصول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس کا خزانہ خالی رہتا ہے
اور خزانے ہی پر فوج کا انحصار ہوتا ہے جس سے مملکت قائم رہ سکتی ہے۔ اگر فوج قابو میں
نہ ہو تو وہ جہاں سے چاہتی ہے پانی چھین لیتی ہے اور مزروعہ زمینوں کو روند روند کر تباہ کر
دیتی ہے یا ان میں اگی ہوئی فصلیں کاٹ کر اناج اپنے کام میں لے آتی ہے۔ اس طرح
کاشتکاروں کے تباہ ہونے سے ملک بھی تباہ ہوتا ہے اور خزانہ بھی خالی ہو جاتا ہے۔

تیمور مذموم طریقے اور حرکتیں برداشت نہ کر سکتا تھا۔ جب ہر شہر میں گداگروں کے
غول کے غول پھرتے نظر آنے لگے تو اس نے گداگری کو ممنوع قرار دے کر ان میں گوشت
روٹی بٹوانے کا سلسلہ شروع کر دیا مگر یہ گداگر جو کچھ شاہی لنگر خانے سے ملتا اسے اپنا حق
سمجھ کر وصول کر لیتے اور کاسہ گدائی لے کر پھر گلی گلی بھیک مانگنے نکل کھڑے ہوتے اور
خداترس لوگوں کے گھروں پر ان کے کھانے کے وقت جا نکلتے تو وہ ان کے کاسوں میں
کھانے پینے کی چیزیں تھوڑی بہت مقدار میں ڈال ہی دیتے۔ اس دور میں اسلامی ملکوں میں
گداگری کا رواج ہی پڑ گیا تھا' تیمور کے سپاہی گداگروں کو قتل کر دیتے مگر بے سود۔

البتہ چوروں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کرنے میں اسے نسبتاً زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔
راستوں پر محافظ دستوں کا ہر افسر اور شہروں میں ہر قاضی اپنے اپنے علاقے میں چوری کا
ذمہ دار بنا دیا گیا۔ جو چیز چوری ہوتی انہیں اس کا بدل دینا پڑتا۔

مگر تیمور کے قانون تیمور کی مرضی کے سوا اور کچھ نہ تھے اور اس کے اپنے ملک کے
باہر لوگوں کے لئے ابھی تک نئے ہی تھے کیونکہ وہاں ان کا مکمل نفاذ نہ ہوا تھا۔ کہیں کہیں
بغاوت بھی ہو جاتی تھی چنانچہ تیمور بدامنی فرو کرنے کے لئے مسلسل یلغاریں کرتا رہتا تھا۔
بہرحال اس کی ولولہ آفریں قوت کے زیراثر اس کی فوج ایک منضبط مشین بن گئی تھی جو
فتوحات حاصل کرنے کی عادی ہو گئی تھی اور جسے تجربہ کار قائد میسر تھے۔

اس فوج پر اسے فخر تھا اور اب اس نے اسی کے بل پر پورے ایشیا کو فتح کرنے کا تہیہ
کر لیا۔

گھوڑے کی پیٹھ پر

اس زمانے میں تیمور کو اس پرانی کہاوت کا خوب اچھی طرح تجربہ ہوا کہ "جو کوئی
رکاب میں پاؤں رکھتا ہے اسے گھوڑے کی سواری بھی کرنی پڑتی ہے۔"

اب وہ سمرقند میں شاذ و نادر ہی قیام کرتا' اور اسے پہاڑوں میں شکار کھیلنے کا موقع بھی
کم ہی ملتا۔ اس کی دوسری بیوی ملکہ سرائے خانم بڑی آن بان سے رہتی تھی۔ حبشنیں اس
کی قبا کے دامن اٹھائے چلتیں اور حسین و جمیل کنیزیں اس کی کلاہ کے مرصع پروں کو
سنبھالے رہتیں۔ اس کے لئے نیلے رنگ کی اینٹوں کے نئے نئے وسیع فرش تیار ہوتے
جا رہے تھے۔ مگر تیمور' جس نے سمرقند میں عمارات کی تعمیر ایرانی انجینئروں سے نقشے بنوا کر
شروع کی تھی' چند ہی دن کے لئے وہاں آتا تھا اور جب آتا تو معماروں اور انجینئروں سے
کہہ کہہ کر کام کی رفتار اور تیز کراتا۔ اسی مختصر قیام کے دوران میں وہ چین' ہند اور بغداد
سے آئے ہوئے سفیروں کو شرف باریابی بخشتا' پوتوں کے سلام لیتا' شان دار ضیافتیں کرتا اور
پھر غائب ہو جاتا۔

دوران سفر میں وہ خیموں کا دہرا سامان ساتھ رکھتا۔ جب ایک جگہ ایک خیمے میں آرام
کرتا ہوتا تو دوسرے خیمے کا سامان اگلی منزل کو روانہ کر دیا جاتا تاکہ اس کے وہاں پہنچنے سے
پہلے نصب کر دیا جائے۔ اس طرح اسے ہر منزل پر اپنی خیمہ گاہ تیار ملتی۔ اس کے خیموں
کی ریشمی طنابیں کھنچی ہوتیں' اندر قالینوں کے فرش بچھا دیئے گئے ہوتے' چوبوں پر پردے
لٹکے ہوتے اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے قناتیں کھڑی ہوتیں۔ ان کے گرد بارہ ہزار قلچیوں
کے خیمے ہوتے' جو لمبے قد' چوڑے چکلے سینے' مضبوط اعضا اور توانا جسم کے جوان ہوتے۔

ان کے افسر "بہادروں" میں سے منتخب کئے جاتے تھے' جن کی خصوصیت یہ تھی کہ
ایسا کوئی مشکل کام نہ تھا جو ان کے ذمے نہ ڈالا گیا ہو اور ہر بار جب کامیاب لوٹے ہوں تو
مالا مال نہ کر دیئے گئے ہوں۔

تیمور نے ایک مرتبہ کہا: "پرانے سپاہیوں کی خدمات کو ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

انہیں عزت اور دولت دونوں سے نوازنا چاہئے۔" یہ لوگ اپنا مستقل آرام و راحت چھوڑ کر چند لمحوں کی واہ واہ کے لئے جان قربان کرنے پر کمربستہ رہتے ہیں اس لئے انعام کے حقدار ہوتے ہیں۔ اور وہ اس اصول پر بہ اصرار عمل بھی کراتا تھا۔ جس طرح پہلے ایک مرتبہ اس نے ایک مہم پر ساتھ جانے والے ایک ہزار سپاہیوں کی فہرست مرتب کرائی تھی' اسی طرح اب یہ حکم دیا کہ اس کی فوج کے تمام لشکروں کے تمام سپاہیوں بلکہ ان کے بیٹوں کی بھی فہرستیں تیار کی جائیں۔ محرر ہر افسر اور سپاہی کا ہر نمایاں کارنامہ اس کے اعمال نامے میں لکھ لیتے تھے۔ کوئی سپاہی نمایاں خدمت انجام دیتا تو اسے ترقی دے کر دس جوانوں کا کمان دار مقرر کر دیا جاتا اور کمان دار کو سو جوانوں کا افسر بنا دیا جاتا۔ اس ترقی کے علاوہ مخصوص نشان مثلاً پٹکا' زرکار لبادہ مع گلوبند' اور بعض اوقات تلوار اور گھوڑا بھی ملتا۔ ایک ہزار جوانوں کے کمان دار کو علم اور نقارہ اور بڑے امرا یا سپہ سالاروں کو "لشکری علم" اور "شیری علم" اور نقارہ دیا جاتا۔ ایسے امیر اپنے ساتھ ایک سو گھوڑے رکھ سکتے تھے۔

جب یہ امیر کوئی لڑائی جیتتے تو ان کو اور بھی بھاری انعام دیئے جاتے' جیسے کسی شہر کی جاگیرداری مع مالیہ یا بعض اوقات پورا صوبہ۔ ترقی کا معیار صرف قابلیت تھی گو بیشتر بلند مرتبہ امرا شاہی خاندانوں ہی کے تھے۔ بوڑھا جاکو برلاس ان چند امرا میں سے تھا جو متعدد جنگوں میں حصہ لینے کے باوجود صحیح سلامت رہے تھے۔ اسے امیر الامراء کے خطاب کے علاوہ بلخ کی حکومت بھی بخشی گئی۔

تیمور ایسے آدمی کو بہت برا سمجھتا تھا جو ناکام رہنے کے بعد بہانے بناتا یا نازک موقع پر پیچھے رہتا اور پیش قدمی سے پہلے ہی پسپائی کے راستے نکال لیتا۔ اسی طرح اسے بیوقوفوں پر بھی غصہ آتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا: "دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہوتا ہے۔" ایک مورخ ابن عرب شاہ نے تیمور کی بڑی واضح لفظی تصویر کھینچی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"یہ فاتح دراز قد تھا۔ اس کی پیشانی بلند اور سر بڑا تھا۔ جسمانی طاقت اور دلیری دونوں میں نمایاں تھا۔ قدرت نے اسے گوناگوں صفات سے متصف کیا تھا۔ جلد گوری اور رنگ نکھری ہوئی تھی۔ اعضا بڑے بڑے' شانے چوڑے اور انگلیاں قوی تھیں۔ اس کی ڈاڑھی لمبی تھی اور ہتھیلیاں خشک رہتی تھیں۔ آواز بھاری بھرکم تھی اور دائیں ٹانگ سے لنگڑاتا تھا۔ ادھیڑ عمر میں بھی جوانی جیسا

جوش اور بدن اتنا ہی طاقتور تھا۔ اور پہلے ہی کی طرح دلیر بھی تھا۔ جھوٹ بولنا اور ہنسی مذاق کرنا ناپسند تھا۔ سچائی' اس کے اپنے لئے ناگوار ہو تو بھی' پسند کرتا تھا۔ نہ مصیبت اور بدحالی میں افسردہ و ملول ہوتا' نہ خوشحالی میں جامے سے باہر ہوتا تھا۔

اس کی مہر پر فارسی زبان کے دو لفظ "راستی روستی" کندہ تھے جن کے معنے ہیں "صداقت قوت۔" گفتگو میں بہت محتاط تھا۔ قتل و غارت گری یا گھروں میں گھس کر عورتوں پر مجرمانہ حملے کے بارے میں سپاہ کو ترغیب دینے کے طور پر کبھی ایک لفظ نہ کہا۔ بہادر سپاہیوں کو بے حد پسند کرتا تھا۔

تیمور کے بال جوانی ہی میں سفید ہونے شروع ہوگئے تھے۔ ابن عرب شاہ نے اس کا رنگ گورا بتایا ہے مگر اور لوگ گندمی بتاتے ہیں۔ ممکن ہے ایک عرب کی نگاہ میں یہی گورا رنگ ہو۔ مگر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ تیمور کی یہ قلمی تصویر اس ابن عرب شاہ نے کھینچی ہے جسے تیمور قید کرکے دمشق سے سمرقند لے گیا تھا اور جو اس سے نفرت کرتا تھا۔

تیمور کی سپاہ کے ایک معمولی عہدہ دار آق بوغا نے جس طرح یک لخت ترقی کی اس طرح بہت کم انسانوں نے ترقی کی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو کیا بنا دیا تھا۔ وقائع نگاہ کا بیان ہے کہ وہ قد کاٹھ اور جسمانی قوت کے لحاظ سے امتیازی شان رکھتا تھا اور گو دس سپاہیوں کا کمان دار ہونے کے باوجود اس کے پاس گھوڑا ایک ہی تھا مگر اس کے بازو پر آہنی ڈھال اور ہاتھ میں پانچ فٹ لمبی کمان ضرور ہوا کرتی تھی۔ پینے میں بڑا بدنام تھا اور کہا جاتا ہے کہ مینڈھے کے سینگ میں دودھ اور شراب بھر کر ایک ہی سانس میں چڑھا جاتا تھا۔ مگر اس بری عادت کے باوجود کتنا دلیر اور بہادر تھا اس کا حال ذیل کے واقعے سے معلوم ہوگا۔

دوسری ایرانی مہم کے دوران میں آق بوغا ایک مقام پر سڑک کے کنارے ایک بستی میں' جہاں ایک شراب خانہ بھی تھا' اکیلا ہی اتر پڑا۔ چونکہ یہ مقام دشمن کے ملک کے قریب تھا' اس نے گھوڑے پر زین کسی رہنے دی اور اسے شراب خانے کے دروازے پر باندھ کر اپنی کمر ڈھیلی کرنے کے بعد پینے میں مشغول ہوگیا۔ اتنے میں گاؤں کے نمبردار نے آکر بتایا کہ گاؤں سے باہر تالاب کے قریب پچاس ایرانی سوار گھوڑوں سے اتر رہے ہیں۔ اور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ شاید گاؤں کو لوٹنے آئے ہیں۔

"اچھا!" آق بوغا نے کہا: "تو پھر جاؤ تم بھی اپنے ہتھیار بند آدمیوں کو بلا لاؤ۔ ہم ان سے لڑیں گے۔"

نمبردار نے کہا کہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور یہ صلاح دی کہ آق بوغا بھاگ جائے تاکہ اس کی جان بچ جائے۔ تاتاری کے ذہن میں بھاگنے کا خیال آہی نہ سکتا تھا۔ اس نے کہا: "واہ بھاگ جانے کی بھی تم نے بھلی کہی۔ میں تو ان پر ہاتھ صاف کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ اگر ان پر حملہ نہ کیا گیا تو میں ان کے گھوڑے اور سازوسامان کیسے چھین سکوں گا۔ تم لوگوں میں عقل بالکل نہیں ہے۔ یہ ایرانی گیدڑ ہوتے ہیں' مجھ بھیڑیئے کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔ میں ایسے تماشے بہت دفعہ دیکھ چکا ہوں۔ جاؤ' اور اپنے آدمیوں کو لے کر یہاں پہنچو!" اور اپنے شغل میں لگا رہا۔

گاؤں والوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور وہ ایرانیوں سے تو خائف تھے ہی' مگر اس مسلح دیو سے بھی خوف زدہ تھے چنانچہ دس آدمی اپنے ٹٹوؤں پر سوار ہو کر وہاں پہنچ گئے۔

آق بوغا نے اپنا پٹکا کسا' سر پر خود رکھا' ڈاڑھی کو چرمی ڈھاٹے سے باندھا اور بازو پر ڈھال چڑھا کر ان سے بولا: "دیکھو! جب میں نعرہ ماروں تو تم اپنے گھوڑوں کو آندھی کی طرح آگے بڑھانا اور آنکھوں میں گرد پڑ جائے تو بھی نہ رکنا۔" اور ان کو لے کر گاؤں کے تالاب کی طرف روانہ ہوگیا اور جوں ہی ایرانی سپاہیوں کو دیکھا' جو تالاب پر گھوڑوں کو پانی پلا رہے تھے' اپنا گھوڑا بڑھاتے ہوئے تاتاریوں کا جنگی نعرہ مارا۔

گاؤں والوں کی تو ہمت نہ پڑی کہ ایرانیوں کی تلواروں کا سامنا کرتے چنانچہ پیٹھ دکھا کر جس راستے آئے تھے اسی پر بھاگ کھڑے ہوئے مگر تاتاری بہادر جوش میں آچکا تھا' اس نے اکیلے ہی ہلا بول دیا۔

ایرانی سپاہیوں نے یا تو یہ سمجھا کہ وہ کسی بڑے دستے کا قادم سپاہی ہے یا پھر اس کا نعرہ سن کر بدحواس ہوگئے' بہرحال وہ جلدی جلدی گھوڑوں پر بیٹھے اور راہ فرار اختیار کی۔ آق بوغا ان کے تعاقب میں دور تک گیا مگر ایرانیوں کے گھوڑے زیادہ تیز رفتار تھے' وہ منتشر ہو کر نکل گئے چنانچہ اس کے ہاتھ نہ آئے۔ آق بوغا نے کئی بار انہیں پکارا بھی کہ رک کر دو دو ہاتھ کرتے جاؤ مگر وہ شاید لڑائی بھڑائی کے خیال سے آئے ہی نہیں تھے' اس لئے بھاگتے چلے گئے۔ آق بوغا فتح مند مگر خالی ہاتھ لوٹا اور گاؤں والوں سے کہا: "وہ تو خیر گیدڑ تھے ہی' مگر تم بھی خرگوش ہو!"

اس مہم میں تیمور تیز رفتاری سے جنوب کی طرف بڑھ کر ایران میں داخل ہوا۔ آل

مظفر کے شہزادے جنہیں وہ مختلف شہروں میں حاکم بنا کر چھوڑ آیا تھا پھر خانہ جنگی میں مصروف ہوگئے تھے اور اس میں شاہ منصور اصفہان اور شیراز کا مالک بن بیٹھا تھا۔ یہ منصور وہی تھا جس نے تیمور کی اطاعت سے انکار کیا تھا۔ اب اس نے اپنے چچیرے بھائیوں کو اپنا مطیع کرلیا تھا اور شاہ شجاع کے بیٹے زین العابدین کو قید کرکے آنکھوں میں سلائی بھروا دی تھی۔

تیمور اس بغاوت کی آگ فرو کرنے جارہا تھا کہ راستے میں اس کا ایک عجیب و غریب گروہ سے تصادم ہوگیا جو پہاڑوں میں رہتا تھا اور حشیش کے نشے میں دھت ہو کر ہر ایک پر ٹوٹ پڑتا تھا۔ "قریب ایشیا" کے حکمراں اس کے نام سے کانپتے تھے۔ مگر تیمور نے اس گروہ کا پہاڑی نشیمن تک برباد کر دیا۔ (110) اس وقت اس کے ساتھ صرف تین لشکر تھے۔ ایک کا کماندار شاہ رخ تھا' باقی دو کے کماندار تیمور کے دو پوتے تھے' جو خان زادہ کے بطن سے تھے۔

تیمور کے ایران میں داخل ہونے پر شاہ منصور نے اپنی آدھی فوج اپنے ایک نائب کے زیرکمان قلعہ سپید میں متعین کی۔ یہ جگہ رستم کے زمانے سے اس وقت تک کسی سے فتح نہیں ہوئی تھی۔ نابینا شہزادہ زین العابدین بھی یہیں محبوس تھا۔ تیمور نے فوج اسی کی طرف بڑھائی۔

ایرانیوں کو اس قلعے پر بڑا بھروسا تھا کیونکہ یہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور اس کے اندر داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک وسیع میدان تھا جو ایک فرسخ کے قریب طویل اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ اسمیں دریا اور چشمے تھے' زمین مزروعہ تھی اور ہر قسم کے چرند پرند بھی تھے۔

ایرانی شہزادوں نے یہاں تفریحی قیام کے لئے جو محلات بنا رکھے تھے' ان کے آگ یا طغیانی سے برباد ہونے کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ منجنیقیں ان تک مار نہ کر سکتی تھیں اور سرنگیں پہاڑوں میں کھودی ہی نہ جا سکتی تھیں' اسی لئے کسی بادشاہ نے کبھی اس قلعے کے محاصرے کا خیال تک نہ کیا۔ وہاں تک قلعہ شکن آلات کون لے جاتا! پھر اس کا دشوار گزار راستہ بھی اتنا تنگ تھا کہ تین آدمی تین ہزار کو روک سکتے تھے۔ غرض یہ قلعہ ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔

دفاع کے ان قدرتی وسائل کے علاوہ ایرانیوں نے ہر موڑ پر مضبوط سنگین مورچے بھی تعمیر کر رکھے تھے۔ زرعی پیداوار' مویشی اور پرندے اتنے زیادہ ہوتے تھے کہ قلعے میں رہنے

والوں کی ضروریات پوری ہوتی رہتی تھیں' اس لئے ان کے فاقوں سے مجبور ہو کر اطا
قبول کر لینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ گویا صرف موت ان لوگوں کو زیر کر سکتی تھی۔

تیمور نے اس قلعے پر اسی دن حملہ کر دیا جس دن اس کی فوج اس کی تلہٹی میں پہ
معسکر اس کے سامنے کی ایک پہاڑی پر بنایا گیا اور وہاں سے تیمور کے سپاہی قلعے کی طر
بڑھے۔ جہاں سے عمودی چٹان شروع ہوتی تھی وہاں پہنچ کر وہ رک گئے' پھر گھوڑوں
اتر کر چیونٹیوں کی طرح ہر طرف پھیل گئے اور پہلے موڑ کے برجوں پر حملہ شروع کر دیا۔

تیمور معسکر میں کھڑا اپنے خود پوش سپاہیوں کو تیروں کی بوچھاڑ کی سمت میں چڑ
ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وادی میں سے بخارات کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کے قریب نقار
کڑک رہے تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں چٹا
سے چمٹے چمٹے آگے بڑھتے ہوئے تاتاری سپاہیوں کے نعروں کا شور بھی سنائی دیتا۔

سورج غروب ہونے تک کچھ بھی نہ بن سکا اور قلعے تک پہنچنے کا کوئی اور را
ڈھونڈنے کے باوجود نہ ملا تھا۔ جب مقتولوں کی لاشیں برجوں تلے کی زمین سے نیچے اتار
گئیں تو افسروں کے چہروں پر تردد کے آثار نظر آنے لگے۔ تاتاری سپاہیوں نے را
چٹانوں کے تلے' اور کہیں کہیں ان کی نگروں سے چپکے چپکے گزاری۔ سورج طلوع ہوتے
ان کے افسروں نے انہیں پھر حملہ شروع کرنے کا حکم دیا اور چٹانوں پر چھینیوں سے ضر
لگوانی شروع کر دیں۔ جب کوئی تاتاری سپاہی گھائل ہوتا تو اس کے ساتھی اسے نیچے وا
میں پہنچا دیتے۔ تیمور کے نقاروں پر ایک بار پھر ضرب پڑی جس کا مقصد اپنے سپاہیوں
جوش دلانا تھا۔

پھر----- جو لوگ ایک برج کے مقابل پہنچ چکے تھے انہوں نے کسی کو بڑے زور
چلاتے سنا۔

"امیر فتح مند ہوا۔ ایرانی زیر ہو چکے ہیں۔"

دیکھا تو تقریباً دو سو فٹ اوپر' قلعے کے راستے سے ایک تیر کے فاصلے سے کچھ آ
آق بوغا پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا تھا۔ وہ ایک تنگ عمودی شگاف کے راستے سے اوپر پہنچا
ایرانی اور تاتاری سپاہیوں نے یہ سمجھ کر اس کی طرف توجہ نہ کی تھی کہ اس سے کون
سکے گا۔ مگر آق بوغا اپنی کمان اور ڈھال پیٹھ پر ڈال کر اس کے راستے سے اوپر پہنچ گیا
اور اب اپنے اس کارنامے کا اعلان ڈنکے کی چوٹ کر رہا تھا۔

پھر اس نے اپنی ڈھال سامنے کی چٹان پر رکھ کر اس کی آڑ سے اس طرح تیر چلا

شروع کئے کہ جو ایرانی اس کے قریب تھے وہ اس پر حملہ نہ کر سکے۔ شاہ رخ اس اثنا میں
راستے پر لڑتے ہوئے سپاہیوں سے آملا تھا' اس نے جوں ہی آق بوغا کو اس حال میں دیکھا'
فوراً اپنے سپاہیوں کو حملے کا حکم دے دیا تاکہ برج کی محافظ دشمن فوج وہیں رکی رہے۔ جو
تاتاری اس شگاف کے قریب تھے وہ خود ہی آق بوغا کی مدد کو پہنچ گئے۔

جب وہ چوٹی پر پہنچے تو ایرانی وہاں سے بھاگ چکے تھے اور آق بوغا شمشیر کھینچے ان کے
تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔ ان کے چوٹی پر پہنچتے ہی شاہ رخ کے علم برجوں تلے لہرانے لگے اور
نیچے وادی میں نقاروں کی کڑک گرج نے اس طرح دھوم مچا دی جیسے دشمن کا خاتمہ قریب
ہے۔

ایرانی برجوں سے نکل کر بلندی کی طرف بھاگے مگر تیمور کے سپاہیوں نے جو پہلے ہی
وہاں پہنچ چکے تھے' انہیں ایک ایک کر کے وادی میں پھینک دیا۔ شاہ منصور کے قلعدار کا
بھی یہی حشر ہوا اور وہ اپنے کپڑوں کی گٹھڑی بنا' چٹانوں میں موت کی نیند سو گیا۔

جب لڑائی ختم ہوئی تو تیمور کے حکم سے آق بوغا کو ڈھونڈ کر اس کے حضور میں پیش
کیا گیا۔ تیمور نے اسے چاندی کے سکے' ریشمی کپڑے' زربفت کے تھان' خیمے' حسین و
جمیل کنیزیں' گھوڑے' خچر' اور اونٹ اتنی زیادہ تعداد میں انعام دیئے کہ وہ بوکھلا سا گیا اور
اس سازوسامان کو دیکھ دیکھ کر اس طرح سر ہلاتا ہوا واپس ہوا جیسے دل ہی دل میں کہہ رہا
ہے کہ یہ کیا طلسم ہے! جب اس کے ساتھیوں نے روک کر مبارکبادی دی تو کہنے لگا:

"خدا شاہد ہے کل میرے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔ میں کیسے باور کر لوں کہ آج
میرے پاس اتنا سارا سامان ہو گیا ہے۔"

اسے ترقی دے کر محمد سلطان کے لشکر کے موخر الجیش کا کماندار مقرر کیا گیا۔ جب
تک زندہ رہا بڑی آن بان سے گھوڑے پر بیٹھ کر نکلتا۔ اس دن سے اس نے تیمور کی طرف
کبھی پیٹھ نہ کی اور سوتے میں بھی امیر کے خیمے کی طرف اس کے پاؤں ہوتے۔ مرتے وقت
وصیت کی کہ اس طرح دفن کرنا کہ امیر کے محل کی طرف میرے پاؤں ہوں۔

جب تیمور نے آل مظفر کا تعاقب شروع کیا تو اسے اطلاع ملی کہ شاہ منصور فرار ہو چکا
ہے۔ اس نے میمنہ اور میسرہ کے لشکروں کو اپنے پوتوں محمد سلطان اور پیر محمد کے زیر کمان
چھوڑا اور خود تیس ہزار کا اعظم الجیش لے کر شیراز کی طرف بڑھا۔ شاہ رخ' جو ہمیشہ اس
کے حضور میں رہتا تھا' اس موقع پر بھی ساتھ تھا۔ ایک دن ایک گاؤں کے باہر باغات میں
تین چار ہزار کا ایک لشکر صف بستہ دیکھ کر تاتاری حیران سے ہو گئے۔ اس لشکر کے رسالوں

کے جوانوں کی زرہ چمڑے کی تھی جس کے سروں پر فولاد جڑا گیا تھا اور گھوڑوں پر ریشمی کمبل پڑے ہوئے تھے۔

ہوا یہ تھا کہ شاہ منصور شیراز کی طرف بھاگتے میں اس گاؤں کے باہر رکا۔ یہاں اس نے لوگوں سے پوچھا کہ شیراز کے باشندے اس کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟

جواب ملا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جو بھاری بھاری ڈھالیں اٹھائے پھرتے ہیں اور جن کے پاس بڑے بڑے وزنی تیر ہیں وہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر اس طرح بھاگے ہیں جس طرح بھیڑیوں کو دیکھ کر بکریاں بھاگتی ہیں۔

منصور نے اس طعنے پر طیش میں آکر اپنے رسالوں کا رخ موڑ لیا تھا اور واپس آکر راستہ روک کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اب اس نے جھلا کر تیمور پر حملہ کردیا۔ لڑائی ہوئی تو اس کے دستے تو منتشر ہوگئے مگر دو ہزار کے قریب سوار تاتاریوں کی صفوں کو چیر کر عقب میں پہنچ گئے اور بعض اونچی جگہوں پر بھی قابض ہوگئے۔ شاہ منصور نے اتنی کامیابی پر قناعت نہ کی' بلکہ تیموری علم پر ہلا بھی بول دیا۔

تیمور اپنے کچھ آدمی ساتھ لئے ایک طرف کھڑا' لڑائی کا رنگ دیکھ رہا تھا کہ منصور اس کی طرف بڑھا' جس پر تاتاری افسر فوراً ایرانی سواروں سے دست بہ دست جنگ کرنے لگے۔

تیمور نیزہ لینے کے لئے' جو ہر وقت اس کے ساتھ رہا کرتا تھا' اپنا ہاتھ پیچھے لے گیا۔ مگر نیزہ بردار پر پہلے ہی حملہ ہو چکا تھا چنانچہ وہ اپنی جگہ پر نہ تھا۔ اس سے پہلے کہ تیمور تلوار میان سے نکالے منصور گھوڑا بڑھا کر اس کے سر پر پہنچ گیا۔

اس نے دو بار تیمور پر تلوار کا وار کیا' تیمور نے دونوں دفعہ سر جھکا کر وار خود پر لیا۔ تلوار دونوں دفعہ فولادی خود سے ٹکرائی اور پھسل کر اس کی زرہ پر پڑی مگر اسے کوئی ضرر نہ پہنچا۔ تیمور بے حرکت رہا۔ اس کے محافظوں میں سے ایک نے اپنی ڈھال سے اس کا سر بچایا اور دوسرا اپنا گھوڑا بڑھا کر اس کے اور منصور کے درمیان حائل ہوگیا۔

منصور نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر شاہ رخ کے سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اور تھوڑی دیر بعد شاہ رخ نے منصور کا سر لا کر باپ کے گھوڑے کے قدموں میں ڈال دیا۔

ایران کی مدافعت ختم ہوگئی۔ اور آل مظفر کی تباہی پر بھی مہر ثبت ہوگئی۔ تیمور نے اس خاندان کے تمام مردوں کو پابہ سلاسل کرنے کا حکم دیا اور پھر سب کو تہ تیغ کرا دیا۔

صرف زین العابدین اور شبلی سے مشفقانہ سلوک کیا جنہیں ان کے خاندان والوں نے اندھا کر دیا تھا اور پھر انہیں سمرقند بھیج دیا جہاں انہیں جاگیریں اور محلات دیئے تاکہ اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں۔ شیراز اور اصفہان کے فن کار' مصور' شاعر اور ادیب بھی تیمور کے دربار کی شان بڑھانے کے لئے فوج کے ہمراہ سمرقند روانہ کئے گئے۔

بغداد کا سلطان احمد

اب تیمور کے خلاف مختلف بادشاہوں کا اتحاد ناگزیر تھا کیونکہ وہ بار بار مشرقی صحرائے
نکل کر زہریلی آندھی کی طرح ان کے شہروں پر چھا چکا تھا اور ہر بار انہیں تباہ کر آیا تھا اور
زہریلی آندھی ہی کی طرح یہ بلا بھی اچانک نازل ہوتی تھی۔ اقصائے مغرب کے بادشاہوں
نے اس کی روک تھام ضروری سمجھی۔

ان میں جلدی جلدی نامہ و پیام ہوئے۔ شہنشاہ ترکی یورپ میں برسرپیکار تھا اس لئے
اسے تو ابھی ادھر توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی البتہ سلطان مصر، جو دمشق اور بیت المقدس
کا حکمراں بھی تھا، اور سلطان بغداد میں یہ معاہدہ ہوا کہ دونوں مل کر تیمور کا مقابلہ کریں
گے۔ قرا یوسف بھی، جس کے ترکمانوں کو تیمور نے مغرب کی جانب دھکیل دیا تھا، اس
معاہدے میں شامل ہوگیا۔

تیمور کے پیش قدمی شروع کرنے کی صورت میں بغداد اس کے راستے میں آتا تھا۔ یہ
شہر اب ان دنوں کی طرح اسلامی دنیا کا مرکز نہ تھا جب ہارون الرشید اپنے وزرائے باکمال
کے ساتھ وہاں محفلیں گرم کیا کرتا تھا۔ گو زائرین اور تاجروں کا یہاں اب بھی ہجوم رہتا تھا
مگر حقیقت میں اب یہ شہر دجلہ کے کناروں پر ایک لاش کی طرح اکڑا پڑا تھا۔ ابن جبیر
لکھتا ہے کہ اب اس میں پرانے وقتوں کے مٹتے ہوئے آثار اور ایام رفتہ کے افسانے ہی
رہ گئے تھے اور جس طرح کسی حسین عورت کو گزری ہوئی جوانی کی یادیں ستایا کرتی ہیں اسی
طرح اب یہ شہر بھی اپنے بڑھاپے میں بجھی بجھی آنکھوں سے دجلہ کو تکتا رہتا تھا جو کبھی
آئینے کی طرح اس کے حسن و زیبائش کی عکاسی کیا کرتا تھا۔

ہرچند اس کا حکمراں سلطان احمد جلایر اب بھی امیرالمومنین کہلاتا تھا اور بغداد کی
مسجدوں میں قریش کے سیاہ لبادے اب بھی نظر آتے تھے لیکن اب بغداد کا اصل محافظ مصر
کا مملوک سلطان تھا۔ سلطان احمد ایک شکی اور ظالم قسم کا انسان تھا۔ اسے ہر وقت اپنا
خزانہ چوری ہو جانے کا خوف لاحق رہتا بلکہ وہ اس خزانے کے محافظوں سے بھی خوف زدہ
رہتا۔ اس کا یہی خوف اسے بار بار مشرق کی طرف دیکھنے پر مجبور کرتا کہ کہیں تیمور کے
تاتاری لشکر حملہ کرنے نہ آرہے ہوں۔

اسی خوف کی وجہ سے اس نے بغداد کے مفتی اعظم کو بیش قیمت تحائف دے کر تیمور
کے پاس بھیجا مگر ایسے ہی تحائف اپنے حلیف قرا یوسف کو بھی بھیجے۔ ایک روایت کے
مطابق اس نے جواب میں شاہ منصور کا سر روانہ کر دیا۔ دونوں طرح کے جواب ممکن تھے۔
اسے سلطان احمد کے تحائف کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ بغداد پر اس کا قبضہ
ہو، وہاں کی مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور اس شہر میں اس کے نام کا سکہ
چلے۔

سلطان احمد نے تیمور کے ارادے بھانپ کر بچ نکلنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے
اپنے ترکمانی حلیف اور سلطان مصر سے تعلق قائم رکھا اور تیز رفتار شہسواروں کا ایک
رسالہ بھی تیار کرلیا تاکہ اس کی حفاظت میں وقت ضرورت، اپنے اہل و عیال اور خزانے
سمیت فرار ہو سکے۔ اس کے علاوہ اپنی سرحد پر جو بغداد سے اسی میل دور تھی، ایسے ناظر
بھی مقرر کر دیئے جن کے پاس نامہ بر کبوتر تھے اور انہیں ہدایت کر دی کہ تیمور کی آمد کے
آثار دیکھتے ہی فوراً اطلاع دی جائے۔

معلوم ہوتا ہے تیمور کے جاسوسوں نے احمد کی ان تیاریوں کی خبریں تیمور تک پہنچا
دیں۔ بہرحال اس نے بغداد پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کرلیا پہلے تو سواروں کا ایک لشکر ترکمانوں
کی طرف روانہ کیا تاکہ انہیں لڑائی بھڑائی میں مصروف رکھے، پھر خود اس طرح روانہ ہوا
جیسے اپنے اس لشکر کی مدد کو جارہا ہے لیکن ادھر جانے کے بجائے شاہراہ سے ہٹ کر پہاڑی
علاقے میں تیز رفتار سے کوچ شروع کر دیا۔ رات کے وقت اس کی فوج مشعلیں روشن
کرے آگے بڑھتی۔ خود تیمور باقی فوج سے آگے نکل گیا۔ سپاہی تو تھوڑے ہی سے ساتھ
لئے، گو وہ تھے چیدہ چیدہ، مگر گھوڑے بڑی تعداد میں ساتھ رکھے تاکہ رفتار میں فرق نہ
آئے۔ خود کجاوے میں بیٹھ کر سفر کیا۔

سلطان احمد نے جو ناظر متعین کررکھے تھے انہوں نے تیموری فوج کی پیش قدمی سے
گرد و غبار اڑتا دیکھ کر نامہ بر کبوتر چھوڑ دیئے، گویا اسے تیمور کی آمد کی اطلاع دے دی۔
ادھر تیمور ایک گاؤں پہنچا تو وہاں کے لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ آیا وہ اس کی آمد کی اطلاع
سلطان بغداد کو دے چکے ہیں۔ وہ خوف کے مارے انکار نہ کرسکے۔ تیمور نے انہیں حکم دیا
کہ اب یہ پیغام بھیجو کہ جو سوار ہم نے دیکھے تھے وہ ترکمان تھے جو تاتاریوں سے بچ کر
بھاگ آئے تھے۔

اب پھر کبوتر چھوڑے گئے۔ تیمور نے چند گھنٹے آرام کیا پھر چند سو منتخب سوار اور

بہترین گھوڑے ساتھ لے کر بغیر رکے اکیاسی میل کا سفر کرکے بغداد کے مضافات میں داخل ہوگیا۔

سلطان احمد نے پہلا پیغام پہنچتے ہی فرار کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور اپنا مال اسباب اور اہالی موالی دریا کے پار بھیج کر محافظوں کو تیار ہو جانے کا حکم دے دیا تھا' دوسری خبر سے دھوکے میں نہ آیا' شہر میں تھوڑی دیر صرف اس لئے رکا رہا کہ تیمور کی آمد کی خبر تصدیق کرلے اور جب تصدیق ہوگئی تو خود بھی دجلہ کے پار چلا گیا اور کشتیوں کا پل توڑ دیا۔

تیمور کے سوار بغداد میں داخل ہوکر سیدھے ان محلوں پر پہنچے جو کبھی خلفائے اسلام کے مسکن تھے اور وہاں سلطان احمد کے فرار کا حال معلوم کرکے اس کے پیچھے پیچھے دجلہ کے کنارے پہنچے اور جب دیکھا کہ وہ پار اتر چکا ہے تو گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔

سلطان احمد ان سے صرف چند گھنٹے پہلے روانہ ہوا تھا اور دریا پار کرتے ہی دشت شام کی جانب چل نکلا تھا۔ تاتاریوں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ انہوں نے وہ کشتی (شمس) جس میں سلطان احمد نے گزشتہ رات خاصہ تناول کیا تھا' تیمور کو بھیج دی اور خود آگے بڑھ گئے۔ ایک دن اور ایک رات اور پھر اگلے دن بھی تاتاری اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے رہے یہاں تک کہ فرات کے نرسل کے بن تک پہنچ گئے۔

یہاں انہیں کشتیوں کی ضرورت پڑی۔ کشتیاں ملتے ہی فرات کو عبور کرگئے اور گھوڑے بھی تیرا کر ساتھ لے گئے۔ قرائن سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ احمد تک پہنچ گئے ہیں کیونکہ اس کا سامان اور خزانہ' جسے مغرور سلطان چھوڑ بھاگا تھا' قریب ہی بکھرا پڑا تھا اور لدو گھوڑے بھی چرتے پھر رہے تھے۔ وہ جن گاؤں میں سے گزرے تھے ان میں کبھی گھوڑے مہیا نہ ہو سکے تھے چنانچہ ادنیٰ درجے کے سوار پیچھے رہ گئے تھے' کیونکہ ان کے گھوڑے قدرے کمزور تھے' اور افسر لوگ' جن کے پاس سپاہیوں سے اچھے گھوڑے تھے آگے نکل آئے تھے۔ گویا یہ تاتاری فوج صرف کماندار افسروں اور امیروں پر مشتمل تھی اس کی نفری چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ ان امرا نے تیمور سے وعدہ کر رکھا تھا کہ سلطان احمد کو زندہ گرفتار کرکے لائیں گے چنانچہ ویران صحرا میں بڑھتے چلے گئے۔

سلطان احمد نے ایک دستہ' جس میں کوئی ڈیڑھ سو سوار ہوں گے' راستہ روکنے کے لئے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اس دستے نے ایک مقام پر تاتاریوں پر حملہ کر دیا۔ تاتاریوں نے اس کے حملے کو تیروں کی بوچھاڑ سے روکا اور پھر اسے منتشر کرکے آگے بڑھ گئے۔

کچھ دیر بعد ان پر ایک اور حملہ ہوا۔ اس مرتبہ وہ گھوڑوں سے اتر پڑے اور ان کی آڑ سے تیر چلائے۔ یوں انہوں نے دوسرا حملہ بھی روکا اور بغدادیوں کو اب کے بھی مار بھگایا۔ مگر ان کے گھوڑے جواب دے چکے تھے اور وہ خود بھی پیاس سے نڈھال ہو رہے تھے' چنانچہ انہیں پانی کی تلاش میں راستے سے ہٹنا پڑا۔ یوں یہ تعاقب ختم ہوگیا۔

سلطان احمد خود تو زندہ سلامت دمشق پہنچ گیا لیکن اس کے اہل و عیال کو تاتاری امراء گرفتار کرکے تیمور کے پاس لے آئے۔ بغداد نے تیمور کو حکمراں تسلیم کیا اور خراج بھی دیا۔ تیمور نے وہاں اپنا حاکم مقرر کیا اور جس طرح آندھی کی مانند گیا تھا اسی طرح بڑی سرعت سے واپس چلا آیا۔ روانگی سے پہلے تاتاریوں نے بغداد کی ساری شراب اکٹھی کرکے دجلہ میں انڈیل دی مگر وہاں کے منجموں اور معماروں کو تیمور سمرقند لے آیا۔

سلطان احمد شاعر اور ادیب بھی تھا' اس نے اس واقعے کے بارے میں ایک شعر کہا جس کا مضمون یہ تھا کہ لوگ کہتے ہیں تم لڑنے سے بچنے کے لئے لنگڑاتے تھے مگر میں بھاگتے وقت نہیں لنگڑایا۔

تیمور کے واپس چلے جانے سے طوفان گزر تو گیا مگر سلطان احمد کو دولت و حشمت دونوں سے قریب قریب محروم کرگیا۔ وہ قاہرہ پہنچا تو سلطان مصر نے اسے پناہ دی اور کنیزیں اور غلام بھی فراہم کر دیئے مگر تاتاری سفیر بھی وہاں جا پہنچا۔ اس نے اپنے امیر کا سلام پہنچایا اور کہا:

"چنگیز کے عہد میں آپ کے آبا و اجداد اور ہمارے بزرگوں میں جنگ ہوئی تھی مگر پھر ان میں صلح بھی ہوگئی تھی۔ اس کے بعد ایران خانہ جنگی کا شکار ہوگیا مگر اب ہمارے امیر نے ایران میں امن بحال کر دیا ہے۔ یہ ملک آپ کی سرحد سے ملا ہوا ہے اس لئے امیر کی خواہش ہے کہ تاجروں کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع کیا جائے اور کوئی نزاع نہ ہو والسلام والحمدللہ رب العالمین۔

مگر مصر کے حکمراں نے اس سفیر کو قتل کروا دیا۔ بغداد فتح کرنے کے بعد تیمور مغربی سلطنتوں سے بہت قریب ہوگیا تھا۔ مملوکوں کو یہ بات بری معلوم ہوئی چنانچہ ان کی فوجیں حرکت میں آگئیں اور اس موقع پر انہیں غیرمتوقع طور پر ایک زبردست حلیف بھی مل گیا۔ یہ سلطان ترکی بایزید تھا۔

ایک مرتبہ ایک تاتاری لشکر نے ایشیائے کوچک میں مداخلت کی تھی۔ بایزید تیمور سے اسی وقت سے ناراض تھا چنانچہ اب اس کے اور مملوکوں کے درمیان تیمور کے خلاف

معاہدہ ہوگیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ تیمور مغرب کی جانب اس سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ مملوک اور ترک سلطانوں کے یمین یسار شامی عربوں اور ترکمانوں کی وجہ سے محفوظ تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے مشرق کی جانب پیش قدمی کی تو فرات اور بحیرۂ خزر تک کوئی مزاحمت نہیں ہوئی (111)۔

مصری فوج کے لشکر دجلہ کے راستے بغداد پہنچے۔ سلطان احمد ان کے ساتھ تھا۔ اسے بغداد میں اس کے محل میں تخت نشین کیا گیا مگر اب اس کی حیثیت مصر کے مملوکوں کے صوبیدار کی سی تھی۔ جب تک مملوک بغداد میں اور ترک موصل میں موجود رہے سلطان احمد سیدھا چلا مگر جب وہ اس کی کارگزاری سے مطمئن ہوکر واپس چلے گئے تو اس نے پھر اپنا پرانا رویہ اختیار کرلیا اور تیمور کا حال معلوم کرنے کے لئے جاسوس سمرقند روانہ کر دیئے۔ وہ جب واپس آئے تو عجیب و غریب خبریں لائے۔

کہنے لگے: "ہم نے جو کچھ وہاں دیکھا ہے اس کا حال سن کر آپ یقیناً حیران رہ جائیں گے۔ سمرقند اب وہ سمرقند نہیں ہے جس میں اونٹ بندھے رہتے تھے۔ اب تو وہاں نیلے گنبد ہی گنبد اور سنگ مرمر کے صحن ہی صحن ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے اس وقت بھی تیمور ایک محل کی تعمیر کا معائنہ کررہا تھا' معماروں کا کام پسند نہ آیا تو اس نے حکم دے دیا کہ پوری عمارت منہدم کر دی جائے۔ اس کے بعد بیس دن تک روزانہ گھوڑے پر سوار ہوکر وہاں پہنچتا رہا اور خدا شاہد ہے کہ اس نے بیس دن کے اندر اندر محل دوبارہ تعمیر کروا لیا۔ پیش طاق اور گنبد سبھی کچھ بن گیا۔ یہ پیش طاق چوبیس نیزے اونچا اور اتنا چوڑا ہے کہ اس میں پچاس آدمی کھڑے ہو سکتے ہیں۔"

سلطان احمد نے پوچھا: "اور کیا کیا دیکھا؟"

جواب میں جاسوسوں نے بتایا کہ تیمور سنی اور شیعہ علماء کی مجلس میں بیٹھ کر مسئلے مسائل کی باتیں کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ:

"وہ جو کچھ ان سے کہتا ہے اس سے مجھے کیا لینا ہے۔" سلطان احمد نے بات کاٹ کر کہا: "مجھے تو تم یہ بتاؤ کہ آجکل وہ کرکیا رہا ہے۔"

"واللہ!" ایک جاسوس بولا: "خدا آپ کو ہم پر مہربان رکھے۔ آجل تو وہ ہندوستان گیا ہوا ہے۔"

اب ہرچند سلطان احمد کو یہ معلوم ہوگیا کہ اس وقت تیمور اس سے کم از کم ایک ہزار میل دور ہے پھر بھی اطمینان نہ ہوا۔ اسے اپنا چٹیل صحرا میں بھاگنا اور تاتاریوں کا تعاقب

کرنا یاد تھا۔ اپنے وزراء تک پر شک کرنے لگا اور ان میں سے کئی ایک کو تو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ پھر حفاظت جان کے خیال سے حرم سرا کے ایک کونے میں رہنے لگا جو اب قریب قریب ویران پڑی تھی اور سرکیشیائی غلام اور حبشی شمشیر بردار اپنی حفاظت پر مقرر کر دیئے۔

محل کے بالاخانے کے جھروکوں میں سے' جہاں اس کی بیویاں رہتی تھیں' بغداد کے ہجوم کو کشتیوں کے پل پر سے گزرتے دیکھا کرتا۔ دل میں اندیشہ تھا کہ کہیں تیمور اچانک نہ آجائے۔ اپنے چند ایک قابل اعتماد سپاہیوں کی نگرانی میں آٹھ گھوڑے بھی دجلہ کے پرلے کنارے پر ایک اصطبل میں بندھوا رکھے تھے تاکہ اگر تاتاری اچانک آن نمودار ہوں تو مع اہل و عیال ان پر بیٹھ کر اور سامان لدوا کر فوراً فرار ہو جائے۔ پھر یہ حکم دے دیا کہ اس کے پاس کوئی نہ آیا کرے۔ غلام تک اس کے کمرے کے اندر نہ جا سکتے تھے۔ کبھی ایک جھروکے میں سے باہر جھانکتا کبھی دوسرے میں سے۔ محافظوں پر سے بھی اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا اور پھر خوف اس قدر غالب ہوا کہ حکم دے دیا: ہمارا کھانا ایک خوان میں کمرے کے دروازے پر رکھوا دیا کرو۔ جب خدمتگار کھانا رکھ کر چلا جاتا تو دروازے کے کواڑ کھول کر خود خوان اٹھا لیتا۔

راتوں میں فرار ہونے کی مشق کرتا۔ بھیس بدل کر پل پر سے گزر کر جہاں گھوڑے بندھوا رکھے تھے وہاں تک جاتا۔ انہیں دنوں اسے ایک رقعہ ملا جو دلکش ترین فارسی زبان میں تھا۔ یہ حافظ کے قلم سے ایک قصیدہ تھا جسے اس نے عرصہ ہوا بغداد بلایا تھا' اس نے لکھ کر بھیجا تھا:

احمد اللہ علی معدلہ السلطان — احمد شیخ اویس احمد ایلکانی
خان بن خان' شہنشاہ' شہنشاہ نژاد — آنکہ مے زیبد اگر جان جہانش خوانی
پرشکن کاکل ترکانہ کہ در طالع تست — بخشش و کوشش قا آنی و چنگیز خانی

ایک سال گزر گیا اور تاتاریوں نے بغداد کا رخ نہ کیا تو سلطان احمد کو یہ سمجھ کر قرار آنے لگا کہ اب وہ محفوظ ہے۔ مگر ایک دن یکایک یہ قرار ایک نقارے کی گرج سے رخصت ہوگیا۔

تیسرا حصہ

محفوظ شہر

دس سال تک سمرقند کو جنگ تو کجا جنگ کی ہوا تک نہ لگی اور تیمور کے بے پناہ ولولوں کے طفیل اس نے بڑی ترقی کی۔

جب سمرقند تیمور کے ہاتھ آیا اس وقت یہ کچی چنائی اور لکڑی کے مکانوں کا ایک معمولی سا شہر تھا۔ مگر تیمور نے اسے "ایشیا کا روما" بنا دیا۔ دوسرے ممالک میں جو کچھ پسند آیا سمرقند کی زینت بڑھانے کے لئے اٹھا لایا۔ ہر فتح کی یادگار کے طور پر ایک نئی عالیشان عمارت تعمیر کی، جنگ کے ہزاروں لاکھوں اسیر، مہندس، سائنس دان، منجم، شاعر، صوفی لا لا کر بسائے، ارباب علم کے لئے اکادمیاں اور کتب خانے قائم کئے، اہل حرفت کے لئے تجارتی مرکزوں میں منظم ادارے اور جماعتیں بنائیں۔ منجموں کے لئے رصدگاہیں تعمیر کیں اور عوام کی تفریح کے لئے مختلف ممالک کے چرند پرند کا ایک چڑیا گھر بھی بنا دیا۔

یہ شہر تیمور کے خوابوں کی تعبیر تھا۔ وہ جنگوں میں اتنا زیادہ منہمک کبھی نہ ہوتا کہ مفتوحہ شہروں کے ایسے شاہکار سمرقند لانا بھول جائے، جن سے اس کی زینت دوبالا کی جا سکتی ہو۔ تبریز کا دودھیا سنگ مرمر، ہرات کی صیقل شدہ ٹائلیں بغداد کا نازک نقرئی کام اور ختن کا پاکیزہ یشب، اب یہ سب کچھ سمرقند میں موجود تھا۔ کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ آئندہ کیا نوادر آئیں گے کیونکہ سمرقند کی ترقی کا جو نقشہ تیمور کے دماغ میں تھا اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ اس شہر سے اسے ویسی ہی محبت تھی جیسی ایک بڈھے شوہر کو اپنی جوان بیوی سے ہوا کرتی ہے۔ جن دنوں کا یہ ذکر ہے اس زمانے میں وہ سمرقند کی زینت بڑھانے کے لئے ہندوستان کو لوٹ رہا تھا۔ اس نے دس سال میں سمرقند کے لئے جو کچھ کیا اس پر ایک نظر ڈالنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

1399ء مطابق 802ھ کے موسم بہار کا آغاز ہے۔ تیمور ہندوستان گیا ہوا ہے مگر اس نے کابل اور درۂ خیبر کے راستوں سے سمرقند سے سلسلہ آمد و رفت قائم کر رکھا ہے۔ ایک دن اس کے قاصد جنوبی شاہراہ سے آتے ہوئے شہر سبز سے آگے نکل کر ایک میدان سے

گزرے تو دیکھا کہ وہاں تو درختوں کے جھنڈ خیموں اور جھونپڑوں سے پٹے پڑے ہیں۔ یہ تازہ وارد وہ تھے جنہیں ابھی اور کہیں جگہ نہ ملی تھی۔ ان میں جنگی قیدی بھی تھے اور مفت خورے بھی اور ایسے لوگ بھی تھے جو اس نئی بہشت میں قسمت آزمائی کرنے آئے تھے۔ وہ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے تھے اور ان کی عبادت کے طریقے بھی جدا جدا تھے۔ ان میں نصرانی، نسطوری، یہودی، عرب، مملوک، شیعہ، سنی سب تھے۔ بعض خالی خالی آنکھوں سے لوگوں کے منہ تک رہے تھے اور بعض اضطراب اور تشویش کی حالت میں ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے شراب کے نشے میں ہیں۔

تاجروں کے گھوڑے اور اونٹ قطار در قطار کھڑے تھے اور ان کے محافظ بھوسے کے گرد و غبار میں ہتھیار باندھے بیٹھے تھے۔ سڑک کے ایک طرف کنویں کے قریب ایک نگین عمارت تھی جس پر نہ رنگ کیا گیا تھا، نہ گنبد بنایا گیا تھا۔ یہ نسطوری فرقے کے عیسائیوں کا گرجا تھا۔ ان عجیب و غریب چھاؤنیوں سے آگے نکل کر سمرقند کے امیروں کی جاگیروں کا علاقہ آیا جس میں کہیں کہیں صنوبر کے درختوں کی ہری ہری کونپلوں کے درمیان میں سے کسی محل کی سفید سفید دیوار نظر آجاتی۔ قاصد ابھی شہر کی فصیل سے ایک میل ادھر تھے کہ سمرقند کے مضافات آگئے اور وہاں انہیں دور سے ایک مدرسے کے لاجوردی پیش طاق پر جلی حروف میں لکھا نظر آیا: اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔

یہاں سڑک کے دونوں طرف چنار کے درختوں کی قطاریں ہیں مگر بائیں جانب نہریں اور ان نہروں پر پل اور ان سے آگے باغات کا ایک پیچ در پیچ سلسلہ ہے۔ یہ قصر دلکشا کے مضافات ہیں جس میں سنگ تراش ابھی تک کام کر رہے ہیں کیونکہ تعمیر مکمل نہیں ہوئی ہے۔ ایک طرف سرو کے اشجار نیز غنچوں سے لدے ہوئے پھلدار درختوں کے پیچھے پانچ سو قدم لمبی ایک دیوار نظر آرہی ہے۔ یہ ایک مربع احاطے کا صرف ایک ضلع ہے۔ ہر ضلع میں اکہری محراب کا ایک ایک دروازہ ہے جس کی چھت میں ابھری ہوئی چھوٹی چھوٹی محرابوں اور طاقوں کا جال ہے۔ اور ہر دروازے کے ستون شیروں کی شکل کے ہیں۔

باغ کے اندر ایرانی باغبان کیاریوں گملوں اور پودوں کی غور و پرداخت میں مصروف ہیں اور غلام ملبا اٹھا کر جگہ صاف کر رہے ہیں۔ سنگ مرمر کے ستونوں کے اس طرف مرکزی محل نظر آرہا ہے جس کی تین منزلیں ہیں۔ اس کا نقشہ اس طرح بنا تھا کہ بعض نامی گرامی نقشہ نویسوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق بہتر سے بہتر نقشے پیش کئے اور تیمور نے جس کو بہترین سمجھا اس کے مطابق تعمیر شروع کرائی۔

محل کے اندر داخل ہوتے ہی ایک بڑا کمرہ آتا ہے۔ اس میں ماہر فن نقاش ابھی تک
کام کررہے ہیں۔ ہر نقاش کو دیوار کا ایک ایک حصہ دے دیا گیا ہے۔ ڈاڑھی والا چینی
نقاش جو رنگین نقوش پسند نہیں کرتا' مو قلم سے سادے نقش بنا رہا ہے' اس کے قریب ہی
شیراز کا شاہی نقاش جو شوخ رنگوں پر جان دیتا ہے رنگین گل بوٹے بنا رہا ہے' ان سے ذرا
آگے ایک ہندوستانی کاریگر کھڑا ہے جو نقش و نگار کا ماہر تو نہیں ہے مگر جسے گچ (سیمنٹ) پر
سونے چاندی کے ورق چڑھانے میں کمال حاصل ہے۔ کمرے کی چھت پھولوں کا مرقع
معلوم ہورہی ہے جو سونے اور لاجورد میں پچی کاری کے بے مثال نمونے ہیں۔ دیواریں
اس طرح چمک رہی ہیں جیسے کوئی چینی کا برتن ابھی ابھی دھویا گیا ہے۔

شہر کے شمالی حصے میں بھی ایسا ہی ایک باغ ہے' جسے تیمور ہندوستان جانے سے پہلے
مکمل کروا گیا ہے۔ وقائع نگاروں نے جو اپنے آقا کی سرگرمیوں کا حال روزانہ قلمبند کرتے
رہتے ہیں' اس کے بارے میں یوں لکھا ہے:

> حضرت صاحبقران نے باغ شمال میں خیمہ و بارگاہ نصب کروا
> کے اس میں ایک رات قیام کیا۔ یہ عمارت جشن اور تفریحات کے
> لئے بنائی گئی ہے۔ امیر نے ماہرین تعمیر کے بنائے ہوئے نقشوں میں
> سے ایک نقشہ پسند کرکے چار امیروں کو چاروں کونوں کی بارہ دریوں
> کی تعمیر کی دیکھ بھال پر مامور کر دیا تھا۔ آپ اس عمارت کی جلد
> تکمیل کے اتنے زیادہ خواہاں تھے کہ ڈیڑھ مہینے تک وہیں قیام پذیر
> رہے تھے تاکہ تعمیر کا کام جلد از جلد ختم ہو جائے۔ اس کی بنیاد میں
> چاروں کونوں پر تبریز کے سنگ مرمر کی سلیں رکھی ہوئی ہیں۔
>
> "قصر کی دیواروں کے نقش و نگار اصفہان اور بغداد کے
> فنکاروں کے شاہکار ہیں۔ انہوں نے یہ نقوش ایسی توجہ سے مرتسم
> کئے کہ امیر تیمور کے ذخیرۂ عجائب میں چینی نقاشی کے جو نمونے تھے
> وہ بھی ان کے سامنے ہیچ نظر آنے لگے۔ صحنوں کا فرش سنگ مرمر کا
> بنایا گیا اور دیواروں کا نچلا حصہ اندر باہر دونوں طرف فرش کے سنگ
> مرمر سے میل کھاتی ہوئی سفید چینی کا ہے۔ باغ کا نام باغ شمال اور
> قصر کا نام قصر باغ شمال رکھا گیا۔"

ایسے ایسے باغوں میں واقع محلوں کے حلقے میں' پانچ میل کے محیط میں سمرقند آباد ہے۔

شہر کے ایک دروازے "باب لاجورد" پر ایک قاصد ملاؤں کے ایک گروہ کو' جو خچروں پر
سوار ہیں اور پوری سڑک گھیر کر چل رہے ہیں' راستے سے ہٹا کر آگے بڑھتا ہے۔ یہ قاصد
ہتھیار لگائے ہوئے ہے اور اس کا گھوڑا پسینے میں شرابور اور منہ سے جھاگ اڑا رہا ہے۔
ظاہر ہے کہ دور دراز سے تیز ترین رفتار پر چلا آرہا ہے۔ اس کا چہرہ گرد آلود ہے' لال لال
آنکھیں گرد جمی ہوئی پلکوں تلے ڈگر ڈگر کر رہی ہیں' اور چابک والے ہاتھ سے گھوڑے کی
پیٹھ پر مشین کی طرح چابک مارے جارہا ہے۔ غل پڑ جاتا ہے کہ ہندوستان سے حضرت
صاحبقران کا قاصد آیا ہے۔

دروازے پر مٹرگشت کرنے والے لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ اب قاصد
ہجوم کو چیر کر راستے بناتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے جارہے ہیں۔
قاصد ارمنی محلے سے نکل کر' جہاں بجھے بجھے زرد زرد چہروں کے لوگ سمور کی پوستینیں پہنے
ادھر ادھر کھڑے ہیں' زین سازوں کے بازار سے گزرتا ہے' جہاں چمڑے کی بساند اور تیل
کی بدبو پھیلی ہوئی ہے اور شہر کے ایک حاکم کے محل کا رخ کرتا ہے۔ وہاں محرر شاہی
مراسلے کی نقلیں کرنے کے لئے پہلے ہی سے ہمہ تن تیار بیٹھے ہیں۔ ہجوم قاصد کے اندر
داخل ہو جانے کے بعد باہر رکا رہتا ہے کہ شاید کوئی خبر معلوم ہو مگر اس وقت تو بس اتنا ہی
معلوم ہوتا ہے کہ مراسلہ فوری توجہ طلب ہے۔

غل پڑ جاتا ہے کہ حضرت صاحبقران کا فرمان آیا ہے۔ مگر یہ نہیں کھلتا کہ فرمان کیا
ہے۔ حاکم کے کارپرداز گھوڑوں پر سوار ہوکر باہر چلے جاتے ہیں ادھر لوگوں میں قیاس
آرائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

پہاڑی پر جو قلعہ ہے مسلح تاتاری پہریدار اس کے راستے پر پہرہ دے رہے ہیں۔ یہاں
شاہی بیگمات کے محل ہیں جن میں وہ اپنے اپنے دربار کرتی ہیں۔ ہر محل میں ایک خانہ باغ
بھی ہے۔ انہیں میں سے ایک باغ میں آج جشن ہورہا ہے۔

اس میں لالہ و گل کی کیاریاں ہیں' جو دور تک پھیلتی چلی گئی ہیں۔ چھت چینی پگوڈا کی
وضع کی ہے یعنی نیچے سے گول اور اوپر نوک دار۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں
جانے کے لئے محرابی دروازوں میں سے راستہ ہے' جن پر گلابی رنگ کے ریشمی پردے لٹک
رہے ہیں۔ دیواروں اور چھت پر چاندی کے پترے جڑے ہوئے ہیں جن پر سونے کا ملمع
ہے۔ ان پر موتیوں سے گل بوٹے بنائے گئے ہیں اور جھالروں کے ریشمی طرے ہوا سے
ہلتے ہیں تو پھولوں کے جھومتے ہوئے گچھے معلوم ہوتے ہیں۔

ریشمی کپڑے کے شامیانوں میں' جو نیزوں پر تانے گئے ہیں' مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے
دیوان بچھے ہوئے ہیں۔ فرش بخارا اور فرغانہ کے بیش قیمت قالینوں کا ہے۔ ہر شامیانے
میں سونے کی چوکیوں پر' جو سالم سونے کی ڈھلی ہوئی ہیں۔ عطر کی شیشیاں دھری ہیں' جن
میں سے کسی پر لعل' کسی پر زمرد اور کسی پر فیروزے جڑے ہوئے ہیں۔ بلوری صراحیوں
میں نبیذ بھری رکھی ہے۔ شیشوں میں سے کسی میں شراب شیریں اور کسی میں بادۂ تلخ ہے۔
ان کی اندرونی سطح موتیوں کی ہے۔ ایک صراحی کے قریب چھ بلوری جام شراب سے بھرے
رکھے ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں دو انگل چوڑا ایک ایک لعل پڑا چمک رہا ہے۔

مگر جشن ان شامیانوں میں نہیں بلکہ بارہ دری میں ہو رہا ہے جس کے گرد دھوپ
روکنے کے لئے قناتیں کھڑی کی گئی ہیں۔ یہاں پیرانہ سال امیر موید ارلات' چند تاتاری'
بہت سے ایرانی شہزادے اور مہمان آئے ہوئے افغان اور عرب سردار حاضر ہیں۔ جب یہ
سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتے ہیں تو حضرت ملکہ سرائے خانم تشریف لاتی ہیں۔

ان کے آگے آگے حبشی کنیزیں اور دائیں بائیں خواصیں نظریں نیچی کئے باادب چل
رہی ہیں۔ ملکہ معظمہ کے سر پر خود کی وضع کا تاج ہے جو جواہرات' کشیدہ کاری کے کام اور
ماتھے کے سنہری حلقے کی وجہ سے بوجھل ہو گیا ہے مگر وہ اس کے باوجود تن کر قدم اٹھا رہی
ہیں۔ تاج کے منار نما کنگروں پر سفید پر اس قدر بہتات سے لگائے گئے ہیں کہ ان میں سے
کچھ تو ملکہ کے چہرے اور گالوں پر بھی گرے پڑ رہے ہیں۔ ان پروں کے درمیان سونے کی
مہین مہین زنجیریں ہیں جو اپنی زریں آب و تاب دکھا رہی ہیں۔

ملکہ کی قبا کا رنگ بھی قرمزی ہے۔ اس کے حاشئے پر طلا بافی کا کام ہے۔ پندرہ کنیزیں
اس قبا کے دامن سنبھالے پیچھے پیچھے چل رہی ہیں۔ ملکہ کے چہرے پر غازہ ملا ہوا ہے۔ منہ
پر مہین ریشم کا نقاب ہے اور بال شانوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔

جب ملکہ سرائے خانم بیٹھ چکتی ہیں تو ایک اور ملکہ داخل ہوتی ہیں۔ یہ عمر میں ان
سے کم ہیں اور ان کا اتنا دبدبہ بھی نہیں ہے مگر متانت کا پیکر بنی ہوئی ہیں اور سرائے خانم
سے ادب سے پیش آ رہی ہیں۔ ان کے گندمی رنگ اور ترچھی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا ہے
کہ نسلاً" مغل ہیں اور حقیقت میں یہ ایک منگول خان ہی کی دختر ہیں جنہیں تیمور کی
دوسری ملکہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

خدمتگاران دونوں بیگمات کو جام سونے کی کشتیوں میں رکھ کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے
ہاتھوں پر سفید رومال لپٹے ہوئے ہیں تاکہ ان کے ننگے ہاتھ کشتیوں کو نہ چھوئیں۔ دو زانو

ہو کر کشتی بیگمات کی طرف بڑھاتے ہیں اور جب وہ جام اٹھا کر ان میں سے ایک ایک دو دو
گھونٹ پی لیتی ہیں تو الٹے قدموں لوٹ جاتے ہیں' اب اور خدمت گار آگے آ کر امیروں کو
جام پیش کرتے ہیں جو انہیں خالی کرنے کے بعد کشتیوں میں اوندھا دیتے ہیں تاکہ میزبان
دیکھ لے کہ مہمانوں نے اس کی مہمان نوازی کی قدر کی ہے۔

تیمور کا قیام اسی قلعے کے باہر ایک اور جگہ رہا ہے۔ آجکل وہ ہندوستان گیا ہوا ہے اور
یہاں وادی کے سرے پر ایک الگ تھلگ بنے ہوئے قلعے میں' ان افسروں کے جو فوج کے
ساتھ ہندوستان نہیں گئے' نیز قاضیوں اور خزانچیوں کے خیمے ہیں۔ ایک جگہ اسلحہ خانے
اور تجربہ گاہ کا کام بھی دیتی ہے۔

اس قلعے میں طرح طرح کے عمدہ اسلحہ رکھے ہیں اور یہاں مہندسوں کے نقشہ کشی کے
کمرے بھی ہیں جن میں بڑی بڑی میزوں پر عرادوں' منجنیقوں اور نار رومی پھینکنے والی
مشینوں کے نمونے نظر آتے ہیں۔ منجنیقوں کے نمونوں میں دونوں قسم کی منجنیقوں کے
نمونے ہیں۔ ایک اوپر سے بھاری پتھر گرانے والی' دوسری بٹی ہوئی رسیوں کے گوپھیوں
سے پتھر پھینکنے والی۔ یہاں ایسے کمرے بھی ہیں جن میں تیغ گر تلواریں ڈھالتے اور ان کی
کاٹ کی آزمائش کرتے رہتے ہیں۔ مختلف ممالک سے لائے ہوئے کاریگر دن رات صرف
خود اور زرہ بناتے رہتے ہیں۔ اس وقت وہ ہلکے خود بنا رہے ہیں جن میں بینی پناہ بھی لگی
ہوئی ہے جسے چہرے کی حفاظت کے لئے نیچے کھینچا بھی جا سکتا ہے اور چہرے پر سے ہٹایا بھی
جا سکتا ہے۔

خزانے کی عمارت میں جانے کی اجازت نہیں مگر اس سے ذرا آگے "گوشہ عزلت"
میں جا سکتے ہیں۔ یہ سنگ مرمر کی ایک عمارت ہے جس میں عجائب گھر اور چڑیا گھر ہیں۔
اس کے صحن میں ایک درخت' جس کا تنا سونے کا اور شاخیں اور پتے چاندی کے ہیں'
دھوپ میں خوب چمکتا دمکتا ہے۔ اس کی شاخوں پر پھولوں کی جگہ موتی اور ہر قسم کے چیدہ
جواہرات لٹکائے گئے ہیں جو بیر اور آلوچے کی شکل کے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ اس پر
پرندے بھی موجود ہیں جو چاندی اور سبز اور سرخ میناکاری کے شاہکار ہیں۔ یہ پرندے اس
طرح پر پھیلائے ہوئے ہیں جیسے پھلوں پر چونچ مار رہے ہیں۔ خزانے کی عمارت میں قلعے کا
ایک نمونہ بھی رکھا ہوا ہے جس کے چاروں برجوں پر فیروزے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں
ہیں تو کھلونے ہی مگر اس دولت کی علامات ہیں جو تمام دنیا سے کھچ کر سمرقند آ گئی ہے۔

ایک اور قابل دید چیز سفری مسجد آجکل سمرقند میں نہیں ہے۔ یہ نیلے اور قرمزی رنگ

کی ایک ہلکی پھلکی سی چوبی عمارت ہے جس میں چڑھنے کے لئے ایک اونچی سی سیڑھی لگائی جاتی ہے۔ اور روشنی رنگین شیشوں میں سے چھن کر آتی ہے۔ اس کے پرزے الگ الگ ہو جاتے ہیں چنانچہ اسے کھول کر گاڑیوں پر لادا جا سکتا ہے۔ آجکل ہندوستان میں جب حضرت صاحبقران سفر کرتے ہیں تو اس مسجد کے حصے گاڑیوں پر لدے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور انہیں روزانہ نماز کے اوقات پر خاص طور سے ان کے لئے جوڑ دیا جاتا ہے۔

اب تیسرے پہر کا وقت ہے۔ بازاروں میں بھیڑبھاڑ، غل غپاڑے اور گرد و غبار کے علاوہ گرمی بھی ہے۔ یہاں تاتاری من سلوئی سے لے کر جوان لڑکی تک، ہر شے خرید سکتے ہیں مگر اس وقت تو ان کے غول کے غول ان بازاوں سے ہوکر بی بی خانم کے مقبرے کی طرف جارہے ہیں اور چونکہ ایک کارواں گزر رہا ہے اس لئے سڑک سے ہٹ کر گلیوں میں مڑ رہے ہیں۔ یہ کارواں خطا کی شاہراہ سے ابھی ابھی شہر میں داخل ہوا ہے۔ اس کے اونٹوں پر گرم مسالے کی بوریاں لدی ہوئی ہیں جو ماسکو کے راستے ہانسی شہروں (112) کو جارہا ہے۔ بوریوں پر چینی اور عربی زبانوں میں کچھ لکھا ہوا ہے اور ان پر تاتاری چنگی خانے کی مہر بھی ہے۔

بی بی خانم کا مقبرہ اور اس سے ملحق عمارتیں، سمرقند کے اور بڑے بڑے محلوں کی طرح، ایک پستہ پہاڑی پر واقع ہیں جس کے چاروں طرف سفیدے کے پتلے پتلے تنوں کے درخت ہیں۔ یہ عمارتیں اتنی بڑی بڑی ہیں کہ ان کے تناسب کا اندازہ انہیں دور سے دیکھ کر ہی لگایا جا سکتا ہے، قریب سے اندازہ نہیں ہوتا۔ ان میں ایک مسجد، ایک مدرسہ، اور استادوں اور شاگردوں کی قیام گاہیں شامل ہیں اور یہ ابھی مکمل نہیں ہیں۔ مسجد کا حجم، جس میں وسطی گنبد شامل نہیں، روما کے سینٹ پیٹر کے گرجا کے برابر ہے۔ اس کے مینار دو دو سو فٹ اونچے ہیں۔ اس کی عمارت تک پہنچنے کے لئے سنگین فرش کے ایک کشادہ صحن سے گزر کر سنگ مرمر کے حوض کا چکر کاٹ کر جاتے ہیں۔ اس وقت یہاں بڑی بڑی باوقار شخصیتیں تشریف فرما ہیں یعنی علمائے دین، جو علمائے بخارا کی وضع کے بڑے بڑے عمامے باندھے ہوئے ہیں، اور فلسفی حضرات، جن کا علم طبیعات کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ فلسفی علماء سے مباحثہ کررہے ہیں جن کا علم محض کتابی ہے۔

"ذرا یہ تو فرمایئے۔" ایک سیاہ لبادہ پوش عرب عالم پوچھ رہے ہیں: "کہ بو علی سینا کو طب کس طرح آئی؟ کیا وہ خود مشاہدات اور تجربات نہیں کیا کرتے تھے؟"

"اور۔" حلب سے آئے ہوئے فلسفی صاحب، جن کی ناک طوطے کی چونچ جیسی ہے، مقرر کی بات بڑی کرتے ہوئے کہتے ہیں: "کیا انہوں نے اپنے مشاہدات و تجربات کو کتابی صورت بھی نہیں دے دی؟"

"بجا ہے۔" ایک اور صاحب کہتے ہیں: "اور انہوں نے ارسطو کی طبیعات بھی تو پڑھی تھیں۔"

"صحیح ہے۔" ایک مولوی صاحب بول اٹھتے ہیں گو لہجے سے ظاہر ہے کہ ان مقتدر اجنبیوں کے سامنے زبان کھولتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔ "مگر بالآخر یہ حکیم کس نتیجے پر پہنچا، اس کی کتاب کا انجام کیا ہے؟"

"واللہ!" عرب عالم مسکرا کر کہتے ہیں: "مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ اس کی کتاب کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہے مگر اس کا اپنا خاتمہ عورتوں سے بے محابا اختلاط کا نتیجہ تھا۔"

"آپ لوگوں کو کچھ بھی معلوم نہیں۔" ایک بھاری آواز آتی ہے۔ "میں بتاتا ہوں کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ جب اس حکیم حاذق کا وقت قریب آیا تو اس نے درخواست کی کہ اسے قرآن پڑھ کر سنایا جائے۔ یوں اس نے بخشش کی صورت نکالی۔"

اس پر حلبی فلسفی سر اٹھاتا ہے اور کہتا ہے۔ "تم تفکر کی سطح کو بحث مباحثے کی آلائش سے گندہ کررہے ہو۔ میں تمہیں امیر تیمور کا ایک واقعہ اس بارے سناتا ہوں کہ بحث مباحثہ کتنا بیکار ہوتا ہے۔"

حاضرین اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں بتاتا ہے کہ "دو سال قبل ایک موقع پر سمرقند کے عالم لوگ اور ایران کے شیعہ تیمور کے حضور میں بیٹھے تھے جہاں اتفاق سے وہ بھی حاضر تھا۔ تیمور نے ان سے سوال کیا کہ اس جنگ میں اس کی فوج کے مقتول سپاہی شہید سمجھے جائیں گے یا دشمن فوج کے؟ (یاد رہے کہ دونوں طرف کے فوجی مسلمان تھے) کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر ایک قاضی بولا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال کا جواب دے چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی جانوں کی حفاظت یا محض دلیری دکھانے کے لئے لڑتے ہیں وہ قیامت کے دن آپؐ کے دیدار سے مشرف نہ ہوں گے صرف وہی لوگ یہ شرف حاصل کرسکیں گے جنہوں نے احکام قرآنی کے تحت جانیں دی ہوں گی۔" (113)

"ہمارے امیر نے کیا کہا؟" ایک ملا صاحب پوچھتے ہیں۔

"حضرت صاحبقران نے قاضی سے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے۔ قاضی نے اپنی عمر

چالیس سال بتائی۔ اس پر ہمارے امیر نے صرف اتنا کہا کہ میری عمر باسٹھ سال کی ہے اور ان سب کو جنہوں نے بحث مباحثے میں حصہ لیا تھا تحفے تحائف دے کر محفل برخاست کردی۔"

سامعین چند لمحے تک اس واقعے کو ذہن نشین کرتے رہتے ہیں تاکہ اوروں کے سامنے دہرا سکیں۔

"میرا خیال ہے۔" عرب عالم کہتے ہیں۔ "آپ نے یہ شکایت شریف الدین کی تاریخ میں پڑھی ہے۔"

حلبی فلسفی تنگ آکر کہتا ہے: "میں نے تو جو کچھ سنا تھا وہی کہا ہے۔ شریف الدین ہی نے یہ حکایت مجھ سے سنی ہوگی۔"

عرب عالم طنز کرتا ہے۔ "یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے پسو کہے کہ یہ سب کپڑے میرے ہیں۔ اس وقت وہاں آپ کے علاوہ اور کون کون تھا؟"

فلسفی بگڑ جاتا ہے۔ "اگر تمہارے نزدیک حضرت صاحبقران کا ایمان کمزور ہے تو وہ دیکھو۔" اور وہ اپنا ہاتھ عبا کی لمبی آستین میں سے نکال کر بی بی خانم کی مسجد کے پیش طاق کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی لاجوردی زمین پر کیا ہوا سنہری کام اس وقت سائے میں ہونے کی وجہ سے دھندلا دھندلا تو دکھائی دے رہا ہے مگر جو نیلے نیلے تابناک آسمان کے پس منظر پر ایک ایسی جید عمارت کے نقش جیسا معلوم ہورہا ہے جو سینہ صحرا سے ابھری ہوئی چٹان کی طرح ترشی ترشائی ہو۔

مگر عرب بھی کچھ کم نہیں ہے۔ جواب میں کہتا ہے: "میں دیکھ رہا ہوں مگر یہ تو امیر کی ایک ملکہ نے تعمیر کروائی تھی!"

یہ عمارت جس نے یا جس کے لئے تیمور نے بنوائی ہے وہ مسجد سے ملحق باغ میں سنگ مرمر کے ایک چھوٹے سے گنبد تلے مدفون بتائی جاتی ہے مگر اصل میں دروازے کے ایک چوکور سنگ مرمر کی سل تلے دفن ہے جس پر سے آنے جانے والے دن بھر گزرتے رہتے ہیں اور جہاں کالے کالے تیغ بردار تاتاری کھڑے پہرہ دیتے ہیں۔ اس کا نام بی بی خانم مشہور ہے، اصل نام کسی کو معلوم نہیں۔

عام طور پر لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ یہ قبر الجائی خاتون آغا کی ہے جس کی لاش شہر سبز سے یہاں لاکر دوبارہ دفن کی گئی تھی مگر بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چین کی شہزادی کا مقبرہ ہے۔ (114) اور اس کے بارے میں یہ دلچسپ واقعہ بھی لوگوں کی زبانوں پر ہے کہ

ایک رات چور جواہرات کا وہ صندوقچہ چرانے آئے جو اس مقبرے میں رکھا رہتا ہے تو انہیں سانپ نے ڈس لیا۔ اگلے دن صبح کو پہریداروں نے ان کی لاشیں وہاں پڑی ہوئی دیکھیں۔

اب دن ڈھلنے لگا ہے۔ سمرقند کے لوگ دن کے کام کاج اور علماء اور فلسفی بحث مباحثہ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ بعض حماموں کا رخ کررہے ہیں۔ وہاں حمامی ان کے جسم کی مالش کریں گے، اس کے بعد صابن مل مل سرد گرم پانی سے نہلائیں گے پھر بدن ایسے کمروں میں لے جاکر خشک کریں گے جن میں گرمی بتدریج کم ہوتی جاتی ہے۔ اتنے میں کسی کا کوئی میلا کپڑا ہوگا تو وہ بھی دھل دھلا کر آجائے گا۔ اب وہ کسی امیر کے محل میں جائیں گے جس نے انہیں مدعو کررکھا ہوگا، یا دریا کے کنارے کسی باغ میں جاکر کھانا کھائیں گے۔ یہ جگہ سمرقند کے شہریوں کی تفریح گاہ ہے۔ نانبائیوں کی دکانوں پر بکرے کے گوشت کے کباب، پلاؤ، خمیری روٹیاں اور شیرمالیں رکھی ہوتی ہیں، حلوائیوں کی دکانوں پر مصری کے کوزے اور مٹھائیوں کے تھال سجے ہوتے ہیں اور پھل والوں کے ہاں میوے اور تازہ انجیر آٹھ آنے سیر مل جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ کھا پی چکنے کے بعد بازار کے سرے کے اس ے خانے میں جا بیٹھتے ہیں جس میں سے بازار کی رونق اور ہجوم کے گزرنے کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

دریا کے کنارے کنارے تمبو لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی میں پتلیوں کا تماشا ہورہا ہے جو روشنی میں سفید پردے پر آپس میں لڑتی اور اکڑ اکڑ کر چلتی ہیں، کسی میں جادو کی لالٹین سے تصویریں دکھائی جارہی ہیں۔ کہیں نٹ ان رسوں پر چل کر دکھا رہے ہیں جو دیکھنے والوں کے سروں کے اوپر تان رکھے ہیں اور کہیں قلاباز دریاں بچھا کر ان پر کرتب دکھا رہے ہیں۔ بعض تاتاری ان تفریحات سے منہ موڑ کر باغ میں لالے اور انار کے کنجوں کا رخ کررہے ہیں جن میں نیلے اور قرمزی رنگ کے قمقمے لٹکے ہوئے ہیں اور اہل ضیافت کے درمیان، جو قالینوں پر دوزانوں بیٹھے ہوئے ہیں، جام و سبو گردش کررہے ہیں۔ اس محفل میں تمام دن کی افواہوں کا تبادلہ اور خبروں پر تبصرہ ہورہا ہے۔ ایک موسیقار بھی موجود ہے جو چھتارے پر راگ الاپ رہا ہے۔ جب موسیقی ختم ہوتی ہے تو ایک شاعر حاضرین کو اپنی طرف متوجہ کرکے ایک غیرمعروف شاعر کا، جو نجومی بھی ہے اور خیام تخلص کرتا ہے، یہ کلام سناتا ہے:

ہم شطرنج کے مہرے ہیں، جو خواہ مخواہ دوڑ بھاگ کر رہے ہیں، عظیم شاطر فلک کی

خوشنودی کے لئے۔

وہ، کچھ وقت تک، ہمیں، زندگی کی بساط پر چلاتا رہتا ہے۔ پھر ہم موت کی صندوقچی میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ (115)

بڑی خانم اور چھوٹی خانم

سمرقند کی تعمیر تیمور نے صرف اپنی پسند کے مطابق کی۔ دیگر تاتاری فاتحوں کے برعکس اس نے اس زمانے کے ایرانی طرز تعمیر کی نقل نہ اتاری۔ ایرانی عمارتیں دیکھ کر پسند ضرور کیں اور جنوب کے ملکوں سے معمار بھی ساتھ لے گیا مگر سمرقند کی قابل دید عمارتیں ایرانی طرز کی نہیں تاتاری طرز ہی کی بنائیں۔ سمرقند کے، نیز تیمور کے آباد کئے ہوئے اور شہروں کے کھنڈر آج بھی تاتاری فن تعمیر کے مظہر نیز تاتاری ذہن و تخیل کے آئینہ دار ہیں اور کھنڈر ہونے کے باوجود لازوال حسن کے مالک ہیں۔

تیمور کی عمارتیں کبھی کبھی، بلحاظ جزئیات، بڑی بھونڈی اور مکروہ معلوم ہوتی ہیں۔ بعض میں محرابوں کے سامنے کے حصے تابناک بھڑک لئے ہوئے ہیں مگر پیچھے نامکمل استر اور خالی اینٹیں ہیں تاہم ان کی بناوٹ کی سادگی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ تیمور حجم اور وسعت کا دلدادہ تھا۔ کم از کم دو دفعہ اس نے پوری عمارت گرا کر اس کی جگہ اس سے بڑی عمارت بنانے کا حکم دیا۔ اسے رنگ، خصوصاً شوخ رنگ بھی بہت پسند تھا۔

تیمور کی طبیعت میں تاتاری نسل کی خشکی کے باوجود بادیہ نشینوں کی غیر گویا شاعرانہ حس پائی جاتی تھی، اسی لئے اس کی عمارتیں سادہ مگر باعظمت ہوتی تھیں۔ وہ صحرا نشینوں کی طرح سبزہ و گل اور آب رواں کا بھی گرویدہ تھا۔ اور یہ بات قابل غور ہے کہ اس نے جو محل بنوائے ان کا مقصد باغوں کی تکمیل کرنا تھا۔

سمرقند میں عوام کے لئے ایک میدان تھا جو "ریگستان" کہلاتا تھا۔ اس میں نماز پڑھائی جاتی، باتیں چیتیں ہوتیں، ملک ملک کی سیاست اور خبروں پر تبصرے کئے جاتے، امرا اور سردار ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے اور تاجر لوگ سودے کرتے کراتے۔

اس کے چاروں طرف مسجدوں اور دارالعلوم کی وہ عمارتیں تھیں جو تیمور کی پسند کے مطابق تعمیر کی گئی تھیں۔ "ریگستان" قلعے کے نیچے ایک پستہ پہاڑی کی چوٹی کے پورے پھیلاؤ پر محیط تھا۔ یہاں مصنوعی چشمے تھے جن سے پانی ابلتا رہتا تھا اور ہر وقت فوارے

چھوٹتے رہتے تھے۔

جس روز سرائے خانم کا جشن استقبال ہوا اس کے اگلے دن صبح سویرے اس میدان میں بڑا ہجوم ہے کیونکہ ایک دن پہلے سے ایک قاصد کی آمد کی خبر گرم ہے۔

"ابھی اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوسکا ہے۔" سب امیر یہی کہہ رہے ہیں۔ "کہ پیغام ہمارے امیر نے بھیجا ہے۔" "مگر یہ پردہ داری کیوں ہے؟ کیا کوئی آفت نازل ہوگئی ہے؟ یا کوئی حادثہ پیش آگیا ہے جسے راز میں رکھا جارہا ہے؟

انہیں یاد آتا ہے کہ بڑے امیر اپنی خوشی سے ہندوستان نہیں گئے تھے' صرف تیمور کے جوش دلانے پر رضامند ہوگئے تھے۔ اور تو اور تیمور کے پوتے محمد سلطان تک نے یہ کہا تھا کہ "ہوسکتا ہے ہم ہندوستان فتح کرلیں مگر راستے میں نہ جانے کتنی رکاوٹیں آئیں۔ اول دریا' دوسرے بیابان اور جنگل' تیسرے زرہ پوش سپاہی اور چوتھے ہاتھی ہوں گے جو انسانوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں۔"

اسی طرح ایک تاتاری امیر نے جو ہندوستان ہو آیا تھا' یہ بتایا تھا کہ "ہندوستان بڑا گرم ملک ہے جس میں یک لخت اتنی سخت گرمی پڑنے لگتی ہے کہ زمین تپ اٹھتی ہے۔ پھر وہاں کی گرمی ہمارے ہاں کی گرمی جیسی بھی نہیں ہوتی بلکہ اس سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور اس کی طاقت زائل ہوتی ہے۔ پانی بھی خراب ہے اور باشندے جو زبان بولتے ہیں وہ ہماری زبان سے مختلف ہے۔ اگر فوج کو وہاں زیادہ عرصے رہنا پڑ گیا تو پھر کیا ہوگا!؟"

اس وقت ریگستان کی اس تاتاری مجلس میں داناؤں کے علاوہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو تیمور کی فتوحات کے بعد تو خیر اور کاموں میں لگا دیئے گئے ہیں مگر ان سے پہلے ممالک پر حکمرانی کر چکے ہیں۔ وہ یہ رائے ظاہر کررہے ہیں کہ ہندوستان کی دولت کے بل پر ہم ساری دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔

اس بات کو سب سمجھ رہے ہیں کہ پہاڑوں کے اس طرف جو وسیع مملکت ہے' وہ ایشیا کے خزانے کی حیثیت رکھتی ہے اور تیمور اس خزانے پر قبضہ کرنے گیا ہے۔ انہیں کچھ کچھ یہ خیال بھی ہے کہ تیمور چین تک پہنچنے کے لئے ایک نئی شاہراہ کھولنی چاہتا ہے۔ دو اور لشکر ختن سے آگے صحرائے گوبی میں راستے تلاش کرنے گئے ہوئے ہیں یا نہیں اور انہوں نے وہاں سے یہ اطلاع دی ہے یا نہیں کہ ختن سے کمبالو تک دو مہینے کا راستہ ہے۔ انہوں نے کشمیر میں بھی راستے تلاش کئے ہیں جہاں کے پہاڑ تاتاری مملکت اور چین کے درمیان حائل ہیں۔

سلطنت کے ان مشیروں کے پیش نظر یہ بات بھی ہے کہ تیمور نے حال میں منگلی خان کی بیٹی سے شادی کی ہے اور شہنشاہ چین کو فوت ہوئے بھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔

ان میں سے ایک کہتا ہے: "دنیا میں چھ بادشاہ اتنے عالی مرتبہ ہیں کہ پاس ادب سے انکا تذکرہ نام لے کر نہیں کیا جاتا۔ یہ قول مشہور سیاح ابن بطوطہ کا ہے جو ان سب کے درباروں میں گیا تھا۔"

"چھ کہاں ہیں۔" ایک افسر ہنستا ہے۔ "ایک ہی ہے اور اس کا نام امیر تیمور ہے۔"

مگر جو افسر اس سے زیادہ تجربہ اور علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں: "نہیں۔ ابن بطوطہ نے ٹھیک کہا ہے۔ اس نے ان کے نام بھی بتائے ہیں۔ تقفور قسطنطنیہ (116) سلطان مصر' شاہ بغداد' امیر تاتار' ہند کا مہاراج اور فغفور چین۔ اس وقت تک ہمارے امیر نے ان میں سے صرف شاہ بغداد کو شکست دی ہے۔"

بوڑھے سیف الدین اور موید ارلات سمیت جتنے امیر "ریگستان" میں موجود ہیں وہ اپنی گزشتہ چالیس سال کی جنگوں پر نگاہ بازگشت ڈالتے ہیں۔ ان چالیس برسوں میں دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں میں سے صرف ایک حکمران سلطان احمد امیر تیمور سے شکست کھا کر بھاگا ہے اور اب تو وہ بھی بغداد واپس آچکا ہے۔

مغرب سے جو خبریں آرہی ہیں وہ بھی کچھ اچھی نہیں ہیں۔ کوہستان قفقاز میں بغاوت پھیل چکی تھی اور سلطان بغداد نے عراق پر دوبارہ قبضہ کرلیا تھا۔ اگر خدانخواستہ امیر تیمور کو ہندوستان میں شکست ہوگئی تو کیا ہوگا! مگر تیمور کی رعایا فتوحات کی خبریں سننے کی اتنی عادی ہوگئی تھی کہ اسے تیمور کے شکست کھانے کا گمان تک نہ ہو سکتا تھا کیا نوے ہزار تاتاری فوج درۂ خیبر سے گزر کر دریائے سندھ پر پل نہیں باندھ چکی ہے؟ ملتان فتح نہیں ہو چکا ہے' اور اب تیمور سلطان دہلی پر چڑھائی کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

وہ تاتاری امیر' جن کے ہاتھ میں داخلی نظام حکومت تھا' ہاتھیوں کی جنگی صلاحیت کے بارے میں سوچنے لگے۔ یہ جانور انہوں نے کبھی نہ دیکھے تھے۔

اس روز صبح "ریگستان" میں یہ خبر سرعت سے پھیل گئی کہ قاصد جو پیغام لایا ہے وہ معلوم ہوگیا ہے۔ قلعے کے پہریدار تمام رات اسی کی وجہ سے تلاشیاں لیتے رہے ہیں؟ حضرت صاحبقران نے یہ فرمان بھیجا ہے کہ شادی ملک کو قتل کر دیا جائے۔

سارا سمرقند حیران ہوکر سوچنے لگا کہ یہ شادی ملک کون ہے! صرف چند لوگ یہ بات جانتے تھے کہ وہ کون ہے۔ ان میں سے ایک بوڑھا سپہ سالار سیف الدین تھا۔

یہ بزرگ ترین امیر چند دن پہلے ایران سے سیاہ بالوں والی ایک حسینہ لایا تھا' جس کا رنگ گورا' آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ' اور جو کسی حرم کی پروردہ تھی۔ خان زادہ کا سب سے چھوٹا بیٹا خلیل اس پر فریفتہ ہوگیا۔ اس کی درخواست پر سیف الدین نے یہ لڑکی اسے دے دی۔ اس طرح شادی ملک جو آداب دربار سے واقف اور شاہی کنیزوں جیسے غمزے کرنے جانتی تھی تیمور کے پوتے کی آغوش کی زینت بن گئی۔

خلیل اس کی محبت میں کھو کر گھنٹوں اس کے زانو پر سر رکھے پڑا رہتا بلکہ اس سے شادی کرنے کی فکر کرنے لگا اور شادی بھی ایسی جس میں دربار کے تمام امیراور شہزادے اور شہزادیاں شریک ہوں۔

لیکن تیمور نے اس کی یہ درخواست رد کر دی اور حکم دیا کہ شادی ملک کو اس کے حضور میں پیش کیا جائے۔ اس پر وہ ڈر کے مارے کہیں بھاگ گئی یا ممکن ہے خلیل نے کہیں چھپا دیا ہو۔ ابھی یہ قصہ یہیں تک پہنچا تھا کہ تیمور فوج ہندوستان روانہ ہوگئی تھی۔

اب تیمور نے ہندوستان سے یہ حکم بھیجا تھا کہ شادی ملک کو قتل کر دیا جائے ظاہر ہے کہ اب نہ خلیل اس کی کچھ مدد کر سکتا تھا' نہ وہ چھپ سکتی تھی کیونکہ سمرقند کا چپا چپا چھانا جارہا تھا۔ صرف ایک جائے پناہ رہ گئی تھی۔ شادی ملک نقاب میں چہرہ چھپائے ملکہ سرائے خانم کے محل میں پہنچ گئی' ملکہ کے قدموں میں گر کر اس کے پاؤں پکڑ لئے اور گڑگڑانا شروع کر دیا کہ میری جان بچایئے۔ اس میں تاتاری عورتوں جتنی ہمت نہ تھی۔

ان دونوں عورتوں میں کیا باتیں ہوئیں یہ کسی کو معلوم نہیں مگر جو کچھ ہوا ہوگا اس کا تصور تو کیا ہی جا سکتا ہے۔ ادھر ایک حسین لڑکی' جس کی حنائی ہاتھوں کی انگلیاں سنبل جیسی ہیں اور جسکے مرمریں گالوں پر ڈھلکتے ہوئے آنسوؤں سے آنکھوں کا کاجل بہہ بہہ کر رخساروں پر کالی کالی لکیریں بنا رہا ہے' ملکہ کی منتیں کررہی ہے' ادھر ملکہ تاتاری روایات کے مطابق سنجیدہ اور پرتمکین ہے' تنی بیٹھی ہے۔ ادھر شادی ملک جو عیش و عشرت کی تخلیق ہے' خوف سے ہراساں اور لرزہ براندام ہے' ادھر سرائے خانم بیوہ بھی ہے اور بوڑھی بھی۔ اور پھر بااقتدار شہزادوں کی ماں اور دادی بھی ہے جس کی زندگی پچاس سال سے تفکرات اور حل طلب مسائل میں گھری رہی ہے۔

مگر جب شادی ملک نے یہ کہا کہ وہ خلیل سے حاملہ ہے تو ملکہ بولی: "اگر یہ بات ہے تو پھر امیر تمہیں قتل نہیں کروائے گا۔"

اس نے شادی ملک کو اپنے خواجہ سراؤں کی نگرانی میں دے دیا اور یہ ہدایت کردی کہ

تیمور کی واپسی تک اسے خلیل سے نہ ملنے دیا جائے۔

یہ بات یوں تو معمولی سی تھی۔ ایک شاہزادہ ایک کنیز سے عشق کرنے لگا تھا مگر اس معمولی سی بات پر مملکت کا مستقبل منحصر ہوگیا۔ سرائے خانم اور خان زادہ میں بڑی سخت دشمنی تھی کیونکہ گو خان زادہ رشتے میں چھوٹی تھی مگر قریب قریب سوتیلی ساس جتنا ہی اثر و رسوخ رکھتی تھی اور جاہ طلب ہونے کے علاوہ اس سے کہیں زیادہ ذہین اور عقلمند بھی تھی۔ لوگ انہیں بڑی ملکہ اور چھوٹی ملکہ کہتے تھے۔

سلطنت کے لئے اچھا ہوتا اگر بڑی خانم شادی ملک کو قتل ہو جانے دیتی مگر شادی ملک زندہ رہی کیونکہ تیمور کے ہندوستان سے واپس آنے کے بعد جب معاملہ اس کے سامنے پیش ہوا تو اس نے سرائے خانم کے فیصلے کی تصدیق کردی۔

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر ایک پیغام رساں سمرقند پہنچا جس نے وہ پیغام جو لایا تھا پوشیدہ رکھنے کی بھی کوشش نہ کی۔ اس نے محافظ خانے' سرائے' اور صدر دروازے پر بدک بدک کر پیچھے ہٹتے ہوئے گھوڑے کی راسیں کھینچ کھینچ کر چلا چلا کر کہا:

"فتح! فتح! ہمارے امیر کی فتح ہوئی!"

بعد میں اور پیغام رساں پہنچے تو ان سے تفصیلات معلوم ہوئیں۔ سلطان دہلی کے ساتھ جنگ سے پہلے تاتاریوں نے ایک لاکھ کے قریب قیدی ہلاک کئے تھے۔ ہندوستان کی فوج سے لڑائی ہوئی' دہلی تسخیر ہوگئی (117) ایک روایت یہ تھی کہ ہاتھیوں کو نار رومی سے منتشر کیا گیا تھا۔

سمرقند میں یہ خوشخبری سننے کے بعد جشن منایا گیا۔ روز رات کو "ریگستان" میں لوگوں کا ہجوم ہوتا۔ علماء خصوصی طور پر خوش ہوئے۔ شمالی ہندوستان قبضے میں آگیا تھا' ایشیا کے خزانے کا دروازہ تیمور پر کھل چکا تھا' اور ہندو راجا پہاڑوں میں بھگائے جا چکے تھے۔ وہ ایک نئی خلافت کے خواب دیکھنے لگے جس کی قلمرو میں بغداد سے لے کر ہندوستان تک کا علاقہ ہوگا۔ انہوں نے سوچا تیمور کے ماتحت جس طرح امن بھی قائم ہوگا اور دولت بھی حاصل ہوگی اسی طرح علماء کی طاقت بھی بڑھے گی۔

اگلے موسم بہار میں فوج شہر سبز اور تخت قراچہ (118) کے راستے سے واپس آئی جہاں پہاڑ کی چوٹی پر کالے پتھر کی چہار دیواری کے اندر ایک باغ لگوایا گیا تھا۔

شہر کے باب لاجورد میں قالینوں کا فرش کیا گیا تھا۔ قلعے کو جو گلی جاتی تھی اس پر بانات بچھا ہوا تھا۔ چھتوں سے' اور باغوں کی دیواروں پر' ریشمی کپڑے اور کشیدہ کاری نیز زر

دوزی کے کام کے کپڑے لٹک رہے تھے۔ دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ ہر طرف چہل پہل تھی اور لوگ اپنے اپنے بہترین لباس پہنے ہوئے چل پھر رہے تھے۔

مقامی امرا و روسا' باہر سے آئے ہوئے امرا اور شہزادوں نے شہر سے باہر نکل کر اپنے امیر کا استقبال کیا (119)۔ سرائے خانم اپنے خدم و حشم سمیت شریک استقبال تھی مگر اس کی آنکھیں زر پوش سواروں میں اپنے نور عین شاہرخ کو ڈھونڈ رہی تھیں' اسی طرح خان زادہ بھی اپنے دو بیٹوں شہزادہ محمد سلطان اور شہزادہ پیر محمد کی منتظر کھڑی تھی۔ جب یہ دونوں شہزادے پاس سے گزرے تو غلاموں نے سونے کا بورا اور موتی ان پر نچھاور کئے اور جب تیمور کا گھوڑا قریب آیا تو اس کے قدموں میں زر و جواہر کا ڈھیر لگا دیا گیا۔

اس کے بعد جو کچھ نظر آیا اس سے لوگوں پر حیرت کی شدت سے سکتہ طاری ہوگیا۔ کوہ پیکر حیوان جن کے جسم طرح طرح کے رنگوں سے رنگے ہوئے تھے اس طرح جھومتے جھامتے چلے آرہے تھے کہ جو گرد و غبار اڑ رہا تھا ان کی اونچی اونچی مشکیں اس کے اوپر سے دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ ہاتھیوں کے غولوں کے آگے والے ہاتھی تھے۔ کل ستانوے غول تھے جو اپنے سابق مالکوں کے خزانوں سے لدے ہوئے تھے۔

اس شان سے تیمور آٹھویں بار بحیثیت فاتح سمرقند میں داخل ہوا۔ وہ ہندوستان سے جو چیزیں لایا تھا ان میں دہلی کی جامع مسجد کا نقشہ اور دو سو معمار بھی تھے جنہیں اس نقشے کے مطابق سمرقند میں ایک جامع مسجد تعمیر کرنی تھی۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ تیمور نے سمرقند پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ حمام میں نہانے لگا۔

تیمور کی جامع مسجد

تیمور ہندوستان کی فتح کی یادگار کسی ایسی عمارت سے قائم کرنا چاہتا تھا جو نئی وضع کی بھی ہو اور عالیشان بھی ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ سمرقند پہنچنے سے پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ عمارت کیا ہونی چاہئے کیونکہ ماہ مئی کی بیسویں تاریخ کو سمرقند میں داخل ہوا اور اٹھائیسویں تاریخ کو اس عظیم مسجد کی بنیاد رکھوا رہا تھا جو بعد میں شاہی مسجد کہلائی۔

اس کا طول و عرض عید گاہ جتنا رکھا گیا تاکہ اس میں نماز کے وقت تمام کے تمام اہل دربار آسکیں۔ پانسو سنگ تراش کھدانوں سے سلیں کاٹنے کے لئے روانہ کئے گئے اور جلد ہی یہ سلیں بھاری بھرکم پہیوں کی ان گاڑیوں پر لد کر سمرقند پہنچنی شروع ہوگئیں جنہیں نقل و حمل کی نو دریافت طاقت ہاتھی کھینچ رہے تھے۔ یوں پتھر پہاڑوں سے سمرقند تک لانے کا کام آسان ہوگیا۔ پھر تیمور کو ایک اور ترکیب سوجھی۔ اس نے سوچا جسیم اور طاقتور ہاتھی موجود ہیں۔ انہیں تعمیر عمارت کے کام میں کیوں نہ استعمال کیا جائے۔ جب اس نے یہ مسئلہ مہندسوں کے آگے رکھا تو بہت جلد چرخیاں اور جر ثقیل تیار کرلئے گئے جو ہاتھیوں کے ذریعے چلائے جاتے اور وزنی پتھر بلندی پر باآسانی پہنچ جاتے۔

جب دیواریں اٹھ گئیں تو ہندوستانی کاری گر' جو تعداد میں دو سو تھے' اندر کے رخ کام کرنے لگے۔ تیمور جس یکسوئی سے جنگیں لڑتا آیا تھا اسی یکسوئی سے تعمیر کے کام کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ ہندوستان فتح کر چکنے کے بعد اب اس کے ذہن میں تعمیر مسجد کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ گزشتہ موسم سرما میں وہ جنگوں کے لئے جن راستوں سے گزرا تھا ان میں دو لاکھ سے کم آدمی نہ مرے ہوں گے مگر تیمور ان باتوں کو بھول بھال چکا تھا' اب تو اس پر یہ مسجد بنانے کی دھن سوار تھی۔ وہی سپہ سالار جنہوں نے لڑائی میں فتوحات حاصل کی تھیں اب مسجد کے میناروں' ستونوں اور گنبدوں کی تعمیر کی نگرانی کر رہے تھے۔

چھت جو بہترین سنگ مرمر کی تھی' چار سو اسی ستونوں پر رکھی گئی۔ دروازے پیتل کے تھے' منبر فولاد اور چاندی کا تھا اور نقش و نگار کی جگہ ماہر فن خطاط آیات قرآنی لکھ رہے تھے۔

ابھی مسجد کی تعمیر شروع ہوئے پورے تین ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ موذن اس کے

میناروں سے اذان دینے لگا اور منبر سے امیر تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

تیمور نے شہنشاہ کا لقب اختیار نہیں کیا۔ وہ ابھی تک امیر تیمور گورگاں ہی تھا۔ اس نے کبھی "ترا" یعنی چنگیزی حکمراں نسل کا فرد ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔ اس کی دستاویزیں اس طرح شروع ہوا کرتی تھیں کہ "امیر تیمور نے یہ حکم دیا ہے ...... یا اس سے بھی زیادہ اختصار کے ساتھ یوں کہ "میں خدا کا ایک بندہ امیر تیمور یہ کہتا ہوں کہ ...."

مگر اس کے پوتے، جو سب کے سب شاہی تاتاری بیگمات سے تھے 'مرزا' اور 'سلطان' کے خطابات رکھتے تھے۔ تیمور نے انہیں سلطنتیں جاگیر میں دے رکھی تھیں۔ محمد سلطان جت مقبوضات کا، پیر محمد ہندوستان کا، اور اس کا شریف طبع فرزند شاہرخ، جو ہرات میں محل تعمیر کررہا تھا، خراسان کا حکمراں تھا۔ معزول شدہ میراں شاہ کے لڑکے مغرب کے علاقے میں دربار کرتے تھے اور اس وقت مغرب ہی میں بدامنی ہو رہی تھی۔

تیمور نے اب تک اپنے جانشین کے بارے میں نہ کوئی وصیت کی تھی نہ اشارے کنائے سے کچھ بتایا تھا۔ ملکہ سرائے خانم کو جو بوڑھی ہوتی جارہی تھی، حالات اپنے موافق نہ ہونے کے باوجود یہ امید تھی کہ تخت و تاج اس کے فرزند شاہرخ کو دیا جائے گا، ادھر خان زادہ اپنے چھوٹے لڑکے خلیل کے لئے سازش سے لے کر خوشامد تک ہر جتن کر رہی تھی مگر دونوں میں سے کسی کو اس بارے میں تیمور کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہ تھی۔ رہے پوتے، ان کے سلسلے میں اس نے کٹر غیرجذباتی رویہ اختیار کر رکھا تھا۔

وہ بیوی اور بہو کی خواہشات سے بے پروا تھا۔ روز گھوڑے پر سوار یہ نظارہ دیکھا کرتا کہ ہاتھی تعمیرات کے کام میں کتنے کارآمد ثابت ہو رہے ہیں۔ ایک روز اسے خیال ہوا کہ شہر کا بازار آمد و رفت کے لئے تنگ ہے، فوراً حکم دے دیا کہ ریگستان سے دریا تک ایک نیا اور زیادہ کشادہ بازار بنایا جائے جس میں دونوں طرف دکانیں رکھی جائیں اور یہ کام بیس دن میں ختم ہو جائے۔ دو امیروں کو اس کام پر مقرر کیا اور ان پر یہ بات واضح کردی کہ اگر اس حکم پر عملدرآمد نہ ہوا تو ان کے سر قلم کر دیئے جائیں گے۔

ان دونوں امیروں کو تن دہی سے کام کرنا ہی تھا۔ جس خط پر نیا بازار بنانے کا حکم دیا گیا مزدوروں کی ایک پوری فوج اس خط پر واقع مکانوں کو گرانے پر لگا دی گئی۔ مالکان کی کوئی بات نہ سنی گئی۔ جب مکانات گرائے جانے لگے تو وہ جتنا سامان لے جا سکے اسے جوں توں اٹھا کر وہاں سے چلے گئے۔ ملبا اٹھایا گیا۔ زمین ہموار کی گئی۔ پتھر کا فرش کیا گیا۔ نالیاں نکالی گئیں۔ کام جلد ختم کرنے کے لئے مزدوروں کو دو باریوں میں تقسیم کردیا گیا۔ ایک دن

کے وقت اور دوسری رات کو مشعلوں کی روشنی میں کام کرتی۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ رات کے مزدور بے پناہ شور میں آگ کے شعلوں کے قریب کام کرتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے جیسے ہزاروں کی تعداد میں جن جمع ہیں۔

نیا اور کشادہ بازار بن کر تیار ہوگیا۔ اس میں محراب دار ستون کھڑے کرکے ان پر چھت ڈالی گئی اور دکانیں بنائی گئیں، گنبدی چھت میں ہوا اور روشنی کے لئے کھڑکیاں رکھی گئیں اور تاجروں کو حکم دیا گیا کہ جلد از جلد اپنا مال دکانوں پر سجا کر بیٹھ جائیں۔ ابھی بیس دن پورے نہ ہوئے تھے کہ نئے بازار میں چہل پہل شروع ہوگئی۔ تیمور اس میں سے گھوڑے پر سوار ہوکر گزرا اور کارگزاری پر اطمینان ظاہر کیا۔

مگر اس سے ایک قضیہ بھی پیدا ہوگیا۔ جو لوگ مکانوں سے نکالے گئے تھے انہوں نے معاوضہ طلب کیا اور بعض نے قاضیوں کی عدالتوں میں ہرجانے کے مقدمے دائر کر دیئے۔ ایک دن تیمور قاضیوں کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا کہ ان میں سے کسی نے ہمت کرکے اسے یہ صلاح دی کہ جن لوگوں کے مکان نئی سڑک پر آگئے ہیں انہیں معاوضہ دے دے۔

تیمور بگڑ کر بولا: "کیا یہ شہر میرا نہیں ہے؟"

اس قاضی کو اپنی جان عزیز تھی اور جلاد قریب ہی موجود تھا چنانچہ اس نے یہ کہہ کر تیمور کا غصہ ٹھنڈا کیا کہ شہر اسی کا ہے، اس لئے جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا۔

مگر پھر تیمور تھوڑی دیر بعد خود ہی بولا کہ اگر ان لوگوں کو معاوضہ ملنا چاہئے اور آپ کا بھی یہی خیال ہے تو میں معاوضہ ادا کر دوں گا۔

ان دنوں ظاہر یہی ہوتا تھا کہ اب تیمور کے دل میں کوئی اور لڑائی چھیڑنے یا کوئی اور ملک فتح کرنے کا خیال نہیں ہے۔ مگر معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہ جنگ چھیڑنے سے پہلے معلومات حاصل کر رہا تھا۔ جو مملکت اس کے زیرنگیں آچکی تھی وہ بجائے خود کافی طویل و عریض تھی۔ شمال کا علاقہ پہلے ہی سے اس کے قبضے میں تھا اور اب وہ ہندوستان کی دولت بھی کھینچ چکا تھا۔ یہ درست ہے کہ دجلہ کے مغرب کا علاقہ اس سے چھن گیا تھا مگر ادھر کی کوئی طاقت بھی اس کی مملکت کے قلب پر حملہ آور ہونے کی جرات نہ کرسکتی تھی۔

تیمور اب چونسٹھ سال کا ہو چکا تھا۔ جسم اب بھی حسب سابق طاقتور نظر آتا تھا مگر دوچار مرتبہ بیمار پڑ چکا تھا۔ ذہن اب بھی اتنا ہی حاضر رہتا تھا جتنا ادھیڑ عمر میں رہا کرتا تھا مگر اب طویل وقفوں تک خاموش رہتا اور طبیعت میں سختی بھی آگئی تھی۔ جامع مسجد تو اس نے بنا ڈالی تھی مگر اس پر علماء کا کوئی اثر نہ تھا۔ دراصل وہ تمام عمر ایک اندرونی کشمکش کا شکار

رہا۔ اس کے متقی باپ کا ایمان و ایقان' اس کے مرشد زین الدین کی نصیحتیں اور شرع محمدی' یہ تینوں اس کے خانہ بدوش آباء کے رجحانات' جنگ و جدل کے شوق اور تباہی مچانے کی خوشی سے متصادم رہتی تھی۔ ان دنوں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے تیمور خانہ بدوشوں کے آئین زندگی کا قائل ہوتا جارہا ہے ----- مرد کے سامنے ایک ہی راستہ ہوا کرتا ہے ----- کشمکش' فتح اور دنیا پر قبضہ کرکے اپنی شان بڑھاتا۔

مغرب کے بادشاہ ----- قاہرہ کا خلیفہ اسلام' سلطان بغداد اور شہنشاہ ترکی ----- اسلام کے ستون تسلیم کئے جاتے تھے۔ اور ان سب کی نظر میں تاتاری فاتح وحشی اور ملحد تھا۔

تیمور کا ان پر لشکر کشی کرنا اسلامی دنیا میں تفرقہ ڈالنا اور کم از کم دس لاکھ مسلمانوں کو جنگ کی آگ میں دھکیلنا تھا۔ علماء امن برقرار رکھنے کے لئے کوشاں تھے۔ وہ تیمور کو غازی کا لقب دے چکے تھے اور ہر مسجد میں اس کی فتح و نصرت کی دعائیں اس لئے مانگی جاتی تھیں کہ اس نے اسلام کے لئے تلوار اٹھائی تھی۔

مگر تیمور کے خشک مزاج کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ جب یوسف صوفی نے اسے دعوت مبارزت دی تھی تو وہ اورگنج کے دروازے پر تنہا پہنچ گیا تھا۔ اگر اسے کوئی للکارتا تو وہ ہرگز خاموش نہ بیٹھتا۔ اور اب حالات یہ تھے کہ اس کی حفاظت اور پناہ میں آئے ہوئے سرداروں کو ایشیائے کوچک سے باہر نکال دیا گیا تھا' اس کے بیٹے کی مملکت پر حملہ کیا جاچکا تھا اور بغداد اس کے مامور کئے ہوئے حاکم سے چھین لیا گیا تھا۔ یہ سب کارروائیاں دعوت جنگ تھیں (108) تیمور جنگ چھیڑنے سے پہلے ان کارروائیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا تھا۔

وہ مئی 1399ء میں سمرقند واپس پہنچا تھا' ستمبر میں ایک بار پھر فوج لے کر نکل گیا اور پھر تین سال تک سمرقند نہ آیا۔

سہ سالہ جنگ

اس جنگ کے سلسلے میں جو حالات تیمور کو درپیش تھے وہ بڑے عجیب تھے۔ اسے دشمن تک پہنچنے کے لئے مغرب کی سمت ایک ہزار میل کا سفر طے کرتا تھا جہاں ان بادشاہوں کی سرحدیں' جنہوں نے اس کے خلاف اتحاد کررکھا تھا' نیم دائرے کی شکل میں کوہستان قفقاز سے بغداد تک پھیلی ہوئی تھیں' بالکل اسی طرح جس طرح ایک لچک دار کمان پوری کھنچ جانے کے بعد محرابی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ تاتاری فوج جب خراسان کی شاہراہ پر روانہ ہوئی تو گویا وہ تیر کے پردار سرے سے نوک پیکان اور کمان کے وسطی حصے کی طرف بڑھی۔ تیمور کی مغرب کی سمت یہ پیش قدمی نپولین کی مشرق کی جانب اس پیش قدمی کی مانند تھی' جو اس نے لپزگ کی جنگ سے پہلے' اپنے دشمنوں کے نیم دائرے کی شکل کے مورچوں پر کی تھی اور پھر شکست کھانے کے بعد بڑی ہوشیاری سے پیرس واپس تو پہنچ گیا تھا مگر جس کے نتیجے میں اس کی پہلی مملکت کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

نپولین کی طرح تیمور بھی اس لحاظ سے زیادہ فائدے میں تھا کہ دشمن مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے جن کے الگ الگ سردار تھے جبکہ ادھر فوج آزمودہ کار اور فرد واحد کی کمان میں تھی۔ مگر جن علاقوں میں سے فوجیں گزارنی پڑیں ان کے لحاظ سے تیمور کو نپولین سے زیادہ دشواری پیش آئی۔ نپولین یورپ کے آباد میدانی علاقوں سے باآسانی گزر گیا کیونکہ ان میں جا بجا سڑکیں اور دیہات تھے مگر تیمور کے راستے میں مغربی ایشیا کے دریا' پہاڑی سلسلے' دلدلیں اور صحرا آئے' جن سے گزرنا بڑا کٹھن کام تھا۔

جن راستوں سے وہ پیش قدمی کر سکتا تھا وہ بھی گنے چنے ہی تھے' اور یہ بھی قافلوں کی آمد و رفت کی ایسی شاہراہیں تھیں کہ ان میں سے کسی ایک پر روانہ ہو جانے کے بعد راستہ بدلنے کے لئے' دوسری پر جا سکنا ناممکن تھا۔ پھر ان پر مستحکم قلعے اور شہر بھی تھے جن میں سے ہر ایک کے دفاع کے لئے محافظ فوج موجود رہتی تھی۔ اور ان سب باتوں کے علاوہ تیمور کو موسمی تبدیلیوں اور گھوڑوں کے لئے چراگاہوں کی ضرورت کا بھی خیال رکھنا تھا تاکہ یہ اندازہ کیا جا سکے کہ کب کس علاقے میں فصلیں تیار ہوں گی جن سے فوج کے لئے خوراک فراہم ہو سکے گی اور ہری گھاس بھی مل سکے گی یا نہیں۔ بعض ملکوں سے جاڑوں

میں گزر سکتا ناممکن ہوتا تھا' بعض میں گرمیوں میں سفر نہ ہوسکتا تھا۔ نپولین کو ان میں
ایک شہر عکہ سے واپس چلا جانا پڑا تھا۔ اسی طرح وہ صحرائے شام کی شدید گرمی کی بھ
تاب نہ لا سکتا تھا۔

دشمنوں کی سرحدوں کے نیم دائرے کے ساتھ ساتھ بارہ مختلف فوجیں تیمور سے لڑ
کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ اول تو جنگجو گرجستھانی قبائل اپنے کوہستان قفقاز کے مستحکم قلع
سے نکل آئے تھے' دوسرے فرات کے منبع پر ترکوں کی ایک فوج راستہ روکے کھڑی تھ
پھر قرا یوسف بھی ترکمانوں کے غول ساتھ لئے اپنی عادت کے مطابق لوٹ مار کے موقع
ڈھونڈتا پھر رہا تھا' شام میں ایک طاقتور مصری فوج ملک کی حفاظت کے لئے موجود تھی' او
جنوب میں بغداد تھا۔ اگر تیمور بغداد کی طرف پیش قدمی کرتا تو ترک شمال سے عقبی حملہ کر
سکتے تھے اور اگر وہ ایشیائے کوچک میں ترکوں کے علاقے میں گھستا تو مصری فوج عقب سے
اس پر آن پڑتی۔

پس تیمور نہ یورپ میں ترکوں کے قلعوں پر حملہ آور ہوسکتا تھا نہ مصر میں مملوکوں
کے دارالخلافے پر چڑھائی کر سکتا تھا بلکہ وہ تو ان میں سے کسی کو جنگ میں پہل پر بھی مجبور
نہ کرسکتا تھا۔ اس کے برعکس ترک اور مصری جب چاہتے ایشیا میں داخل ہو سکتے تھے۔
-(122)

سب سے بڑی مشکل پانی کی فراہمی کی تھی۔ تیموری فوج کے ساتھ اونٹ تو ہوتے ہی
تھے' مگر اب کے تیمور ہاتھی بھی ساتھ لے گیا تھا تاہم فوج کا بیشتر حصہ گھڑسوار تھا اور ہر
سپاہی کے پاس ایک ایک لام پر لے جانے سے پہلے راستے میں پڑنے والے علاقے کی
حالت سے واقفیت اشد ضروری تھی۔ تیمور کوچ کے دوران میں روزانہ جغرافیہ دانوں اور
تاجروں سے معلومات حاصل کرتا رہتا۔ فوج کے آگے آگے اس کے ہراول جاتے اور ان
سے آگے نکل کر ناظر دشمن کے مقامات' حرکات اور پانی کے متعلق اطلاعات بھیجتے رہتے۔
ناظروں سے آگے تیمور کے جاسوس مختلف سرحدیں پار کرکے آگے بڑھتے رہتے۔

شروع میں تیمور بلاعجلت اور نہایت پرتکلف انداز سے کوچ کرتا رہا۔ سرائے خانم' دو
اور بیگمات' اور کئی پوتے اس کے ساتھ تھے اور خراسان کی شاہراہ تیموری شان و شوکت کی
جلوہ گاہ بنی ہوئی تھی۔

اس دوران میں تیموری فوج کے افسر تبریز میں مغربی مہم کے لئے مستقر تعمیر کرتے اور
قرا باغ کا میدان گھوڑے رکھنے کے لئے تیار کرتے رہے تھے۔ خود تیمور خط و کتابت

کررہا تھا۔ اس نے ایک خط خاص طور پر تاتار خاں کو لکھا جو اس وقت روسی سطح مرتفع کا
حاکم تھا۔ اس کا نام اید کو بتایا جاتا ہے۔ اس نے تیمور کے خط کے جواب میں صفائی سے لکھ
دیا کہ "اے امیر تیمور! تم نے دوستی کا ذکر کیا ہے۔ میں تمہارے دربار میں بیس سال تک رہ
چکا ہوں اس لئے تمہیں اور تمہاری چالاکیوں کو خوب اچھی طرح سمجھے ہوئے ہوں۔ اگر ہم
دونوں کو دوست بن کر رہنا ہے تو تلوار ہر وقت ہاتھ میں رکھنی ہوگی۔" بایں ہمہ سطح
مرتفع کے تاتاری اس مہم میں تیمور سے الجھے نہیں اور آخر تک غیر جانبدار ہی رہے۔

تیمور نے ایک خط بایزید یلدرم کو بھی لکھا' جس میں نسبتاً زیادہ نرم لہجہ اختیار کیا۔ اس
نے بایزید سے یہ درخواست کی کہ وہ قرا یوسف اور سلطان احمد کی مدد نہ کرے۔ یہ دونوں
اپنے کو ترکوں کی حفاظت میں دے چکنے کے علاوہ بایزید سے باقاعدہ معاہدہ بھی کرچکے تھے۔
تیمور کو بایزید سے اس وقت تک کوئی پرخاش نہ تھی' بلکہ وہ ترکوں کی جنگی طاقت کا احترام
کرتا تھا' اور شاید ترکوں کے یورپ میں رہنے کی صورت میں ایشیا میں ان سے جنگ کرنے
کا خواہاں بھی نہ تھا۔

مگر بایزید نے بڑا غیر مصالحانہ جواب دیا۔ اس کے خط کا مفہوم یہ تھا کہ "اے خونی کتے
تیمور! سن لے!! ترک نہ اپنے دوستوں کو پناہ دینے سے انکار کرتے ہیں' نہ دشمنوں سے
لڑنے سے گریز کرتے ہیں اور نہ وہ جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے کے عادی ہیں۔"

تیمور نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس نے بایزید کو یہ طعنہ دیا کہ عثمانی ترک خانہ
بدوش ترکمانوں کی نسل سے ہیں اور لکھا کہ میں تمہاری اصل سے واقف ہوں اور آخر میں
یہ صلاح دی کہ مقابلے پر آنے سے پہلے خوب اچھی طرح غور کرلو۔ میرے پاس ہاتھیوں کی
فوج ہے جو انسانوں کو کچل ڈالتے ہیں۔ مگر تم سے توقع نہیں کہ غور کرو گے کیونکہ ترکمانوں
نے آج تک کبھی غور و فکر کی صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بہرحال پھر سن لو! اگر تم نے
میرے مشورے پر عمل نہ کیا تو پچھتاؤ گے' اس لئے سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ اور وہی کرو
جس میں فائدہ نظر آئے۔

بایزید نے جواب میں جو خط بھیجا اس میں اپنی فتوحات کی طویل داستان بیان کی کہ وہ
کس طرح یورپ کو' جو کافروں کا گڑھ ہے' فتح کرتا چلا جارہا ہے' کس طرح اس کا باپ بھی
دین کے لئے شہید ہو چکا ہے اور کس طرح اب وہ اسلام کا محافظ ہے۔ اس نے لکھا: "ہم
نے مدت سے تمہارے ساتھ جنگ کا ارادہ کررکھا ہے۔ الحمدللہ اب اس کا وقت قریب آگیا

ہے۔ اگر تم خود لڑنے نہ آؤ گے تو ہم چڑھائی کرکے سلطانیہ تک تمہارا تعاقب کریں گے۔ پھر دیکھیں گے کون فاتح بنتا ہے اور کسے شکست ہوتی ہے۔"

تیمور نے اس کے خط کا اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا مگر کچھ دن بعد اس مضمون کا ایک مختصر سا خط بھیجا کہ اگر بایزید قرا یوسف اور سلطان احمد کا ساتھ چھوڑ دے تو جنگ ٹل سکتی ہے۔

بایزید نے فوراً جواب دیا' اور بڑا سخت جواب دیا' اتنا سخت کہ تیمور کے وقائع نگار اس کو دہرانے کی جرات نہیں کرسکے۔ (124) اس نے سرنامے پر اوپر اپنا نام آب زر سے اور اس کے نیچے کالے حرفوں میں تیمور لنگ لکھوایا اور' اور باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ تیمور کی چہیتی بیوی کی عصمت دری کرے گا' (125) جس سے تیمور غصے کے مارے بے قابو ہوگیا۔

اس دوران میں' جب یہ خط و کتابت ہورہی تھی' تیمور نے جنگی تیاری کے سلسلے میں بہت کچھ کرلیا۔

سب سے پہلے اس نے اپنی بیگمات کو' ان کے درباروں سمیت' خطرے سے باہر رکھنے کے لئے' سلطانیہ روانہ کیا' پھراعظم الجیش کو تو قرا باغ میں رہنے دیا مگر دائیں جانب کوہستان قفقاز میں گرجستھانیوں کی سرکوبی کے لئے علیحدہ علیحدہ لشکر روانہ کئے جنہوں نے ایک بار پھر گھنے جنگلوں میں سے گزر کر عیسائی فوجوں کو فیصلہ کن شکست دی' تمام علاقے کو لوٹ مار اور آتش زنی کا نشانہ بنایا اور گرجا تک گرا دیئے بلکہ انگوروں کی کیاریاں بھی روند ڈالیں۔ اس مرتبہ نہ شرائط صلح پیش کی گئیں نہ کسی کو امان دی گئی۔ میدان جنگ میں صف بستہ دشمن فوجوں کے لئے تیمور کے دل میں رحم کی رمق بھی نہ ہوتی تھی۔

یہ تھے وہ حالات جن میں پندرھویں صدی عیسوی کا آغاز ہوا۔ جونہی برف پگھلنی شروع ہوئی تیمور کی فوجوں نے کوچ شروع کرکے ارض روم کے راستے ایشیائے کوچک کا رخ کیا اور 1400ء کے موسم گرما کے وسط تک سیواس تک تمام شہر فتح کرلئے۔

سیواس ایشیائے کوچک کا کلیدی شہر تھا۔ ادھر ترکوں کی سرحدی فوج پیچھے ہٹی' ادھر تاتاریوں نے شہر پناہ پر حملہ کردیا' اس کی دیواروں تلے سرنگیں کھودیں اور جب بنیادیں کھوکھلی ہوگئیں تو دو دیواروں کو لکڑیوں پر روکا اور پھران لکڑیوں کو آگ دکھا دی۔ دیواریں گر پڑیں۔ تیموری فوج شہر کے اندر گھس گئی۔ مسلمان آبادی کو کچھ نہیں کہا گیا مگر چار ہزار ارمنی سوار فوج' جس نے تاتاریوں کی قدم قدم پر مزاحمت کی تھی' خندق میں زندہ دفن کر

دی گئی۔

شہر فتح ہو جانے کے بعد تیمور نے جو فصیل توڑی تھی اس کی مرمت کروائی' جو ترکمانی دستے کہیں کہیں نمودار ہوئے انہیں بھگایا اور تیز رفتار سے ملطیہ پر پیش قدمی کی' جو جنوبی علاقے کا دروازہ تھا اور جس روز ترک حاکم شہر اپنے عملے سمیت وہاں سے بھاگا' ٹھیک اسی دن تیمور ملطیہ میں داخل ہوا۔

مگر وہاں سے شمال کی سمت ایشیائے کوچک کی جانب بڑھنے کے بجائے تیمور نے شام کی طرف کوچ کا حکم دے دیا جو جنوب میں تھا۔ اس پر تیموری امیر اکٹھے ہوکر اس کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہندوستان کی مہم ختم ہونے کے بعد گزشتہ ایک سال میں ان کی فوجیں دو ہزار میل چلی ہیں اور انہوں نے دو لڑائیاں بھی لڑی ہیں' اس لئے آرام لئے بغیر شام کی طرف کوچ مناسب نہیں۔ وہاں دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور تمام شہروں کے گرد مضبوط اور مستحکم فصیلیں بھی ہیں۔ پہلے اپنے جوانوں اور گھوڑوں کو آرام کرایا جائے' اس کے بعد کوچ مناسب رہے گا۔

"تعداد کوئی چیز نہیں ہوا کرتی!" تیمور نے سخت لہجے میں کہا اور اس کی قوت ارادی کا تازیانہ کھا کر فوج جنوب کی طرف روانہ ہوگئی۔

اس نے عنتاب فتح کیا اور آگے بڑھ گئی۔ حلب پہنچی تو وہاں سلطان مصر کی فوجوں کو اپنا منتظر پایا۔ تاتاریوں نے اپنی رفتار دھیمی کر دی اور چپکے چپکے قدم قدم کرکے آگے بڑھنے لگے۔ روز تھوڑا فاصلہ طے کرتے اور حفاظت کے لئے خندقیں کھود لیتے اور رکاوٹیں کھڑی کرلیتے۔ مملوکوں اور شامیوں نے اسے ان کی کمزوری سمجھا اور لڑنے کے لئے فصیل سے باہر نکل آئے۔ تاتاری فوراً رکاوٹوں کے پیچھے سے نکلے اور ان پر حملہ کر دیا۔ ہاتھی' جن کے ہودجوں میں تیر انداز اور نار رومی پھینکنے والے بیٹھے تھے' درمیان میں رکھ کر ان پر حملہ کردیا۔

ابھی تاتاریوں کے اس حملے کا زور بھی نہ بندھا تھا کہ شامی اور مصری بھاگ کھڑے ہوئے۔ تاتاری لڑبھڑ کر حلب کے اندر گھس گئے' پہاڑی پر جو قلعہ تھا اسے فتح کیا اور بغیر رکے دمشق کی طرف بڑھ گئے۔ یہ 1401ء کا جنوری کا مہینہ تھا۔

دمشق والوں نے صلح کی درخواست کی۔ مگر شرائط صلح میں حیل و حجت شروع کر دی۔ مقصد وقت گزاری تھا تاکہ ایک اور فوج تیار کرنے کی مہلت مل جائے' لیکن جب تیمور کی فوج دمشق کے قریب سے گزرنے لگی تو صلح ہونے کے باوجود دشمن کی متحدہ فوجوں نے

عقب سے اس پر حملہ کر دیا۔ شروع میں تھوڑی دیر افراتفری رہی' پھر تیمور نے اپنے لشکروں کو ترتیب دے کر حملہ کیا تو بہت جلد میدان صاف ہوگیا۔

اب اس نے پلٹ کر دمشق کو لوٹ مار کا نشانہ بنایا۔ شہر میں ایسی زبردست آگ لگائی گئی جو کئی روز تک بھڑکتی رہی اور اس سے مکان جل جل کر گرے تو مقتولوں کی لاشیں ان کے کھنڈروں تلے دفن ہوگئیں (126)۔

مصری لشکروں میں سے جتنے زندہ بچ گئے وہ فلسطین کی راہ مصر کی طرف بھاگے۔ سلطان مصر نے تیمور کو روکنے کی آخری کوشش یہ کی کہ ایک فدائی کو حشیش پلا کر' اس کے ہاتھ میں خنجر تھما کر تیمور کو قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر وہ پکڑا گیا اور اس کے پرزے اڑا دیئے گئے۔

جب دمشق جل رہا تھا' اس دوران میں تیمور کو اس کا ایک گنبد (127) اتنا پسند آیا کہ اس کا نقشہ اسی وقت تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ ایک مسجد کا گنبد تھا' اور دور سے میدان میں سے نظر آتا تھا۔ تیمور کے اس گنبد کو پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ چپٹی نوک دار وضع کے تاتاری گنبدوں سے مختلف اور ان سے زیادہ خوشنما تھا۔ اس کی شکل انار جیسی تھی اور گولائی لئے ہوئے اوپر کی طرف جاکر نوک دار چوٹی پر ختم ہوتا تھا۔

ظاہر ہے کہ تیمور نے جتنی عمارتیں اس وقت تک دیکھی تھیں' یہ ان سب سے مختلف اور زیادہ شاندار معلوم ہوا' اسی لئے پسند آگیا۔

دمشق کا یہ خوبصورت گنبد تو شہر کی اور عمارتوں کی طرح جل کر خاکستر ہوگیا مگر اس کے بعد تیمور اور اس اولاد نے جتنی عمارتیں تعمیر کیں ان پر اس جیسا گنبد ضرور بنایا۔ صدہا سال بعد یہ ہندوستان پہنچا اور تاج محل' نیز مغل بادشاہوں کے محلات کا تاج زینت بنا۔ روس میں ہر گرجا کا گنبد اسی جیسا ہے۔

اسقف یوحنا یورپ روانہ ہوا

دمشق سے تیمور ایک بار پھر پلٹ آیا' جس طرح اس نے ترکوں کی مملکت میں زیادہ آگے تک جانا مناسب نہ سمجھا تھا اسی طرح اب صحرائے شام سے بھی واپس آگیا۔ البتہ تکمیل مہم کے لئے ایک لشکر ارض مقدس کی طرف روانہ کردیا کہ عکہ تک مصری فوج کا تعاقب کرے (یہ وہی عکہ ہے جسے صلیبی جنگ باز اکری کہتے تھے اور جو بعد میں نپولین کے لئے سدراہ ثابت ہوا) اور بہت سے اور لشکر بغداد کا محاصرہ کرنے کے لئے بھیجے۔

تیمور خود اسی راستے واپس ہوا جس سے دمشق پہنچا تھا اور حلب تک آیا۔ یہ مئی (1401ء) کا مہینہ تھا۔ رفتار سفر گھٹا دی تھی۔ تاتاری لاکھ سخت جان سہی مگر برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جب فوج فرات پر پہنچی تو تیمور نے اسے شکار کھیلنے کی اجازت دے دی۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ شراب ہرن کے گوشت کے ساتھ اور بھی زیادہ خوش ذائقہ معلوم ہونے لگی۔

یہاں پہنچ کر اس نے اپنے تبریز کے مستقر سے سلسلہ مواصلات قائم کیا اور جن امیروں کو وہاں چھوڑ آیا تھا ان سے اطلاعات حاصل کیں' اسی طرح سمرقند کے حالات بھی معلوم کئے۔ اس نئے انتظام سے سیواس سے ہفتے کے ہفتے جو خبریں آنے لگیں ان پر اس نے نسبتاً زیادہ توجہ دی کیونکہ سیواس بایزید یلدرم کی مملکت کا دروازہ تھا اور تیمور نے وہاں سے دو سو میل کے اندر اندر اپنی فوج کا بیشتر حصہ جلد از جلد پہنچا دیا تھا۔

مگر پھر جو امیر بغداد بھیجے تھے ان کی طرف سے ایک پیغام ایسا ملا کہ اسے جنوبی شاہراہ پر روانہ ہونا پڑ گیا۔ اس پیغام سے یہ پایا جاتا تھا کہ بغداد کی محافظ فوجوں کے سپہ سالار فراج نے شہر ان کے حوالے نہ کرنے کا فیصلہ کررکھا ہے۔ سلطان احمد بھاگ کر بایزید کے پاس جاتے وقت اسے یہ حکم دے گیا تھا کہ اگر تیمور خود بغداد پہنچ جائے تو بے شک شہر اس کے حوالے کر دے لیکن اگر وہ بذات خود نہ آئے تو ترکوں کے تاتاریوں پر حملہ آور ہونے تک مقابلہ کرتا رہے۔

تیمور کجاوے میں بیٹھا اور اپنی فوج کے ساتھ منزلیں مارتا ہوا جانب جنوب روانہ ہوا۔ جب وہ بغداد پہنچا تو سلطان احمد کے افسروں کو اندرون شہر اطلاع کرائی گئی۔ انہوں نے

اپنے میں سے ایک افسر کو، جو تیمور کو پہچانتا تھا، اس اطلاع کی تصدیق کے لئے بھیجا۔ مگر تصدیق ہو جانے کے بعد بھی فراج نے سلطان احمد کے حکم پر عمل نہ کیا۔ شاید پہلے شہر تیمور کے حوالے نہ کرنے کے بعد اب ایسا کرتے ہوئے ڈرتا ہو یا اسے یہ توقع ہو کہ تاتاری اس گرمی کی تاب نہ لاسکیں گے جس سے وادی دجلہ تنور بنی ہوئی ہے اور محاصرہ اٹھا لیں گے (حالاں کہ اسے یہ ضرور معلوم ہوگا کہ تاتاریوں نے چالیس سال کی پے در پے جنگوں میں ایک بار بھی کہیں محاصرہ نہیں اٹھایا تھا) ان کے علاوہ بغدادیوں کو اس کا بھی گھمنڈ تھا کہ ان کی شہرپناہ کی سنگین دیواریں بہت مضبوط ہیں۔

ادھر تیمور بغداد کا طویل محاصرہ کرنا ہی نہ چاہتا تھا۔ تقریباً دو سال سے اس کی فوج آرام لئے بغیر جنگیں لڑتی آرہی تھی، پھر اس فوج کا بیشتر حصہ ترکوں کو روکنے کے لئے نو تعیر مستقر تبریز میں جمع تھا اور خود تیمور کو بھی اپنے منصوبے کے مطابق، اس وقت وہیں ہونا چاہئے تھا۔ وہ انتہائی تیز رفتار سے بغداد اس لئے پہنچا تھا کہ ادھر سے نمٹ کر جلد تبریز واپس پہنچ جائے گا مگر گرمی کی وجہ سے یہ مقصد فوت ہوگیا اور اسے تپتے ہوئے بنجر میدان میں خوراک اور چارے کی قلت برداشت کرنی پڑ گئی۔

لیکن بغداد، وادی دجلہ کا کلیدی مقام، مصر سے آنے والی فوجوں کا مقام اجتماع اور ایشیا میں اس کے دشمنوں کا آخری مستحکم قلعہ بھی تھا۔ تیمور نے ایک گھنٹے کے اندر اندر اپنا منصوبہ بدل دیا۔ شاہ رخ کے پاس قاصد یہ پیغام دے کر دوڑا دیا کہ دس آزمودہ کار لشکر، مع مہندس و آلات محاصرہ، لے کر فوراً بغداد پہنچے، ناظروں کی ایک جماعت ایشیائے کوچک میں ترکوں پر نگاہ رکھنے کے لئے بھیج دی اور شہزادہ پیر محمد کے نام جو سمرقند میں تھا، یہ حکم جاری کر دیا کہ وہاں جتنی فوج چھوڑ رکھی ہے اسے لے کر مغرب کی طرف روانہ ہو جائے (128)۔

جب شاہرخ پہنچا تو تیمور نے بغداد کی دیواروں تلے اپنی گھڑسوار فوج کا ایک رسمی معائنہ کیا اور ایک لاکھ تاتاریوں نے علم بلند کرکے نقارے اور شہنائیاں بجاتے ہوئے باشندگان شہر کی آنکھوں کے سامنے قواعد کی۔ مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور تیمور نے بڑے غصے کی حالت میں بغداد کو تباہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

شہر کے جنوب میں دجلہ پر کشتیوں کا پل بنایا گیا تاکہ محاصرہ کرنے والے دریا کے ایک کنارے پر دوسرے کنارے تک آجا سکیں اور دریا کے راستے فرار کی راہیں بند کرسکیں۔ پھر شہر کے مضافات پر حملہ کرکے اسے زمین کے ساتھ ہموار کرنے کے بعد وہاں

تاتاری فوج پھیلا دی گئی۔ یوں شہر کے گردا گرد بارہ میل تک محاصرہ کرنے والوں کا دروبست قبضہ ہوگیا۔ دور کی جنگلوں سے درختوں کے بڑے بڑے تنے کاٹ کر لائے گئے اور شہرپناہ کے قریب ٹیلوں پر چوبی اہرام کھڑے کرکے ان کی چوٹیوں پر منجنیق نصب کئے گئے تاکہ شہرپناہ پر اور اس کے اندر، بھاری بھاری پتھر پھینکے جاسکیں۔

اس اثنا میں نقب لگانے والوں نے شہرپناہ کی بنیادیں کھودنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ چند دن کے اندر اندر اس کی دیوار میں جگہ جگہ رخنے ہوگئے۔ مگر اہل بغداد نے ان کے عقب میں پتھر اور چونے کی نئی دیواریں کھڑی کر دیں جن کی حفاظت کے لئے وہ نار رومی سے کام لے رہے تھے۔

یہ حال دیکھ کر تیمور کے جرنیلوں نے اس سے درخواست کی کہ شہر پر ہلے کا حکم دیجئے، گرمی ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔ وقائع نگار کا بیان ہے کہ حبس اتنا شدید تھا کہ پرندے آسمان سے مر مر کر گرنے لگے۔ جو سپاہی جلتی ہوئی زیست کی تپش میں بھبکے چھوڑتی ہوئی دیواروں کی بنیادیں کھود رہے تھے ان کے جسم زرہ بکتر تلے سچ مچ اس طرح پک رہے تھے جیسے تنور میں روٹی پکتی ہے۔

مگر تیمور نے ہلا بولنے کا حکم نہ دیا۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ اس کے سپاہی صرف دوپہر اور سہ پہر کو ذرا دیر کے لئے سائے میں چلے جاتے ورنہ تمام دن اسی قیامت کی گرمی میں کام پر لگے رہتے۔

اور پھر جب تیمور نے اچانک وار کیا تو عین دوپہر کے وقت کیا، جب دھوپ کی تیزی سے آنکھیں چندھیائی جارہی تھیں۔ اس وقت شہر کا دفاع کرنے والوں نے گنتی کے چند پاسبان فصیل پر چھوڑ رکھے تھے باقی سب آرام کررہے تھے۔ چیدہ تاتاری رسالے اپنی سایہ دار جگہوں میں سے کمندیں اور سیڑھیاں لئے نکل پڑے اور ان کے اچانک حملے سے شہر فتح ہوگیا۔ نورالدین، جس نے توقتمش سے لڑائی میں تیمور کی جان بچائی تھی، سب سے پہلے فصیل پر چڑھا اور اوپر پہنچ کر سنہری ہلال اور گھوڑے کی دم والا تاتاری جھنڈا وہاں گاڑ دیا۔ پھر کیا تھا، نقارہ گرجنے لگا اور شہر کے اس رخ پر جتنے تیموری لشکر موجود تھے سب دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ نورالدین شہر میں اترا تو اس کے پیچھے پیچھے تاتاری سپاہی بھی فصیل سے کود کود کر اترے۔ سہ پہر تک بے پناہ گرمی کے باوجود انہوں نے شہر کے ایک حصے پر قبضہ کرلیا اور بغدادیوں کو دریا کی طرف دھکیل دیا۔ اب شہر کا دریا پار کا حصہ حملہ آوروں کے رحم و کرم پر تھا چنانچہ انہوں نے اس پر پوری طاقت سے حملہ کیا۔ اس موقع پر جو ہولناک مظالم

ہوئے ان پر خاموش رہنا ہی بہتر ہوگا۔ تیمور کے سپاہی تکلیفیں اٹھانے اور بھاری نقصانات برداشت کر چکنے کی وجہ سے غصے کے مارے دیوانے ہو رہے تھے۔ انہوں نے خون آشام بھوتوں کی طرح قلقاریاں مار مار کر انسانوں کو ذبح کیا۔

تاتاری وقائع نگار لکھتا ہے کہ بغداد' جو دارالسلام کہلاتا تھا' اس دن جہنم کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ اس کا کماندار فراج ایک کشتی میں بیٹھ کر بھاگا مگر کناروں پر سے تیروں کا نشانہ بنایا گیا اور اس کی لاش دریا میں سے نکال کر کنارے پر لائی گئی۔ مقتولوں کے سروں کے ایک سو بیس کلہ مینار بنائے گئے۔ اندازاً" نوے ہزار جانیں تلف ہوئیں۔

تیمور نے حکم دے دیا کہ پوری فصیل ڈھا دی جائے اور مسجدوں اور گرجاؤں کے علاوہ اور سب عمارتوں کو جلا اور گرا دیا جائے۔

یوں بغداد صفحہ تاریخ مٹ گیا۔ اس کے کھنڈروں کو بعد میں آباد ضرور کیا گیا مگر اس دن کے بعد دنیا میں اس کی کوئی اہمیت نہ رہی۔ بغداد کی تباہی کی خبر تیموری مملکت میں ہر جگہ پہنچائی گئی اور بایزید کو بھی مطلع کیا گیا۔

بغداد کا غیرحاضر حاکم سلطان احمد یہ طوفان تباہی گزر جانے کے بعد پھر لوٹ آیا۔ تیمور کو خبر ملی تو اسے پکڑ لانے کے لئے ایک رسالہ روانہ کیا۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ سلطان احمد ایک بار پھر دریا کے راستے اس حالت میں بھاگا کہ اس کے تن پر صرف قمیص تھی اور اس کے بعد بایزید ہی کے پاس رہنے لگا۔ تیمور نے فوج کے بیشتر حصے کو محاصرے کے ہتھیاروں اور منجنیقوں سمیت پیچھے چھوڑا کہ سج سج چل کر آتا رہے گا اور خود چند جرنیلوں اور شاہرخ کو ساتھ لے کر جلدی سے تبریز پہنچا۔ بغداد جون 1401ء میں فتح ہوا' جولائی میں تیمور پھر اپنے مستقر میں موجود تھا۔ اس کے پوتے شہزادہ پیر محمد نے' جو سمرقند سے آ رہا تھا' نیشاپور پہنچ کر اطلاع دی کہ وہ خراسان کی سڑک پر یہاں تک آ گیا ہے۔ ادھر شاہرخ بھی مستقر سے زیادہ دور نہ تھا۔ گویا اس جنگ کا پہلا مرحلہ یوں طے ہوا کہ تیمور اپنے دشمنوں کی سرحدوں کی قوس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہو آیا' اس نے چودہ مہینے میں دو بڑی لڑائیاں اور خبر نہیں کتنی چھوٹی لڑائیاں لڑیں اور تقریباً ایک درجن مستحکم شہر فتح کئے۔ یہ کارکردگی یقیناً ایک قابل داد جنگی کارنامہ تھا' جس سے بایزید کے تمام حلیف اس کے میدان میں اترنے سے پہلے ہی ختم ہو گئے۔

اب ترکوں کے خلاف پیش قدمی موسم کے لحاظ سے قرین مصلحت نہ تھی چنانچہ تاتاریوں نے آخری لڑائی اگلے سال پر ملتوی کر دی۔ انہی دنوں ایک روز پیر محمد کے نقاروں

کی آواز اس سڑک کی سمت سے سنائی دینے لگی جو نیشاپور سے تبریز کی جانب آتی تھی اور جب اس کی فوج آئی تو تیمور کے آزمودہ کار جرنیل اور سپاہی' جو اس کے استقبال کو نکلے تھے' حیرت سے تکتے رہ گئے۔ اس فوج کا ہر لشکر ایک نئی آب و تاب سے دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ ہر علم کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا' کوئی سبز تھا' کوئی سرخ' کوئی نیلا' اور کوئی کسی اور رنگ کا۔ ہر لشکر کے سوار جس رنگ کی وردی پہنے ہوئے تھے' ان کے گھوڑوں کی زینیں اور ساز بلکہ کمانوں کے خانے اور ڈھالیں تک اسی رنگ کی تھیں۔ تیمور کے ان آزمودہ کار سپاہیوں نے جو اطراف ہندوستان سے لے کر بحیرۂ خزر تک اور دوسری طرف فلسطین تک مہمات سر کر آئے تھے اس نمود و نمائش پر زبانی تو ناخوشی ہی ظاہر کی مگر دل میں رشک کر رہے تھے۔

تیمور نے وہاں ایک پرانی نہر کی دوبارہ کھدائی شروع کرائی جو یونانیوں نے دریائے ارس سے نکالی تھی مگر اب مٹی سے اٹی پڑی تھی۔ یہ تعمیری کام کرنے کے علاوہ اس نے افریقہ اور یورپ کی تجارتی شاہراہوں کے متعلق معلومات بھی حاصل کیں اور سلطانیہ کے ایک اسقف یوحنا کے ہاتھ شاہ فرانس چارلز ششم کو ایک مراسلہ بھی بھیجا جس میں خیر سگالی کے جذبات ظاہر کئے گئے تھے۔ (129) -

تیمور کی خدمت میں جنوآ کے گماشتے بھی حاضر ہوئے' جو دور دور آیا جایا کرتے تھے' تاکہ تاتاری امیر کی نظر عنایت ان کے حال پر وینس والوں سے زیادہ رہے۔ ان کے ذریعے قسطنطنیہ کے عیسائی شہنشاہ نے تیمور سے خفیہ طور پر امداد کی درخواست بھی کی تھی کیونکہ وہ اس وقت بایزید کے رحم و کرم پر تھا۔

آخری صلیبی جنگ

آئندہ واقعات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یورپ کے حالات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ قسطنطنیہ کے یونانی شہنشاہ جو اب قدیم رومی شہنشاہوں کے ہیولے ہی رہ گئے تھے۔ دو پشتوں سے اپنی قوت ترکوں کو منتقل ہوتی دیکھ کر کف افسوس مل رہے تھے' جو ایشیائے کوچک سے اٹھے تھے اور اب بلقانی ملکوں اور بحیرۂ اسود کے ساحلوں کو اپنی جولان گاہ بنا رہے تھے۔

کسوبا کے میدان میں عثمانی ترکوں نے قوی ہیکل اہل سربیا کو مغلوب کر لیا تھا جس کے بعد وہ ہنگری میں داخل ہوگئے تھے۔ وہ بڑے نظم و ضبط سے قدم جما کر لڑتے تھے' بڑے پرجوش لوگ تھے اور اپنے شہنشاہوں سے غیرمتزلزل عقیدت کی بنا پر ہر حال میں ان کے مطیع و وفادار رہتے تھے۔ ان کے گھڑ سوار بھی جو سپاہی کہلاتے تھے' اعلیٰ درجے کے جنگجو تھے مگر ان کی پیادہ فوجوں کا تو' جن کا قلب ینی چری فوج ہوتی تھی' جواب ہی نہیں تھا۔

عثمانی ترکوں نے مشرقی بحیرۂ روم کے ساحلی ممالک میں شادیاں کرلی تھیں اور اپنی یونانی اور سلاوی کنیزوں کو بھی حرم میں داخل کرلیا تھا۔ اس طرح وہ ایک نئی نسل اور قوم وجود میں لارہے تھے اور خوبیاں بھی تھیں۔ وہ بڑا عالی ہمت تھا مگر طوفانی مزاج کا انسان بھی تھا' لائق تھا مگر ظالم بھی تھا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بھائی کو گلا گھونٹ کر مار دیا۔ اپنی فتوحات پر نازاں تھا اور فخریہ کہا کرتا تھا کہ آسٹریا کو شکست دینے کے بعد فرانس پر یلغار کرے گا اور اپنے گھوڑے کو سینٹ پیٹر کے گرجا کے منبر پر رکھ کر راتب کھلائے گا۔

قسطنطنیہ کا عیسائی شہنشاہ مینوئل اس کا برائے نام حکمراں تھا' اصل مالک بایزید تھا۔ اس کا علاقہ قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ چکا تھا۔ شہر کی بہت سی عدالتوں میں اس کے مقرر کئے ہوئے قاضی تھے اور وہاں کم از کم دو مسجدوں کے میناروں سے روز پانچ وقت اذان کی صدا بلند ہوتی تھی' مینوئیل اس کا باجگذار تھا اور وینس اور جنوآ کے والیان ریاست اس سے اس طرح پیش آتے تھے جیسے آگے چل کر وہی قسطنطنیہ کا مالک بنے گا۔ باغات اور مرمریں محلات کا شہر قسطنطنیہ ترکوں کی تمناؤں کا مرکز ------ استنبول ------ تھا اور وہ اسے اپنا ہی

سمجھتے تھے۔

اسلامی قلمرو قیصروں کے اس شاہی شہر کے اردگرد پھیل چکی تھی' جو صرف اپنی اونچی فصیل اور یورپی اقوام کے جنگی جہازوں کی حفاظت میں ہونے کیوجہ سے بچا ہوا تھا۔ بایزید نے اس پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی تھی بلکہ وہ سچ مچ محاصرے کی تیاریاں بھی کر چکا تھا کہ یورپ میں ترکوں سے صلیبی جنگ کے لئے فوجیں اکٹھی کی جانے لگیں۔ یہ مہم ہنگری کے بادشاہ سگسمنڈ نے اٹھائی تھی جسے یلدرم کی پیش قدمی سے سب سے زیادہ خطرہ تھا اور برگنڈی کے بادشاہ فلپ نے بوجوہ اس کی تائید کی تھی۔

کچھ عرصے سے یورپی ملکوں کی سیاسی فضا میں ٹھہراؤ سا تھا۔ اس عہد کے سب نزاعی مسائل بدعت کبیرہ (پروٹسٹنٹ فرقے کا آغاز)' جنگ صد سالہ' شاہی مجالس حکومت کے قضیے' اور کالی وبا کی تباہی کے بعد حق ملکیت جائیداد کے لئے عوام کی جدوجہد ------ سرد پڑ چکے تھے۔ اس لئے کلیسا کی پکار پر عیسائی جاگیردار صلیبی جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

شاہ فرانس نے' جس پر جنون کے دورے پڑا کرتے تھے' ہنگری کے بادشاہ کو مدد دی' جو پاگل تو نہیں تھا مگر ترکوں سے ڈرا مرتا تھا' انگلستان اور نیدر لینڈ سے بھی رضا کار آگئے۔ یورپ کے سارے شاہی خاندانوں نے اس صلیبی جنگ میں حصہ لیا۔ سیوائے کا نواب' جو حرامی کہلاتا تھا' پروشیا کے شہسواروں کا سردار' ہو ہنزو لورن خاندان کا سرخیل فریڈرک' جزائر رہوڈز کا حاکم اعلیٰ' سینٹ یوحنا کے نائٹ' جرمنی کے بادشاہوں کا انتخاب کرنے والے نواب' بڑے بڑے امرا اور رئیس اور بادشاہوں کی طرف سے اختیارات یافتہ لوگ' سبھی شامل تھے۔ سب سے زیادہ طاقتور فوج فرانس سے آئی۔ اس میں بار اور آرٹوائی نیز برگنڈی اور سینٹ پول کے خاندانوں کے دودمان' فرانس کی بری فوجوں کا سپہ سالار اور بحری فوج کا امیرالبحر نیز کانسٹیبل آف فرانس کا منصب رکھنے والا افسر شامل تھے اور یہ سب نیورز کے نواب ویلو (115) کے زیر قیادت تھے۔

غرض کم و بیش بیس ہزار سردار اور ان کے مسلح سپاہی گھوڑوں پر سوار ہوکر مغرب کی جانب روانہ ہوئے اور سگسمنڈ کی فوجوں سے جا ملے' جن میں پہلے ہی ایک لاکھ سپاہی تھے۔ ان سب کے لئے شراب اور عورتیں فراہم کی جاتی تھیں اور ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ فخریہ کہتے۔ اگر آسمان بھی گرے گا تو ہم اسے اپنے نیزوں پر روک لیں گے۔

مگر ان فرانسیسی انگریز اور المانی شہسواروں کو یہ پتا نہ تھا کہ جو معرکہ ہونے کو ہے اس میں کیا حالات پیش آئیں گے۔ ان کو یہ گمان تھا کہ ترک سلطان' جس کے نام تک سے

واقف نہ تھے، تمام دنیا کے مسلمانوں کو جن میں مصر، عراق اور ایران کے مسلمان بھی شامل ہیں، عیسائیوں سے لڑنے کے لئے اپنے جھنڈے تلے جمع کررہا ہے اور وہ قسطنطنیہ کے اس طرف کہیں چھپا بیٹھا ہے۔ انہیں یہ فکر کھائے جاتا تھا کہ کہیں وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جان بچا کر فرار نہ ہو جائے کیونکہ اسے ہلاک کرنے کے بعد انہیں ارض مقدس کی طرف بھی تو بڑھنا تھا۔ ہنگری کے بادشاہ نے انہیں مطمئن کرنے کے لئے یہ یقین دلایا کہ ہم جنگ لڑے بغیر واپس نہ ہوں گے۔ ہوا تو یہی، مگر نتیجہ عیسائیوں کی توقع کے برعکس نکلا۔

جب وہ دریائے ڈینیوب کے کنارے خراماں خراماں چلے جارہے تھے تو وینس والوں کے جہاز بھی، جو دریا کے دہانے سے چڑھاؤ کی طرف آئے تھے، ان سے آن ملے۔ حالات ان کے موافق پڑ رہے تھے۔ ترکوں کی سرحدی چوکیوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ صلیبی سرداروں نے دیہات کی بستیوں کے باشندوں کو یہ سمجھے یا اس کی پروا کئے بغیر تہ تیغ کر ڈالا کہ یہ سربیا کے عیسائی باشندے ہیں اور نیکو پولیس کا محاصرہ کرنے کے لئے ایک پرفضا علاقے میں معسکر قائم کرلیا۔ یہیں انہیں یہ اطلاع ملی کہ بایزید ایک بہت بڑی فوج لے کر بڑی تیز رفتار سے ان کی جانب پیش قدمی کررہا ہے۔

انہوں نے اس خبر کو غلط سمجھا۔ بھلا ترک سلطان میں اتنی ہمت کہاں ہو سکتی تھی کہ ان کا مقابلہ کرے۔ مگر جب سگمنڈ نے انہیں یقین دلایا کہ یہ خبر صحیح ہے تو مان گئے۔ اب عیسائی فوجیں صف بستہ ہوئیں۔ سگمنڈ نے، جو ترکوں کی طاقت سے واقف تھا، یورپی سرداروں کو یہ مشورہ دیا کہ اس کی پیادہ فوج، جس میں ہنگری اور ولاچیا کے جنگجو باشندے اور کروٹ ہیں، مسلمانوں کی پیدل فوج کو روکنے کے لئے آگے رکھی جائے اور ان کی سوار فوجیں پیچھے رہیں۔

اس پر یہ سردار غصے میں آگئے اور ابھی ان میں اور سگمنڈ میں تکرار ہی ہورہی تھی کہ بایزید کے قراول دستے نمودار ہوگئے۔ فرانسیسی اور جرمن سردار یہ سمجھ رہے تھے کہ سگمنڈ انہیں دھوکا دے کر جنگ سے الگ رکھنا چاہتا ہے تاکہ فتح کا سہرا اس کے سر بندھے۔ آرتوئی کے فلپ نے، جو فرانس کے ہائی کانسٹیبل کا درجہ رکھتا تھا، بے قابو ہوکر کہا: "ہنگری کا بادشاہ چاہتا ہے کہ فتح کی سعادت اسی کو نصیب ہو۔ کوئی اور اس کی بات مانتا ہے تو مان لے، میں ہرگز نہیں مانوں گا۔ آگے ہمیں رہیں گے اور دشمن سے پہلے ہمیں لڑیں گے۔" اور یہ کہہ کر اپنا علم بلند کرنے کا حکم دیا، اور چلا کر کہا: "خدا اور سینٹ جارج کا نام لے کر آگے بڑھو!"

تمام سردار اپنے زرہ پوش دستوں سمیت اس کے ساتھ ہو لئے مگر روانگی سے پہلے اپنے ترک اور سربیائی جنگی قیدیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ آن بہادران یورپ نے، جن میں شاہزادے، سردار اور مسلح جنگجو شامل تھے اور جو نیزوں کی نوکوں پر پھریرے اڑاتے، ڈھالیں تانے، خاردار تاروں کی جھولیں پڑے گھوڑوں پر سوار چلے جارہے تھے، آگے بڑھ کر، بایزید کے قراول دستوں پر، جو اپنی فوج سے الگ ہوکر لڑنے آگئے تھے، حملہ کیا اور انہیں بڑی آسانی سے منتشر کردیا۔ اس کے بعد ایک طویل ڈھلان چڑھ کر ایک پہاڑی پر پہنچ گئے، وہاں جتنے تیرانداز نظر آئے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور پھر ان ترکی سپاہیوں کے رسالوں سے لڑنے کے لئے جو اب نمودار ہوئے، اپنی صفیں دوبارہ درست کرلیں۔

وہ ان سپاہیوں یعنی ترکوں کے ہلکے سوار دستوں کی صفیں چیر کر نکل گئے اور یورش جاری رکھتے ہوئے پلٹ کر پھر ان پر حملہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا یہ حملہ بڑا دلیرانہ تھا مگر یہی ان کی شکست کا سبب بھی بن گیا۔

بایزید کے یہ رسالے اس کے مقدمتہ الجیش کی اگلی تین صفیں تھیں۔ عیسائی شہسواروں نے اپنی ساری قوت انہیں پر صرف کرکے خود کو تھکا لیا چنانچہ جب تھکے ہارے دوسری پہاڑی پر پہنچے تو وہاں بایزید کی ساٹھ ہزار تازہ دم فوج سے سابقہ پڑا۔ درمیان میں سفید عماموں والے ینی چری تھے اور ان کے دونوں طرف نیم دائرے میں زرہ پوش سوار فوج پراجمائے کھڑی تھی۔ اس نے جوابی حملہ کرکے اپنے سپاہی ضائع نہیں کئے بلکہ عیسائی سواروں کے گھوڑوں کو تیروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ یہ گھوڑے مرمر کر گرے تو ان کے سواروں کو پیدل لڑنا پڑا مگر چونکہ بوجھل زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے، ان کے لئے لڑائی جاری رکھنا مشکل ہوگیا۔ بعض جوں توں لڑتے رہے، بعض نے جن کے گھوڑے ابھی تک سلامت تھے، باگیں موڑیں اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن جب ترک فوج نے صلیبی جنگ بازوں کو نرغے میں لے لیا اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی فوجیں، جو مدد کو آسکتی ہیں، دور ہیں تو ان میں سے بیشتر نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس دوران میں سگمنڈ نے اپنی فوج کا ایک بھی سپاہی ضائع نہ کیا تھا۔ وہ ان شہسواروں کے پیچھے پیچھے، جنہوں نے ترکوں پر دھاوا بولنے کی حماقت کی تھی، تھوڑی دور تک آیا تو سہی مگر انہیں مدد نہ دے سکا۔ یورپ میں اس پر برسوں جرح قدح ہوتی رہی۔ پھر بھی یہ بات صاف نہیں ہوئی کہ وہ جان بوجھ کر پیچھے رہ گیا تھا یا یہ شہسوار اپنے اندھا دھند حملے کی وجہ سے اس قابل ہی نہیں رہے تھے کہ ان کی امداد کی جا سکے۔

شہسواروں کی اس شکست سے عیسائی لڑائی ہار گئے۔ جب ان کی پیادہ فوج نے اپنے تھکے ہوئے زخمی سواروں کو بھاگتے اور ترکوں کو ان کا تعاقب کرتے دیکھا تو اس نے بھی ہمت ہار دی۔ اور دائیں بائیں جو ولاچیا والے تھے وہ بھی علیحدہ ہوگئے۔ سگمنڈ کے ہنگری والے سپاہی اور الیکٹر کے بوریا والے فوجی بڑی بہادری سے لڑے مگر بہت جلد سگمنڈ اور اس کے سرداروں کو اپنی جانیں بچانے کے لئے دریا کی طرف بھاگنا پڑا تاکہ وینس والوں کے جہازوں میں پناہ لیں۔

ترکوں نے جو یورپی شہسوار گرفتار کئے' بایزید انہیں بخشنے والا نہ تھا۔ انھی نے تو جنگ شروع کرنے سے پہلے ترک قیدیوں کو بے دردی سے قتل کیا تھا اور جنگ میں بھی ترکوں کو طرح طرح کے نقصان پہنچائے تھے۔ صلیبی وقائع نگار فرائیسارٹ نے بڑے رنج و ملال کے عالم میں لکھا ہے: "پھر وہ سب اس کے سامنے پیش کئے گئے۔ اس وقت ان کے جسموں پر صرف قمیصیں تھیں۔ اس نے انہیں تھوڑی دیر تک دیکھا' پھر منہ پھیر کر اشارہ کیا کہ سب قتل کر دیئے جائیں۔ وہ جلادوں کے سامنے لائے گئے' جو ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے اور بڑی بے رحمی سے قتل کردیئے گئے۔"

اس طریقے سے دس ہزار صلیبیوں کا خاتمہ کیا گیا۔ چوبیس عیسائی سرداروں کو ترک امرا نے بایزید سے کہہ کر قتل ہونے سے بچا لیا۔ ان میں شاہ فرانس کا پوتا نیورز کا نواب اور فرانس کا بوچی کاٹ بھی تھے۔ ترکوں نے شاہ فرانس کے پوتے اور اس کے ساتھیوں کا زر فدیہ دو لاکھ اشرفی طلب کیا۔ ان کی نگاہ میں یہ رقم ایسی کچھ زیادہ نہیں تھی مگر یورپ کے خزانے اسی سے خالی ہوگئے۔ آخر جوں توں رقم ادا کی گئی تو قیدی رہا ہوگئے۔ فرائیسارٹ لکھتا ہے کہ انہیں رہا کرتے وقت بایزید نے ایک رخصتی تقریر کی اور ان سے کہا کہ نئی فوجیں جمع کرکے دوبارہ مقابلے کے لئے تیار رہیں "کیونکہ میں جنگی کارنامے دکھا سکتا ہوں اور عیسائی ملکوں میں مزید فتوحات حاصل کرنے پر تلا ہوا ہوں۔" یہ پرزور الفاظ نیوارز کے نواب اور اس کے ساتھیوں نے خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلئے اور ان کو تمام عمر نہ بھولے۔ (مگر جہاں تک دعوت مقابلہ قبول کرنے کا تعلق ہے صرف بہادر بوچی کاٹ' جو اب فرانس کا مارشل بن چکا تھا' ترکوں سے دوبارہ شمشیر آزمائی کرنے آیا) یوں آخری صلیبی جنگ عیسائیوں کی ذلت آمیز شکست پر ختم ہوئی۔ یورپ کے درباروں میں تو خیر صف ماتم بچھ ہی گئی' قسطنطنیہ کے عیسائیوں کو بھی کچھ کم مایوسی نہ ہوئی جو صلیبیوں کی آمد پر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ انہیں بایزید کے پنجے سے چھڑانے والے پہنچ گئے مگر جنہیں اب موت سامنے

کھڑی نظر آرہی تھی۔

نیکوپولس کی لڑائی 1396ء میں ہوئی۔ بایزید اس سے پہلے ہی قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع کرچکا تھا اور اسی کے ساتھ یونان کو بھی اپنی مملکت میں شامل کررہا تھا۔ بوچی کاٹ کے پانچ سو زرہ پوش شہسواروں اور چند جہازوں سے قسطنطنیہ کے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ ہوگئے مگر یہ خوشی عارضی تھی۔

ترکوں کی مملکت کے نصف ایشیائی حصے اور ان کے یورپی مقبوضات کے درمیان سمندر تھا۔ اس موقع پر وینس اور جنوآ کے بحری بیڑے ترکوں پر حملہ کرکے قسطنطنیہ کو بچا سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

وجہ یہ تھی کہ وینس اور جنوآ کی ریاستوں میں ایشیا کی تجارت پر قبضے کے لئے کشمکش ہورہی تھی اور دونوں ایک دوسرے کو تباہ کرنے کی فکر میں تھیں۔ ادھر بایزید بڑا دانا مدبر تھا۔ اس نے دونوں سے راہ و رسم رکھی اور دونوں کو ایشیا کی تجارت کا لالچ دیتا رہا چنانچہ یہ دونوں ریاستیں اسے تحائف پیش کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ اسی لئے جب پوپ نے قسطنطنیہ کو بچانے کی ایک بار پھر درخواست کی تو کسی نے توجہ تک نہ کی۔ یورپ کے جو حکمراں اس صلیبی جنگ میں مارے جانے سے بچ گئے تھے وہ اپنے اپنے ملک میں واپس پہنچتے ہی پہلے کی طرح پھر خانہ جنگی میں مبتلا ہوگئے۔

اب ہمارے سامنے جو منظر آتا ہے یہ تاریخ کے عجیب ترین مناظر میں سے ایک ہے۔ قیصروں کا پایہ تخت قسطنطنیہ' جو کسی زمانے میں دنیا کا عظیم ترین شہر تھا اور جس کی حفاظت کے لئے سینکڑوں یونانی سردار اور امرائے یونان کے اجیر سپاہی موجود رہتے تھے' ان دنوں اس کے باشندے عظیم الشان عمارتوں میں بودوباش کے باوجود اتنے مفلس اور پھکڑ ہوگئے تھے کہ بوچی کاٹ کی جو بحری سپاہ بایزید سے ان کی گلوخلاصی کرانے کا عزم لے کر وارد ہوئی تھی اس کے لئے خوراک تک فراہم نہ کرسکتے تھے چنانچہ اسے بحری قزاقوں کی طرح ترکوں کے رسدی جہازوں کو لوٹ کر اپنا پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔ قسطنطنیہ کا عیسائی شہنشاہ اس قدر تنگ دست ہوگیا تھا کہ اس سپاہ کو معاوضہ خدمت تک نہ دے سکا۔ وہ اپنے دفاع کے لئے درکار سپاہ اور سرمائے کی بھیک مانگنے کے لئے یورپی ملکوں کے دورے پر نکلا تو جو درباری اس کے ساتھ تھے ان کے تن پر ڈھنگ کے کپڑے تک نہ تھے۔ ایک اطالوی نواب نے ترس کھا کر ایسے کپڑے بنوا کر دیئے جو ان کی حیثیت کے مطابق تھے۔

قیصروں کا یہ خلف ملک ملک پھرا۔ ہر جگہ اس کی بھرپور خاطر مدارات کے علاوہ اس

سے بے حد ہمدردی بھی ظاہر کی گئی مگر امداد کسی نے نہ دی۔ گزشتہ صلیبی جنگ میں یورپی سرداروں نے جس بری طرح شکست کھائی تھی اس سے یورپ کے بادشاہوں میں مذہب کے لئے جنگ کا جذبہ ختم ہوگیا تھا۔ وہ تجارتی معاملات اور اس دور کی سیاسی حد بندیوں میں مصروف تھے جو مذہبی جنگ سے زیادہ ضروری تھیں چنانچہ کلیسا کے اعلانات نیز قیصر مینوئیل کی امداد کی درخواستیں بے اثر رہیں۔

اب حالت یہ تھی کہ مینوئیل دل شکستہ ہو چکا تھا' قسطنطنیہ کے باشندے محاصرے کے دنوں میں شہر کی فصیل سے ترکوں کی طرف اتر کر ان کے آگے خوراک کے لئے ہاتھ پھیلانے لگے تھے' حد یہ تھی کہ بوچی کاٹ بھی شہر کو اس کے حال پر چھوڑ کر جا چکا تھا اور شہنشاہ کا بھتیجا' جو قسطنطنیہ میں مقیم تھا' شہر بایزید کے حوالے کرنے کے لئے شرائط مرتب کررہا تھا کہ اچانک ایک بار پھر اس محصور شہر کو امان مل گئی۔ اور وہ یوں کہ بالکل غیر متوقع طور پر مشرق سے تاتاری نمودار ہوگئے۔ انہوں نے سیواس پر' جو ایشیائے کوچک کا دروازہ تھا' حملہ کیا اور اسے فتح کرکے آگے بڑھ گئے۔ بایزید کو قسطنطنیہ سے محاصرہ اٹھا کر فوراً ایشیا کا رخ کرنا پڑ گیا۔

اس کے بعد یورپ میں جتنی ترک فوجیں مقیم تھیں انہیں ہتھیار سنبھالنے کا حکم ملا اور جہازوں میں سوار کرکے ایشیا پہنچایا گیا۔ قسطنطنیہ کے حکمراں نے بایزید سے یہ عہد کیا کہ اگر اس نے تیمور کو شکست دے دی تو شہر اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

تیمور اور یلدرم کا مقابلہ

1402ء کا موسم گرما شروع ہوتے ہی مشرقی یورپ کے فاتح نے فاتح ایشیا کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی پوری فوج جمع کی اور کسوبا اور نیکوپولس کی آزمودہ کار رجمنٹوں کو بحیرۂ مارمورا کے قریب عثمانی ترکوں کے پایہ تخت بروصہ میں جنگ کے لئے تیار کیا گیا۔ وہیں اناطولیہ کی فوجیں اور سربیا کے بادشاہ لزارس کے بیس ہزار زرہ پوش سوار بھی ان سے آملے۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک فولاد میں اس طرح غرق تھے کہ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ یہیں یونانی اور ولاچیائی فوجیں بھی اپنے نئے آقا سلطان بایزید کی مدد کے لئے حاضر ہوگئیں۔ غرض فوج کی کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار اور ڈھائی لاکھ کے درمیان ہوگئی۔

بایزید کی سپاہ تمام عمر فتوحات حاصل کرتی آئی تھی۔ اس کے سپاہی اور ینی چری ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے۔ اس کا نظم و ضبط بڑا کڑا تھا اور اس کا ہر فرد بایزید کا اسی طرح وفادار تھا جس طرح غلام اپنے آقاؤں کے وفادار ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے بایزید کو اپنی فتح کا کامل یقین تھا اور اس نے تیمور کے انتظار کے دن جشن منانے میں گزارے۔

تیمور پیش قدمی کرکے ترکوں کی طرف آرہا تھا۔ ترک اس سے خوش ہوئے۔ ان کی طاقت کا انحصار اپنی پیادہ فوج پر تھا جس کے جوہر دفاعی جنگ میں کھلتے تھے۔ پھر ایشیائے کوچک کا زیادہ حصہ بھی' جو ناہموار اور جنگلوں سے پٹا ہوا تھا پیادہ فوج کے لئے خاص طور پر موزوں تھا۔ سیواس سے مغرب کی طرف صرف ایک سڑک آتی تھی۔ ترکوں کو توقع تھی کہ تیمور سے اسی سڑک پر مقابلہ ہوگا۔

بایزید اپنی فوج لے کر بہت آہستہ آہستہ کوچ کرتا ہوا انقرہ تک آیا۔ یہاں اس نے اپنا مستقر قائم کیا اور پھر آگے بڑھ کر دریائے ہیلس عبور کرنے کے بعد پہاڑی علاقے میں داخل ہوگیا۔ اس مرحلے پر اس کے قراولوں نے اطلاع دی کہ تیمور اس سے ساٹھ میل کے فاصلے پر سیواس میں ہے۔

بایزید وہیں رک گیا' اس نے اپنی رجمنٹوں کو مناسب مقامات پر متعین کیا اور تیمور کا انتظار کرنے لگا۔

اس انتظار میں تین دن گزرے' پھر پانچ دن گزرے' یہاں تک کہ پورا ایک ہفتہ گزر گیا مگر تاتاری نمودار نہ ہوئے۔ پھر اس کے قراول سیواس سے جن لوگوں کو پکڑ کر لائے انہوں نے یہ تشویشناک خبر سنائی کہ سیواس میں تو اس وقت تاتاریوں کے چند دفاعی دستے ہیں' باقی فوج تیمور اپنے ساتھ لے کر کبھی کا ترکوں کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔

مگر تیمور کا سیواس اور ترک فوج کے درمیانی علاقے میں کہیں پتا نہ تھا۔ ترکوں کے قراول پورے پہاڑی علاقے میں گھوڑے دوڑا کر واپس آگئے وہاں تاتاریوں کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ اپنے ہاتھیوں سمیت نہ جانے کہاں غائب ہوگئے تھے۔

ترکوں کو اس قسم کی صورت حال سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ اس وقت وہ جنگی ترتیب میں دریائے ہیلس کے ناہموار پہاڑی علاقے میں پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ یہ دریا سیواس سے پرے اپنے منبع سے نکل کر جنوب کو ہو لیتا ہے اور دور تک بہتے چلے جانے کے بعد انقرہ کے قریب شمال کی طرف مڑ کر بحیرۂ اسود میں جا گرتا ہے۔ اس طرح مڑتے میں اسے ایک بڑا سا چکر کاٹنا پڑتا ہے۔ اسی چکر کے اندر رخ' وسط میں ترکی فوج پڑی تھی اور بایزید نے فیصلہ کرلیا تھا کہ جب تک تاتاریوں کے بارے میں کوئی قطعی بات معلوم نہ ہوگی وہ اپنی فوج کو حرکت میں نہ لائے گا۔

آٹھویں دن صبح ہوتے ہی خبر ملی کہ تاتاریوں کے ایک قراول دستے نے' جس کی کمان تیمور نے اپنے ایک خاص امیر کو دے رکھی ہے' بایزید کے میمنہ پر حملہ کیا اور اس کی بیرونی چوکیوں کے چند سپاہیوں کو گرفتار کرکے لے گیا۔ اب ترکوں کو یقین ہوگیا کہ تاتاری اس وقت ان کے جنوب میں ہیں۔ وہ اس طرف بڑھے۔ مگر دو دن بعد دریا پر پہنچے تو وہاں تاتاریوں کا کہیں پتا نہ تھا۔ بایزید نے اپنے بیٹے سلیمان کی کمان میں' جو بڑا لائق سپہ سالار تھا' کئی سوار دستے دریا پار روانہ کئے کہ حال معلوم کرکے آئیں۔

سلیمان جلد ہی یہ خبر لے کر آیا کہ تیمور کترا کر نکل گیا ہے اور اس وقت ترکوں کے پس پشت تیزی سے انقرہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔

بایزید' جو تاتاریوں کو کچھ اہمیت نہیں دے رہا تھا' یہ خبر سن کر چونک اٹھا۔ اس نے دریا پار کیا اور دشمن کے پیچھے پیچھے اپنے مستقر کی طرف روانہ ہوا۔

تیمور نے ایک سیدھی سی مگر پرلطف چال چلی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ پہاڑی

علاقہ' جس میں وہ اس وقت ہے' اس کی سوار فوج کے لئے موزوں نہیں ہے تو جنوب کی طرف پلٹ گیا اور وادی ہیلس کے ساتھ ساتھ اس طرح بڑھنا شروع کیا کہ اپنے اور ترکوں کے درمیان دریا حائل رکھا۔ وہ دریا کے چکر کے باہر اس کے کنارے کے لگواں جارہا تھا جبکہ بایزید اس کا انتظار چکر کے اندر' اس کے وسط میں کر رہا تھا۔

فصلیں پک چکی تھیں اور کٹائی کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ گھوڑوں کے لئے چراگاہیں بھی جا بجا موجود تھیں۔ تیمور نے سواروں کے ایک دستے کو باقی فوج سے علیحدہ کرکے اسے ترکوں سے جا بھڑنے کا حکم دے دیا تھا اور خود سلیمان کے دستوں سے ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد اس وقت ایک گاؤں' کوچ حصار' میں مقیم تھا اور اپنے پوتوں اور افسروں کو تزویرات کے گر بتا رہا تھا:

"اب ہمارے سامنے دو راستے ہیں جن میں سے ایک اختیار کرنا ہوگا۔ یا تو ہم یہاں انتظار کریں' گھوڑوں کو تازہ دم کرلیں اور پھر ترکوں سے بھڑ جائیں یا ان کے ملک کے اندر گھستے چلے جائیں اور اسے برباد بھی کرتے جائیں اور یوں انہیں اپنے پیچھے پیچھے چلے آنے پر مجبور کر دیں۔ ان کی فوج کا بڑا حصہ پیادہ ہے۔ پیدل چلنا انسان کو تھکا دیتا ہے۔ ان کی فوج تھک کر خستہ حال ہو جائے گی۔"

اور پھر ایک لمحہ توقف بعد کہا: "اور ہم یہی کریں گے۔"

اس گاؤں سے روانگی کے بعد تیمور نے کوچ کا ڈھنگ بدل دیا۔ اس نے وہاں ایک موخرالجیش چھوڑ کر سواروں کا ایک لشکر دو امیروں کی سرکردگی میں روانہ کر دیا' جن کے ساتھ کچھ پیادہ سپاہی بھی بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ فوج کے قیام کے لئے جو مقامات تجویز کئے جائیں وہاں کنویں کھودتے جائیں اور مقدمتہ الجیش کے سواروں کو حکم دیا کہ فوج کے لئے غلہ جمع کرتے رہیں۔

حصار سے آگے علاقہ زیادہ کھلا تھا۔ پانی بھی کافی مقدار میں ملتا رہا۔ اب تاتاری فوج دریا سے ہٹ کر چل رہی تھی۔ پھر انہیں یہ اطلاع ملی کہ ترکوں کا مستقر انقرہ میں ہے۔ اس سے اچھی اطلاع اور کیا ہو سکتی تھی! انقرہ تو ان کے راستے میں پڑتا تھا۔ تیمور نے رفتار تیز کر دی اور انقرہ تک کا ایک سو میل کا فاصلہ تین دن میں طے کرکے تیسرے دن وہاں جا پہنچا۔

اس نے بڑھاپے میں زرہ پہننی چھوڑ دی تھی مگر اس روز زرہ پہن کر نکلا اور شہر کا معائنہ کرنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہوکر اس کے گرد پھرا۔

شہر کے اندر جو ترک تھے انہوں نے شہر کا دفاع کرنے کے ارادے ظاہر کئے۔ تیمور نے اپنی فوج کو حملے کا حکم دے کر خود بایزید کا معسکر دیکھنے چلا گیا۔ مگر وہاں پہنچا تو وہ خالی ملا یعنی ایک بھی محافظ موجود نہ تھا۔ بایزید جن ترکوں کو معسکر میں چھوڑ کر گیا تھا وہ شاید وہاں سے چلے گئے تھے۔

انقرہ ایک فراخ میدان کے وسط میں واقع ہے۔ تیمور نے ملاحظے کے بعد یہ رائے ظاہر کی کہ بایزید نے مستقر کے خیموں پر قبضہ کرلیا۔ پھر انہوں نے اپنے امیر کے حکم سے اس چھوٹے سے دریا پر بند باندھا جو انقرہ میں سے ہوکر گزرتا تھا اور اس کا راستہ اس طرح بدلا کہ اب وہ اس جگہ کے عقب سے گزرنے لگا جہاں ان کا پڑاؤ تھا۔ اس طرح ان کے پیچھے پیچھے آنے والی ترک فوجوں پر اس دریا کا پانی بند ہوگیا۔ اس کے علاوہ جس چشمے سے پانی لیا جا سکتا تھا اسے بھی تیمور نے بند کرا دیا اور اس میں غلاظت ڈلوا دی۔ اس اثنا میں اس کے سپاہی شہر کی فصیل توڑنے کی کوشش کرتے رہے مگر ابھی اس میں کامیاب نہ ہوئے تھے کہ قراولوں نے بایزید کے بارے میں یہ اطلاع دی کہ وہ اس وقت یہاں سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔

تیمور نے شہر فتح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا بلکہ جو سپاہی ایک برج پر پہنچ چکے تھے انہیں بھی نیچے بلا لیا۔ اس رات اس نے معسکر کے گرد خندقیں کھدوا لیں، تمام رات آگ جلتی رکھی اور اس کے سوار معسکر کے گرد گشت کرتے رہے۔ مگر ترک صبح سے پہلے نمودار نہ ہوئے۔

وہ ایک ہفتے سے کوچ کرتے آ رہے تھے اور انہیں رفتار بھی تیز رکھنی پڑی تھی۔ تاتاری ان کے آگے آگے جہاں جہاں سے گزرے تھے وہاں انہوں نے تباہی پھیلا دی تھی۔ اب انقرہ پہنچ کر ترک فوجوں نے، جو پہلے ہی تھکی ماندی اور بھوکی پیاسی تھیں، یہ دیکھا کہ تاتاری ان کے معسکر پر بھی قابض ہو چکے ہیں اور ان کے پاس وافر رسد بھی موجود ہے۔ ستم بالائے ستم یہ تھا کہ پانی تک پہنچنے کے لئے بھی تاتاریوں کے معسکر سے ہوکر گزرنا پڑتا اور کہیں پانی دستیاب ہی نہیں تھا۔ تیمور پر حملہ کرنے کے سوا چارہ نہ تھا حالاں کہ اس حالت میں اس سے ٹکرانا شکست کھانا تھا۔

پھر بایزید کی سوار فوج بھی وسطی ایشیا کے شہسواروں کے دل بادل سے کمزور تھی اس لئے وہ اسے لڑانا نہ چاہتا تھا مگر تیمور نے اسے یہی غلطی کرنے پر مجبور کر دیا، اور اس کے یہ کمزور سپاہی بھی مجبوراً" ایسی حالت میں میدان میں اترے جب پیاس کی شدت سے

بڑھال تھے۔ تیمور نے بایزید کو چکر میں ڈال دیا تھا، اور اسے گویا ناک میں نکیل ڈال کر انقرہ واپس لایا تھا۔ بایزید تلواریں نیاموں سے نکلنے سے پہلے ہی لڑائی ہار چکا تھا۔

دن کے دس بجے جب دھوپ خوب تیز ہو چکی تھی، ترک اپنے اسی آہنی حوصلے سے آگے بڑھے جو کتنے ہی جنگی میدانوں میں ناقابل شکست ثابت ہو چکا تھا۔ محاذ جنگ پندرہ میل سے آگے تک پھیلا ہوا تھا۔ تاتاری فوج کا ایک بازو دریا کے کنارے تھا، دوسرا جو دور ہونے کی وجہ سے نظر نہ آتا تھا، ایک پہاڑی پر تھا، جس کے گرد حصار تھا۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ ترکوں نے نقارے، طبل، اور شہنائیوں کی گھن گرج کے ساتھ پیش قدمی کی بلکہ تاتاری فوجیں بالکل خاموش کھڑی رہیں۔

تیمور آخری لمحے تک گھوڑے پر سوار نہ ہوا۔ اس کے سپہ سالار فوج کو لڑاتے رہے۔ وہ خود تو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر اپنی پیادہ فوج کے ساتھ کھڑا رہا جو سوار فوج کے ہنگمٹ کے عقب میں تھی۔ اس کے ساتھ بمشکل چالیس گھڑسوار ہوں گے۔ قلب کا کماندار اس کا پوتا شاہزادہ محمد تھا، جس کے پاس سمرقند کی فوج کے علاوہ ایشیا کے مشہور سالاروں کے تحت لڑنے والی اسی رجمنٹیں بھی تھیں۔ قلب میں ہاتھی بھی تھے، جن کے جسموں پر رنگین چرمی زرہیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کا مصرف تدبیراتی سے زیادہ نفسیاتی اثر ڈالنا تھا۔

بایزید کے بیٹے سلیمان نے تاتاری میمنہ پر گھڑسواروں سے حملہ کیا جن کی کمان وہ خود کررہا تھا۔ تاتاریوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کی اور نار رومی کے شعلے پھینکے تو دھوئیں اور گرد و غبار کے چھٹتے ہوئے بادلوں کے تلے ترک فوج کے گھوڑوں اور جوانوں کے کشتوں کے پشتے لگے ہوئے نظر آئے۔ ترکوں کی صفوں میں ابتری پھیل گئی تو اس سے فائدہ اٹھا کر تاری میمنہ کی پہلی صف نے ان پر دھاوا بول دیا اور اس کے فوراً بعد تاتاریوں کے قابل ین سردار نورالدین نے میمنہ کی باقی فوج لے کر ان پر چڑھائی کر دی۔

یوں ترکوں کی پیش قدمی جنگ کے پہلے ہی گھنٹے میں رک گئی اور تاتاریوں نے آگے منا شروع کر دیا۔ نورالدین نے سلیمان کے میسرہ کو اس بری طرح زک دی کہ ترکوں کے ل لشکر تو میدان سے ہٹ ہی گئے۔ بایزید کی فوج میں ایشیائے کوچک کے بہت سے اری بھی تھے۔ ان کے سردار تیمور سے مل گئے اور جب انہوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی اس ڑائی میں موقع پا کر ترکوں کا ساتھ چھوڑ گئے۔

نورالدین دائیں جانب حالات پر قابو پا چکا تو تاتاریوں کا بایاں بازو تین صفیں بنا کر گے بڑھا اور چھوٹے چھوٹے ترکی دستوں کو منتشر کرنے کے بعد اس رخ کے ترک

سواروں پر جا پڑا' جن کے پاس کافی اسلحہ نہ تھے اور انہیں مار بھگایا۔ یہ تاتاری مار دھاڑ کرتے ہوئے اتنے آگے نکل گئے کہ تیمور کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

اب شاہزادہ محمد گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا دادا کے پاس پہنچا اور گھوڑے سے اتر کر دو زانو ہوکر بایزید کی کثیر پیادہ فوج پر تاتاری قلب کی فوج سے حملہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ مگر تیمور نے اس حملے کی اجازت نہ دی۔

اس کے بجائے اس نے محمد کو سمرقند کی سپاہ اور بہادروں کا لشکر دے کر' جس میں تاتاریوں کے مانے ہوئے گھڑ سوار تھے' اسے بائیں بازو کی کمک کو پہنچنے کا حکم دیا جس کے لشکر زیادہ آگے نکل گئے تھے۔

پیرا نہ سال فاتح کے چہیتے پوتے نے دادا کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا' اپنا سرخ علم بلند کیا' تاتاری فوج کے بہترین جوانوں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا ہوا میدان کی طرف چل دیا' اور اس روز کی سنگین ترین لڑائی میں جا کودا' جس میں سربیا کے زرہ پوش سوار تاتاریوں کے تابڑ توڑ حملوں سے' جنہوں نے انہیں جنبش تک کرنے کے قابل نہ رکھا تھا' اپنی جانیں بچانے کی کوشش میں تھے اور پیدل یورپی فوج کے قوی ہیکل جوانوں کے گروہ ہر پہاڑی پر ڈٹے ہوئے تھے۔ سربیا کے بادشاہ پیٹر نے اسی معرکے میں جان دی اور اسی میں شاہزادہ محمد اتنا سخت مجروح ہوا کہ اسے گھوڑے سے اترنا پڑا مگر اس خونی لڑائی میں بایزید کے میمنہ کا صفایا ہوگیا۔

اب اس کے پاس صرف اپنی کثیر پیادہ فوج رہ گئی جس کی حفاظت کے لئے کوئی خندق یا رکاوٹ نہ تھی اور جسے تاتاری سوار دو طرف سے گھیرے میں لے رہے تھے۔ اس مرحلے پر تیمور نے تاتاری قلب کی کمان سنبھالی اور آگے بڑھنا شروع کیا۔

عثمانی ترکوں کی شاندار پیادہ فوج ----- ینی چری ----- نے' جس کی شجاعت کی دھوم تھی' ابھی تک ایک بھی وار کیا تھا اور اب اس کے ہلاک ہونے سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ دراصل اس کی قسمت کا فیصلہ تو لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی ہوگیا تھا کیونکہ اس کے شہنشاہ کو ایشیا کے عظیم شاطر نے اپنی جنگی چالوں سے بے بس کر دیا تھا۔ عقب کی رجمنٹیں یہ دیکھ کر کہ ابھی فرار کا موقع ہے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ باقیوں نے تاتاریوں کے پے در پے حملوں سے منتشر ہو جانے کے بعد جہاں کہیں کوئی ٹیلا دیکھا اس پر چڑھ کر لڑائی جاری رکھی۔ ترک فوجوں میں سے زرہ پوش ہاتھی بھی گزارے گئے۔ ان دیو قامت حیوانوں پر ہودج رکھے ہوئے تھے جن میں سے آتش سیال برسائی جارہی تھی۔ ناقابل برداشت شور

دل اور گرد و غبار کے طوفان میں تھکے ماندے ترک بے بس ہوکر مارے جارہے تھے۔ بہت سے جو بھاگ کھڑے ہوئے' تھکان کی تاب نہ لاکر گرتے اور مرگئے۔

بایزید نے ایک ہزار ینی چری اپنے ساتھ لے کر ایک پہاڑی سے تاتاریوں کو مار بھگایا' پھر تبر سنبھالے ہوئے جم کر کھڑا ہوگیا اور تیسرے پہر کے تمام وقت بے جگری سے لڑتا رہا۔

جس طرح واٹر لو کی لڑائی میں جب نپولین کی فوج بھاگ نکلی تو اس کی اولڈ گارڈ بٹالین اس کے ساتھ آخر دم تک لڑتی رہی' اسی طرح بایزید کی اس فوج خاص نے بھی لڑتے لڑتے جان دی۔

شام ہوتے بایزید گھوڑے پر سوار ہوا' چند سواروں کو ساتھ لیا اور تاتاری فوج کی صفوں میں سے لڑبھڑ کر نکل جانے کی کوشش کی مگر اس کا تعاقب کیا گیا' اس کے سب ساتھی ایک ایک کرکے ہلاک کر دیئے گئے' اس کے گھوڑے کو بھی تیروں سے گرا لیا گیا اور خود اسے مشکیں باندھ کر غروب آفتاب کے وقت تیمور کے خیمے میں لایا گیا۔

کہتے ہیں تیمور اس وقت شاہرخ سے شطرنج کھیل رہا تھا۔ جب اس نے بایزید کو آتا دیکھا' جس کے چہرے پر اس مصیبت کے وقت میں بھی شاہانہ جلال تھا' تو اٹھ کر خیمے کے دروازے تک آیا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

بایزید کی تمکنت اور شیرانہ خو ابھی رخصت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے چلا کر کہا: "جس پر خدا نے مصیبت ڈالی ہو اس کے حال پر ہنسنا اچھی بات نہیں۔"

تیمور آہستہ سے بولا: "میں اس لئے مسکرایا کہ خدا نے اس میں خبر نہیں کیا مصلحت رکھی کہ دنیا کی حکومت مجھ لنگڑے کو اور تجھ اندھے کو بخشی۔" پھر سنجیدہ لہجے میں کہا: "سب جانتے ہیں کہ اگر تم کو فتح حاصل ہوتی تو میرا اور میرے ساتھیوں کا کیا حشر ہوتا۔"

بایزید نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ تیمور نے حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں۔ پھر اسے مسند پر اپنے پاس بٹھایا۔ تیمور نے بایزید جیسے ایک جلیل القدر سلطان کو قیدی بنا کر رکھنے کا ارمان نکالنے کے لئے اسے نظربند تو کر دیا مگر بڑے اخلاق سے پیش آیا اور بہت اچھا سلوک کیا (133) چنانچہ جب بایزید نے درخواست کی کہ اس کے بیٹوں کو تلاش کرایا جائے تو فوراً ان کی تلاش کا حکم دے دیا۔ اس کے ایک بیٹے موسیٰ کو قیدی بنا کر لایا گیا۔ مگر تیمور نے اسے خلعت بخشا اور اس کے باپ کے پاس بٹھایا۔ بایزید کا دوسرا لڑکا لڑائی میں مارا جا چکا تھا اس لئے وہ نہ ملا۔ باقی بچ کر نکل گئے تھے۔

تیمور نے فتح کے بعد چاروں طرف لشکر روانہ کئے تاکہ جو ترک سپاہی بچ نکلے ہیں ان

کا تعاقب سمندر تک کیا جائے۔ جب نورالدین نے بروصہ پر قبضہ کیا' جو عثمانی ترکوں کا دارالسلطنت تھا' تو اس نے وہاں سے تیمور کو سلطان کا خزانہ اور اس کی بہت سی حسین و جمیل کنیزیں بھیجیں۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ یہ کنیزیں رقص و سرود میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ اسی طرح تاتاری سپاہی بھی جو مال غنیمت لے کر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے اس میں بھی طرح طرح کی چیزیں تھیں۔ اب کے جو جشن منایا گیا اس میں یورپی شرابیں اور حسین و جمیل عورتیں جشن کی رونق بڑھا رہی تھیں۔

اس میں بایزید کو بھی مدعو کیا گیا بلکہ زبردستی لایا گیا۔ اس کی نشست تیمور کے پاس رکھی گئی اور تیمور نے حکم دیا کہ بروصہ کے مال غنیمت میں سے سلطان ترکی کا شاہانہ لباس حاضر کیا جائے۔ یہ لباس سلطان کو پیش کیا گیا کہ پہن کر دکھائے۔ اس نے مجبوراً جڑاؤ عمامہ سر پر رکھا اور سنہری عصا' جو اس کی شہنشاہی کا نشان تھا ہاتھ میں تھام لیا۔

جب وہ لباس شاہی پہنے کھڑا تھا اس حالت میں اسے وہی مشروب پیش کئے گئے جن کا وہ عادی تھا۔ مگر اس نے کوئی مشروب چکھا تک نہیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی حسین ترین کنیزیں' جو بے پیرہن تھیں' تاتاری فاتحوں کو شراب و کباب پیش کر رہی تھیں۔

ان میں اسے اپنی منظور نظر ڈیسپنا بھی نظر آئی۔ وہ سربیا کے بادشاہ پیٹر کی بہن تھی' جسے بایزید اتنا چاہتا تھا کہ حرم میں داخل ہونے کے لئے مسلمان ہونے پر مجبور نہ کیا تھا۔

وہی سیمیں بدن عورتیں' جو اس کے آغوش کی زینت بنتی رہی تھیں' اور جنہیں اس نے جنگی قیدیوں میں سے ان کے عدیم المثال حسن و جمال کی بنا پر پسند کیا تھا' اپنے برہنہ پیکر لئے لوبان کے دھوئیں میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آجا رہی تھیں اور وہ اس پر مجبور تھا کہ یہ دل خراش منظر چپ چاپ بیٹھا دیکھتا رہے۔ ان میں سیاہ بالوں والی ارمنی حسینائیں بھی تھیں' کوہ قاف کی سنہری گیسوؤں والی پریاں بھی' فربہ مگر حسین روسی لڑکیاں بھی اور ستاروں کی طرح ڈگر ڈگر کرتی آنکھوں والی یونانی نازنینیں بھی' جنہوں نے پہلے کبھی حرم سرا کی چار دیواری کے باہر قدم نہ رکھا تھا۔

اس جشن میں ایشیا کے جو تاجدار شریک تھے ان سب کا مرکز توجہ بایزید ہی تھا۔ بعض اس کے حال پر تعجب کر رہے تھے' بعض اس کا مضحکہ اڑا رہے تھے اور بعض اب بھی اس کے ساتھ نرمی برتنے کو تیار نہ تھے۔ اس وقت بایزید کے دل میں ان خطوط کا خیال ضرور آیا ہوگا جو اس نے گزشتہ سال تیمور کو لکھے تھے۔ غصے سے اس کا تن بدن پھنک رہا ہوگا مگر

خودداری نے غصہ پی جانے پر مجبور کر دیا ہوگا شاید اسی لئے وہ دسترخوان پر ایک لقمہ بھی نہ اٹھا سکا۔

کیا یہ تیمور کی طرف سے محض بے اعتنائی کا مظاہرہ تھا؟ ----- شاید بایزید کو اس کے شاہی لباس میں دیکھنا چاہتا ہو! کیا سچ مچ اس کا یہ خیال تھا کہ اس طرح وہ اپنے معزز قیدی کی عزت افزائی کر رہا ہے؟ یا یہ جشن اس کا مذاق اڑانے کے لئے منایا جارہا تھا؟ کون جانے حقیقت کیا تھی! جہاں تک بایزید کا تعلق ہے' معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسے یہ پروا ہی نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے۔ تاتاری مطرب فتح و نصرت کے شادیانے بجا رہے تھے مگر اس کے کانوں میں تو جنگی نقاروں کی آوازیں ہی گونج رہی ہوں گی۔

اس وقت بایزید کے بھاری بھرکم جسم پر شدید کرب کی وجہ سے رعشہ طاری تھا۔ تاہم وہ اپنے عصا کو مضبوطی سے تھامے رہا' مگر جب تاتاریوں نے بایزید کی خاص مطرباؤں کو محفل میں بلا کر ان سے ترکی زبان کے عشقیہ گیت سنانے کی فرمائش کی' جس کے بعد حسب دستور امیروں کو انہیں خراب کرنا تھا' تو بایزید کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اشارے سے کہا کہ دروازے تک پہنچایا جائے۔

اہل محفل نے اسے روکا نہیں۔ دو تاتاری افسر فوراً اٹھے اور اس کے بازو تھام کر جشن گاہ کے باہر تک پہنچا آئے۔ اس وقت بایزید کا سر' جس پر شاہی عمامہ بندھا تھا' اتنا جھک گیا تھا کہ اس کی ٹھوڑی سینے پر جا ٹکی تھی۔

بعد میں تیمور نے ڈیسپنا کو بایزید کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیج دیا کہ وہ اس کی چہیتی بیوی اسے واپس کر رہا ہے۔

یوں گزرا طوفان رعد و برق (یلدرم) - عیش و عشرت اور جنگ کی مصیبت سے اس کی صحت تباہ ہوگئی تھی' پھر اس کا غرور فتح مندی بھی پاش پاش ہو چکا تھا' چنانچہ چند مہینے بعد مر گیا۔

تیمور یورپ کے دروازے پر

ترکوں نے تاتاریوں سے پہلی ہی لڑائی میں اتنی زبردست شکست کھائی کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی چنانچہ پھر کہیں مقابلے پر نہ آئے۔ انقرہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بروصہ اور نیقیہ پر تاتاریوں نے ترکوں کا تعاقب کرتے میں قبضہ کرلیا۔ ترک شہزادے، پاشا اور فوجی افسر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے۔ ایشیائے کوچک میں، ساحل سمندر تک، ان کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے اور ماہی گیروں کی کشتیاں ہوئیں یا رئیسوں کی، جو بھی ہاتھ لگیں غول در غول ان میں بیٹھ کر جزیروں میں جا اترے۔ یونان اور جنوآ والوں کی کشتیوں نے بھی انہیں ایشیا سے بھاگ کر یورپ میں پناہ لینے میں مدد دی۔

اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکی کہ عیسائیوں نے اپنے سابق حکمرانوں کی مدد کیوں کی، جو ان کے خیال میں ان پر ظلم کرتے رہے تھے۔ ممکن ہے ترکوں نے ان کو بھر مٹھی معاوضہ دیا ہو یا یونانیوں نے اپنے قدیم شعار کے مطابق سب حکومتوں کو خوش رکھنے کی روش اختیار کی ہو۔ ان کے نمائندے تیمور سے بھی یہ عہد و پیمان کر چکے تھے کہ اگر وہ سلطان ترکی پر یورش کرکے یورپ میں گھسے گا تو وہ جہازوں اور سرمائے سے اس کی مدد کریں گے۔ مگر اب انہوں نے ترکوں کو فرار میں مدد دی اور تیمور کے لشکروں کو، جو ترکوں کے تعاقب کے لئے یورپ جانا چاہتے تھے، اپنی کشتیوں میں بٹھانے سے انکار کر دیا۔ ان کا یہ دوغلا پن تیمور کو بہت برا معلوم ہوا۔

ایک مہینے کے اندر اندر ایشیا میں ایک بھی ہتھیار بند ترک نہ رہا، مگر یورپ میں بھی کوئی تاتاری نہ پہنچا۔ سمرقند کے شہسوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے سمندر کے کنارے تک پہنچے اور وہاں سے انہوں نے قسطنطنیہ کے چمکتے ہوئے سنہری گنبدوں کا نظارہ کیا۔ ٹرائے کے کھنڈروں پر، جہاں ہیلن نے ایک بار دربار کیا تھا، اب تاتاری سرپٹ گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ کچھ دن بعد انہیں سمرنا کا پتہ چلا جہاں سینٹ یوحنا کے سرداروں کا قلعہ تھا۔ ان دنوں جاڑا تھا جس میں وہاں موسلادھار بارش ہوتی ہے مگر جب تیمور نے یہ سنا کہ سمرنا والے بایزید کے محاصرہ کر لینے کے باوجود چھ سال تک اس کا مقابلہ کر چکے ہیں اور تو اسی سخت موسم میں اسے دیکھنے پہنچ گیا۔

عیسائی سرداروں نے قلعہ اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا انہیں یقین تھا کہ اگر مرہ کیا جائے گا تو ناکام ہو جائے گا کیونکہ ان کا قلعہ ایک خلیج کے سرے پر بلندی پر واقع ہے۔ تیمور نے محاصرے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ پانی میں چوبی ستون کھڑے کرکے ان پر توں کے چبوترے بنوائے اور مہندس قلعے کی دیواروں کی بنیادیں کھودنے کے کام پر لگا کر ن کو حملوں سے بچانے کے لئے تختوں پر تیرانداز اور نار رومی پھینکنے والے بٹھا دیئے۔ اسی ے ساتھ خلیج کے تنگ دہانے کو، جو قلعے والوں کے سمندر میں جانے کا راستہ تھا، پتھروں کا بر لگواکر بند کروانا شروع کر دیا۔ اہل قلعہ دو ہی ہفتے میں گھبرا گئے اور سمندر تک پہنچنے کا استہ مسدود ہونے سے پہلے پہلے بچ نکلنے کے لئے کم و بیش تین ہزار سردار قلعے سے اتر کر تے بھڑتے جہازوں تک پہنچے اور ان میں بیٹھ کر فرار ہوگئے۔ جن بے چارے شہریوں نے ن کے ساتھ جانا چاہا انہیں تلواروں اور چپوؤں سے مار مار کر بھگا دیا اور خود جانیں بچا کر ا گئے۔

اگلے دن جزائر رہوڈز سے اہل سمرنا کی مدد کے لئے ایک بحری بیڑا پہنچا۔ جب اس کے از ساحل سے لگنے تو تاتاریوں نے، جو اب قلعے پر قابض تھے، ان کا خیرمقدم اس ہیبت ک طریقے سے کیا کہ ایک مقتول عیسائی کا سر ایک منجنیق میں رکھ کر قریب ترین جہاز میں ینکا۔ عیسائی بحری بیڑا فوراً دم دبا کر چلتا بنا۔ اور پھر تاتاری بھی سمرنا سے چلے آئے مگر اپنی گار کے طور پر دو کلہ مینار چھوڑ آئے۔

ترکوں کے ایشیائے کوچک خالی کرنے کے دوران میں قرا یوسف اور سلطان احمد کو بہت لاش کیا گیا مگر وہ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ حاکم بغداد نے مصر میں لوکوں کے دربار میں پناہ لی اور ترکمان خان نے صحرائے عرب کا رستہ لیا جو مصری دربار ے زیادہ محفوظ ثابت ہوا۔ مصر نے، جو اب تاتاری حملے کی زد پر تھا، فوراً اطاعت قبول لی، خراج دینے کا وعدہ کیا اور وہاں کی مسجدوں میں تیمور کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جانے ۔ بدنصیب سلطان احمد کو پابہ سلاسل کرکے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

یورپ کے بادشاہ بایزید کی شکست کے عظیم سانحے پر بے حد متجسس، متحیر اور کچھ کچھ لمئن نیز خوش بھی تھے مگر خوف و ہراس بھی محسوس کررہے تھے۔ یورپ کی دہلیز پر اس لاب عظیم نے انہیں حیران و ششدر کر دیا تھا۔ جس ملک پر ترک ایک صدی سے رانی کرتے آرہے تھے وہاں ایک تاتاری فاتح نے، جو مشرق کے ایک غیرمعروف قے سے اٹھا تھا، ترکوں کے شہنشاہ بایزید کا زور توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اب ایشیائے کوچک میں

نہ بایزید تھا نہ اس کی فوجیں۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری ششم نے تیمور کو برابر کے کھلاڑی کی طرح مبارکبادی کا خ
لکھا۔ فرانس کے عظیم شہنشاہ چارلس ششم کو بھی تاتاریوں کا وہ پیغام یاد آگیا جو سلطانیہ
اسقف یوحنا لے کر آیا تھا۔ اس نے فوراً اس اسقف کو طلب کرکے اس کے ہاتھ تیمور
خدمت میں تحائف اور خطوط روانہ کیئے۔

شہنشاہ قسطنطنیہ، جو یورپ میں در بدر پھر رہا تھا، خوش خوش اپنے شہر قسطنطنیہ لوٹ آ
جہاں سے اس نے تیمور کی خدمت میں اطاعت نامہ روانہ کیا اور خراج دینے کا وعدہ بھ
کیا۔ قیصروں کے اس خلف کو یورپی بادشاہوں میں سے کسی نے منہ نہ لگایا تھا مگر اب اسے
ان سے بڑا مربی مل گیا اور گولڈن ہارن کے اس طرف پیرا کے برجوں پر اہل جینوآ نے بھ
تیموری علم لہرا دیا۔

مگر تاتاری فاتح سے حقیقی تعلق قائم کرنے کا سہرا ہسپانویوں کے سر رہا۔ کچھ عرصے
پہلے قستالیہ کے بادشاہ ہنری سوم نے دو فوجی مبصر ترکوں کی فوجی طاقت اور منصوبوں
حال معلوم کرنے کے لئے ادھر بھیجے تھے۔ یہ دونوں سردار، جن کے نام پیلایوڈی سوٹومیر
اور فرنینڈ ڈی پیلازیلوس تھے، ایشیائے کوچک میں پھرتے پھراتے عین انقرہ کی لڑائی کے
موقع پر تیمور کے لشکر میں پہنچے اور انہوں نے یہ لڑائی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ تیمور نے
ان کو باریابی بخشی اور بایزید کی کنیزوں میں سے دو عیسائی لڑکیاں انہیں بطور تحفہ مرحمت
کیں۔ وقائع نگار نے لکھا ہے کہ ایک تو ہنگری کے نواب جان کی بیٹی انجیلینا تھی جو حسن
میں مشہور تھی، دوسری ایک یونانی لڑکی تھی۔ جب یہ دونوں ہسپانوی مبصر واپس گئے تو تیمو
نے اپنا ایک سفیر ان کے ساتھ کر دیا۔

جب یہ سفیر وہاں سے سمرقند واپس آنے لگا تو امیر تیمور کی ان عنایات کے بدلے م
ہنری نے اس 'تاتاری سردار' کے ہمرکاب' اپنے تین سفیر بھیجے جن کا سربراہ روئے د
گوانزالز کلاویہو تھا (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔)

یہ کلاویہو اپنے ساتھیوں اور تیمور کے سفیر کے ہمراہ مئی 1403ء میں سینٹ میری کی
بندرگاہ سے روانہ ہوا مگر جب قسطنطنیہ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ تاتاری جا چکے ہیں۔
اپنے بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں ان کے پیچھے ہو لیا اور ملک ملک پھرتا ہوا بالآخر سمرقند
گیا۔

تیمور نے یورپ میں داخل ہونے کی کوشش ہی نہیں کی۔ یہ صحیح ہے کہ آبنائے

ورس کا راستہ اس پر بند تھا مگر چاہتا تو بحیرۂ اسود کے شمال سے خشکی کے راستے بھی
نطنیہ پہنچ سکتا تھا۔ اصل میں اس کے دل میں یورپ میں داخل ہونے کا ولولہ ہی نہیں
، ادھر اس کے سپاہی بھی سمرقند واپس جانے کے لئے بے تاب تھے اور بایزید کے شہروں
کثیر دولت بھی ہاتھ آگئی جس میں اور چیزوں کے علاوہ، چاندی کے وہ دروازے، جن پر
ائی ولیوں پیٹر اور پال کی شکلیں بنی ہوئی تھیں اور بازنطینی کتب خانہ بھی تھا۔ (134)

اس کے بعد کچھ عرصے تک تیمور سیاسی امور میں الجھا رہا، اس کے علاوہ خراج کی
لی کا انتظام کیا، ترکوں کے صوبوں میں نئے صوبیدار مقرر کیئے اور مختلف ملکوں کی
رتوں کو باریابی بھی بخشی۔ (اس دوران میں بایزید کا انتقال ہوگیا) مگر انہیں دنوں اس کے
ن میں ایک نئی مہم کا نقشہ بھی رہا تھا۔

اور انہیں دنوں تیمور کو ایک ایسا صدمہ بھی پہنچا جس کا سان گمان تک نہ تھا۔ اسے
لاع ملی کہ شاہزادہ محمد مر رہا ہے۔ انقرہ کی لڑائی میں جو زخم آئے تھے وہ اس کی جان لے
رہے۔ تیمور پوتے کو دیکھنے کے لئے فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور بہترین طبیبوں کو شاہزادے
علاج پر مقرر کیا۔ مگر جب وہ محمد کے معسکر میں پہنچا تو شاہزادے کی زبان بند ہو چکی تھی
ر وہ اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا۔ تیمور نے فوراً کوچ کا نقارہ بجوایا تاکہ تمام
ر سمرقند واپس چلنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کے بیٹوں میں سے پہلے بڑا بیٹا جہانگیر اور
کے بعد عمر شیخ اسے داغ مفارقت دے چکے تھے۔ میراں شاہ نالائق نکل گیا تھا، شاہرخ،
اب جوانی کے دور سے گزر چکا تھا، جنگ و جدل کی طرف مائل نہ تھا، چنانچہ یہ پوتا،
ہزادہ محمد، جس پر اس کی دلیری اور بہادری کی وجہ سے فوج جان دیتی تھی، تیمور کا
ور نظر بن گیا تھا۔

نوجوان شاہزادے کی لاش، جس کا انتقال فتح کے موقع پر ہوا تھا، تطہیر کے بعد وہی لشکر
ند واپس لائے جنہیں مرحوم سمرقند سے لے کر گیا تھا۔ ان کے رنگین پرچم اب کالے
ڑوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ محمد کی ماں خانزادہ کے ماتم کا تو تیمور پر کچھ اثر نہ ہوا مگر
ب تبریز میں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے سامنے آئے تو اس فولادی انسان کے دل پر بھی
ٹ لگی اور وہ کئی دن تک محمد کے غم میں اتنا سوگوار رہا کہ اپنے خیمے سے باہر نہ نکلا۔

بڑھاپے میں انسان کو بیتے ہوئے دن اور واقعات یاد آیا کرتے ہیں اور وہ ان سے نتائج
لا کرتا ہے۔ تیمور اپنے ماضی پر نظر ڈالتا تو اسے محسوس ہوتا کہ اس سے بھی قوی تر کوئی
ت ان سب انسانوں کو، جو اس کا سہارا بن سکتے تھے، ایک ایک کرکے اس سے چھینتی

رہی ہے۔ وہ اولوالعزم امیر' جو شروع شروع کی فتوحات میں اس کی دست و بازو بنے رہے
تھے' اب قبروں میں سو رہے تھے۔ نیک سیرت سیف الدین اور جاں نثار جاکو برلاس پہلے ہی
مر چکے تھے' اب اس کے بڑے بیٹے کا جواں سال شیر دل بیٹا بھی چل بسا۔ امیر آق بوغا
بھی' جسے اس نے ہرات کا والی مقرر کیا تھا اور جس کے دو بیٹے فوج میں تھے' دنیا سے اٹھ
چکا تھا۔

اب ان کی جگہ اسے نورالدین اور شاہ ملک نظر آتے تھے جو لڑائی میں تو بڑے زبردست
سردار ثابت ہوتے تھے مگر مملکت کا نظم و نسق چلانے کے اہل نہ تھے۔ تیمور کبھی کسی امیر
کی لاش سمرقند لاتا تو علمائے دین تعزیت' فاتحہ خوانی اور دعائیں شروع کر دیتے۔ مگر اب
راتوں کو عجیب عجیب خواب دکھائی دینے لگے تھے جن سے اس کی نیند اڑ جاتی۔ اکثر وہ
خوانین خواب میں آتے جو پرانے وقتوں میں جرار لشکر لے کر صحرائے گوبی سے گزر کر ملک
خطا (چین) پر حملہ آور ہوئے تھے۔

ان دنوں بھی جب اس نے بغداد اور دیگر تباہ شدہ شہروں کی از سر نو تعمیر کے احکام
جاری کئے تھے۔ اس قسم کے تصورات اس کے ذہن میں موجود تھے مگر جب شاہرخ کو
خراسان اور مرحوم محمد کے بھائی کو ہندوستان کی حکومتیں دے چکا تو ہر وقت ہی صحرائے گوبی
کے بارے میں سوچنے لگا اور ان کہانیوں پر پہلے سے بھی زیادہ غور کرنے لگا جو جوانی میں شہر
سبز کے آس پاس ہرن کے شکار کے دوران میں سن رکھی تھیں۔

انہیں خوابوں سے اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ فوج لے کر صحرائے گوبی میں داخل ہو گا
اور دیوار چین سے گزر کر' جو ملک خطا کے تحفظ کے لئے تعمیر کی گئی ہے' دنیا کی اس آخری
طاقت کو زیر کرے گا جو کسی وقت اس کے مقابلے پر آسکتی ہے۔

مگر اس نے اپنے افسروں سے اس کا ذکر نہ کیا۔ موسم سرما کی وجہ سے تبریز کے لشکر کو
وہیں رہنے دیا اور خود بھی وہیں قیام کر کے وہ انتظامات بحال کئے جو لڑائیوں کی وجہ سے
درہم برہم ہو گئے تھے۔ سالہا سال کی جنگوں نے ملک کی حالت ابتر کر دی چنانچہ ضرورت
تھی کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔ مگر جونہی موسم بہار شروع ہوا اور زمین پر سبزہ اگنے لگا
تیمور اپنی فوج اور دربار سمیت سمرقند کی جانب روانہ ہو گیا۔

اگست کے مہینے میں وہ پھر اپنے شہر میں واپس پہنچ گیا اور باغ دلکشا میں قیام کیا' پھر
شاہی مسجد دیکھنے گیا جو نئی نئی بن کر تیار ہوئی تھی اور وہاں میر عمارت کو اندرونی غلام گردش
اور زیادہ فراخ نہ رکھنے پر سرزنش کی۔ جو وزراء اس کی عدم موجودگی میں امور سلطنت کے

دار رہے تھے ان کے کام کی بھی جانچ پڑتال کی' بعضوں کو پھانسی دی' بعضوں کو انعام
اکرام سے نوازا۔ جوش عمل سے اس کے بوڑھے جسم میں زندگی کی رو سی دوڑتی معلوم
ہوتی تھی۔ شہزادہ محمد کا سنگ مرمر کا نیا مقبرہ تعمیر کرانے کا منصوبہ بنایا' جس کا گنبد سنہری
رکھنا تھا۔ اس کی قوت ارادی کے تازیانے سے ایک نیا محل بھی وجود میں آگیا جس میں
ایک باغ بھی تھا۔ یہ محل سنگ موسیٰ اور سنگ مرمر کا تھا' اس میں آبنوس اور ہاتھی دانت
لگایا گیا تھا اور اس کی چھت چاندی کے ستونوں پر رکھی گئی تھیں۔

اب اس کی عمر اتنی محنت کرنے کی نہیں تھی مگر وہ بڑھاپے کا خیال کئے بغیر پہلے ہی کی
طرح کام کئے جا رہا تھا۔ گزشتہ دو سال سے اس کی بصارت گھٹتی جا رہی تھی۔ اس کے
پپوٹے گرے رہتے تھے جس سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سو رہا ہے۔ عمر ایک کم ستر کی ہو
گئی تھی اور اسے اس بات کا احساس بھی تھا کہ اب خاتمہ قریب ہے۔

"دو ماہ تک جشن ہوتا رہے۔" اس نے حکم دیا۔ "اور کوئی کسی سے نہ پوچھے کہ تم
نے یہ کام کیوں کیا!"

اس جشن میں شرکت کے لئے بیس ممالک کے سفیر سمرقند آئے۔ ان میں صحرائے گوبی
کے ان مغلوں کے گندمی رنگ کے سفیر بھی تھے جو خطا سے نکالے جا چکے تھے۔ تیمور ان
سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔

اس نے شاہ ہسپانیہ کے سفیر کلاویہو سے ملاقات کے لئے بھی وقت نکالا جو قسطنطنیہ
سے اس کے پیچھے پیچھے سمرقند پہنچا تھا۔

اس سفیر نے اس ملاقات کا حال یوں بیان کیا ہے:

"سفیروں (135) کے قیام کا انتظام جس باغ میں کیا گیا تھا وہاں سے وہ 8 ستمبر کو' پیر کے
دن' سمرقند روانہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو گھوڑوں سے اتر پڑے اور ایک محل کے باغ میں
داخل ہوئے۔ اب دو سردار ان کے پاس آئے اور کہا کہ وہ تحائف جو آپ اپنے ہمراہ
لائے ہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔ سفیروں نے تحائف ان کو دے دیئے۔ انہیں یہ تحائف
مؤدبانہ طریقے سے امیر کی خدمت میں پیش کرنے تھے۔ سلطان (136) کے سفیروں نے بھی
ایسا ہی کیا۔ اس باغ کا دروازہ بہت بلند اور فراخ تھا اور نہایت خوبصورت سنہری اور نیلے
ٹائلوں سے مزین تھا۔ دروازے پر بہت سے دربان کھڑے تھے جن کے ہاتھوں میں بلم تھے۔
آگے بڑھے تو چھ ہاتھی نظر آئے جن کی پیٹھوں پر لکڑی کے ہودے تھے اور ان ہودوں میں
آدمی بیٹھے تھے۔

اس کے بعد سفیروں کو بغلوں میں ہاتھ دے کر آگے لے جایا گیا۔ امیر تیمور نے اپنا جو سفیر قشتالیہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا وہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ تاتاری اسے دیکھ کر ہنستے تھے کیونکہ اس نے قشتالیہ والوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔

سفیروں کو ایک معمر سرواز کے سامنے پہنچایا گیا جو بغل کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا۔ وہ جھک کر اسے آداب بجا لائے۔ اس کے بعد انہیں چند چھوٹے چھوٹے لڑکوں کے سامنے لایا گیا۔ یہ امیر کے پوتے اور نواسے تھے۔ یہاں سفیروں سے وہ سفارشی خط طلب کیا گیا جو وہ بادشاہ قشتالیہ کی طرف سے امیر تیمور کے نام لائے تھے۔ انہوں نے یہ خط ان لڑکوں میں سے ایک کے حوالے کر دیا۔ اس نے خط اندر لے جاکر امیر کو دے دیا۔ امیر نے حکم دیا کہ سفیروں کو اندر بلایا جائے۔

وہ ایک خوشنما محل کے دروازے کے سامنے دالان میں ایک زرنگار ریشمی قالین پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا' اردگرد گول گول تکئے لگے ہوئے تھے' سامنے ایک فوارہ چھوٹ رہا تھا جس کا پانی بڑی اونچائی تک جارہا تھا اور حوض میں لال لال سیب تیر رہے تھے۔ وہ ریشمی چغہ پہنے ہوئے تھا۔ سر پر اونچی باڑھ کی سفید کلاہ تھی جس کے بالائی حصے میں ایک چوڑا سا یاقوت جڑا ہوا تھا اور اس یاقوت کے گرد جواہرات جڑے تھے۔

سفیروں نے جونہی امیر کو دیکھا تعظیما" جھک کر گھٹنے زمین پر ٹیک کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور پھر آگے بڑھ کر دوبارہ سہ بارہ تعظیم بجا لائے۔ ان کے گھٹنے اس دوران میں زمین ہی پر ٹکے رہے۔

امیر نے انہیں حکم دیا کہ کھڑے ہو جائیں اور آگے آئیں۔ جو سردار انہیں بغلوں میں ہاتھ دے کر یہاں تک لائے تھے اب انہوں نے سفیروں کو چھوڑ دیا تاکہ وہ آگے بڑھ سکیں۔ شہزادے' جو امیر کے پاس کھڑے تھے' اور ان میں نورالدین بھی تھا' سفیروں کے ہاتھ پکڑ کر انہیں امیر کے پاس لے گئے تاکہ وہ انہیں اچھی طرح دیکھ سکے کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی نظر کمزور ہوگئی تھی۔

امیر نے اپنا ہاتھ دست بوسی کے لئے آگے نہ بڑھایا۔ یہاں یہ رسم نہیں ہے البتہ اس نے شاہ قشتالیہ کی خیریت ان الفاظ میں دریافت کی: "میرے بیٹے بادشاہ قشتالیہ کا کیا حال ہے؟ اچھے تو ہیں؟" پھر ان سرداروں کی طرف مڑا جو اس کے گرد بیٹھے تھے' اور جن میں تاتار کے سابق شہنشاہ توقتمش کا بیٹا اور سابق شاہ سمرقند (137) کے خاندان کے کئی شاہزادے بھی تھے' اور ان سے کہا:

"دیکھو! یہ سفیر میرے بیٹے شاہ قشتالیہ نے بھیجے ہیں جو فرنگیوں کا سب سے بڑا بادشاہ ہے اور دنیا کے پرلے سرے پر رہتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے پوتے کے ہاتھ سے شاہ قشتالیہ کا خط لے لیا اور اسے کھولتے ہوئے کہا کہ یہ خط ابھی پڑھوا کر سنے گا۔ پھر سفیروں کو وہاں سے دائیں جانب کے ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ وہاں ان شاہزادوں نے' جنہوں نے ان کے بازو تھام رکھے تھے انہیں ملک خطا کے شہنشاہ کے سفیر سے نیچے بٹھایا۔

امیر نے یہ دیکھا تو حکم دیا کہ انہیں اس سے اوپر بٹھایا جائے اور کہا: "یہ شاہ قشتالیہ کے سفیر ہیں جو میرا بیٹا اور میرا بہی خواہ ہے' خطا کا بادشاہ تو چور اور بدمعاش ہے۔"

برف پوش دنیا

پیرا نہ سال فاتح نے ایک معسکر، ایک باغ اور ایک شہر، تینوں کو ملا کر اپنے تصور کے مطابق اپنی ایک جنت بنا لی تھی۔ اس جنت میں اس نے دو مہینے تک بڑے شاندار طریقے سے جشن منایا۔ ان دو مہینوں میں جب خزاں کا سورج پہاڑیوں کے نیلے نیلے ٹکروں کے پیچھے چھپتا ہوتا، اس وقت سمرقند اپنی آرائش اور رنگارنگ قمقموں کی وجہ سے جنات کا شہر معلوم ہوتا۔

کم از کم کلاویہو کو وہ ایسا ہی معلوم ہوا۔ اس نے کہیں صحنوں میں پھولوں اور پھلوں کے انبار لگے دیکھے، کہیں ایسے جگمگاتے ہوئے تخت رواں اور پالکیاں دیکھیں جن میں لعل و گہر جڑے ہوئے تھے۔ ان میں بیٹھی ہوئی لڑکیاں گانے گاتیں اور ان کے ساتھ نوجوان لڑکے بانسریوں کی تانیں اڑاتے ہوئے چلتے۔ اس جلوس میں شیر اور سنہری سینگوں کی بکریاں بھی ہوتیں جو اصل میں بکریاں نہیں بلکہ وہ حسین و جمیل لڑکیاں ہوتیں جنہیں سمرقند کے پوستین ساز اپنا کمال دکھانے کے لئے ان جانوروں کی کھالیں اس خوبی سے پہناتے کہ دیکھنے والوں کو شیر اور بکریاں نظر آتیں۔

کلاویہو نے سمرقند میں ایک محل ایسا دیکھا جو مسجد کے میناروں سے بھی اونچا تھا۔ مگر تھا صرف کپڑے کا۔ سمرقندی پارچہ بافوں اور خیمہ سازوں نے قرمزی کپڑے سے اتنا عالیشان محل تیار کرکے اپنا ہنر دکھایا تھا (138) اس نے وہاں ہاتھیوں کی لڑائی بھی دیکھی اور جو تاتاری شہزادے ہندوستان اور صحرائے گوبی سے سمرقند آتے انہیں امیر تیمور کی خدمت میں انواع و اقسام کے ایسے تحائف پیش کرتے بھی دیکھا جو نوادر کی شان رکھتے تھے۔ ان سب تفریحات اور تقریبات نے کلاویہو کو بہت متاثر کیا۔

وہ لکھتا ہے: "ان ہنگاموں کا پورا حال وہی بیان کر سکتا ہے جس نے انہیں چلتے میں رک رک کر پوری توجہ سے دیکھا ہو۔ اسی طرح ان نوادر کی تفصیل بھی وہی بتا سکتا ہے جس نے ایک ایک چیز کا بغور مشاہدہ کیا ہو۔

پھر اچانک سفیروں کو رخصت کردیا گیا اور جشن بھی ختم ہوگیا۔ تیمور نے شہزادوں اور امیروں کی مجلس مشاورت طلب کی اور ان سے کہا: "ہم نے پورا ایشیا فتح کر ڈالا ہے،

صرف ایک خطہ ایسا رہ گیا ہے جسے ابھی فتح کرنا باقی ہے۔ ہم نے ایسے ایسے طاقتور بادشاہوں کے تخت الٹے ہیں کہ ہماری فتوحات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ تم بہت سی جنگوں میں ہمارے ساتھ رہے ہو اور فتح و ظفر نے ہر موقع پر تمہارے قدم چومے ہیں۔ ہمارا اگلا شکار چین ہے اور اسے فتح کرنے کے لئے زیادہ طاقت کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ اب تم لوگ میرے ساتھ ادھر چلو گے۔"

تیمور کی اس ولولہ انگیز تقریر سے ظاہر تھا کہ وہ چین پر حملے کا تہیہ کر چکا ہے کیونکہ اس کی بھاری آواز میں عزم گونج رہا تھا۔ یہ اس کی آخری مہم ہوگی جس میں وہ اپنے آباؤاجداد کے مرز بوم نیز دیوار چین سے بھی آگے نکل جائے گا۔ اس کے جرنیلوں اور سپاہیوں نے ابھی تین ہی مہینے آرام کیا تھا مگر اپنے امیر کی یہ ولولہ انگیز تقریر سن کر علم بلند کئے جانے کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

سمرقند میں پہلے ہی سے جنگ آزماؤں کا جم غفیر تھا، اس لئے کسی مزید اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ دو لاکھ فوج مختلف جیشوں میں بٹ کر ان معسکروں کی طرف روانہ ہوئی جو چین جانے والی شاہراہ پر بنے ہوئے تھے۔ جاڑا شروع ہو چکا تھا۔ "بام دنیا" پر برفباری ہورہی تھی۔ اس کے رکنے اور برف پگھلنے کا انتظار کرنا چاہئے تھا مگر تیمور کہاں رکنے والا تھا۔ اس نے شہزادہ خلیل کو فوج کے میمنہ کے ساتھ شمال کی جانب روانہ کیا اور خود قلب کے ساتھ رہا، جس کی کمان شہزادہ محمد کیا کرتا تھا۔ تاتاریوں کے ساتھ بڑی بڑی گاڑیاں اتنی زیادہ تعداد میں تھیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ایک چوبی شہر حرکت میں ہے۔ ان گاڑیوں میں سامان رسد تھا کیونکہ راستے میں رسد فراہم ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ تیمور نے اسی لئے اس کا انتظام کیا تھا کہ سپاہ کے لئے رسد کی کوئی کمی نہ ہو۔

جب تاتاری فوج نے سمرقند کا دریا عبور کیا تو تیمور نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے پلٹ کر شہر کی طرف دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔ نگاہ کمزور ہو جانے کی وجہ سے سمرقند کے مینار اور گنبد اسے نظر نہ آئے۔

نومبر کا مہینہ تھا۔ کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ جب تاتاری اس درے میں سے گزرے، جس کا نام اس دن کے بعد بند امیر پڑ گیا، تو وہاں برف گرنی شروع ہوگئی اور پھر شمالی سطح مرتفع کی سرد ہواؤں نے میدانی فضا کو یخ کر دیا چنانچہ ژالہ باری کے طوفان سے ٹھٹھرتے ہوئے اپنے معسکر کے خیموں میں بند ہوگئے۔

جب وہ خیموں سے نکل کر دوبارہ روانہ ہوئے تو دنیا برف سے سفید ہو چکی تھی۔

ندیاں جمی ہوئی تھیں اور راستوں پر جا بجا برف کے تودے تھے سپاہی اور گھوڑے سردی سے مرنے لگے مگر تیمور نے واپس ہونے سے انکار کر دیا بلکہ شہر سنگ (120) کی اس سرائی قیام گاہ میں پناہ لینا بھی پسند نہ کیا جہاں شہزادہ خلیل نے اپنے سپاہیوں کو جاڑا ختم ہونے تک جھونپڑیوں میں ٹھیرا دیا تھا۔ اور یہ کہا کہ وہ تو شمالی سرحد کے قلعے اترار پہنچ کر ہی دم لے گا۔ جونہی راستہ صاف ہو خلیل بھی اترار پہنچ کر باقی فوج سے آملے۔

اس کے ساتھ کی فوج نے برف پر نمدے بچھائے اور برف کو کچل کچل کر اس پر گاڑیاں اور اونٹ گزارے جو یخ بستہ سفید سفید زمین پر رینگتی ہوئی ایک لمبی سیاہ لکیر کی طرح نظر آرہے تھے۔ دریائے سیر پر برف کی تین فٹ موٹی تہہ جمی ہوئی تھی، تیموری فوج اس کے اوپر سے گزر گئی۔

اب جاڑے نے زور باندھا۔ دن رات برف و باراں کے طوفان آنے لگے۔ برف پر ترچھے سورج کی پیلی پیلی دھوپ کی چمک سے آنکھیں چندھیا جاتیں۔

جب وہ سنہری غول سے لڑنے گئے تھے تو تیز رفتار سے بڑھتے چلے گئے تھے۔ مگر اب چونکہ ہر قدم پر راستہ بھی بنانا پڑتا اس لئے، اترار اور خطا کی شاہراہ کے رخ، دن بھر میں صرف چند میل آگے بڑھتے۔

تیمور علم سبج سبج چل کر پہاڑی علاقے میں داخل ہوئے اور تیرہ و تار گھاٹیوں سے گزر کر جو پہاڑی چوٹیوں کے کہر میں چھپے ہونے کی وجہ سے ان کے مقابلے میں بالکل ہی زمین میں دھنسی ہوئی دکھائی دیتی تھیں، لدے ہوئے حیوان کی طرح، آہستہ آہستہ راستہ ٹٹول ٹٹول کر بڑھتے ہوئے، دروں کو عبور کرکے شمالی میدان میں جا نکلے۔ سامنے جاڑوں کی پناہ گاہ اترار کی دیواریں تھیں۔

تیمور یہاں قیام کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ اس نے پڑاؤ ڈال لیا اور یہ منصوبہ بتایا کہ گرمیاں شروع ہوتے ہی روانہ ہو جائے گا۔

اس کے حکم کے مطابق ماہ مارچ 1405ء میں فوج پھر حرکت میں آگئی۔ علم بلند کر لئے گئے، نقارے پر چوٹ پڑی، رجمنٹیں معائینے کے لئے صف بستہ ہوگئیں۔ لشکروں کے سالاروں نے امیر کو شاہانہ سلامی دینے کے لئے اپنے اپنے نقارچیوں کو جمع کیا۔ نفیریاں بجنے لگیں اور نقارے پٹنے لگے جن کی آواز گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدائے بازگشت معلوم ہو رہی تھی۔

مگر یہ سلامی مردے کو دی جا رہی تھی!

"تیمور کا تو اترار ہی میں انتقال ہو چکا تھا! (139) اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے فوج نے شمال کو جانے والی شاہراہ پر کوچ شروع کر دیا۔ تیمور کے سفید گھوڑے پر زین کسی ہوئی اور وہ تیمور علم کے نیچے اپنی جگہ پر کھڑا تھا مگر اس پر کوئی سوار نہ تھا۔"

وقائع نگار نے تیمور کے آخری لمحات کی ایک جھلک دکھائی ہے۔ وہ لکھتا ہے: "حصار کی چوبی دیواروں کے باہر امیر، سردار اور ہر درجے کے افسر برف میں کھڑے تھے۔ دیوان میں بوڑھی ملکہ سرائے خانم اپنی خواصوں سمیت بیٹھی تھی جو تیمور کی علالت کی خبر سن کر سمرقند سے اترار پہنچ گئی تھی۔"

تیمور کے کمرے کے باہر باریش امام اور علماء کھڑے تلاوت کر رہے تھے۔ ہفتوں سے اسی طرح قرآن شریف کی آیتیں پڑھ پڑھ کر اس کے صحت یاب ہونے کی دعائیں مانگی جارہی تھیں مگر یہ دعائیں قبول ہونی تھیں نہ ہوئیں۔ ملک الاطبا مولانا تبریز کہہ چکے تھے کہ اب کوئی چارہ نہیں۔ وقت قریب آپہنچا ہے۔

تیمور کا جھریوں سے بھرا ہوا چہرہ دھوئے کپڑے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔ برف سے سفید بالوں کے جھنڈ تکئے پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بستر پر دراز تھا۔ نزع کا عالم طاری تھا، مگر اس وقت بھی امیروں کو ہدایتیں کر رہا تھا۔ "اپنی تلواریں سنبھالے رہنا۔ آپس میں اتفاق رکھنا، نفاق سے تباہی آتی ہے۔ خطا کی مہم ترک نہ کر دینا۔"

اس کے سرہانے انگیٹھیاں دہک رہی تھیں۔ اس کی آواز اب اتنی نحیف ہوگئی تھی کہ کان اس کے ہونٹوں سے لگائے بغیر اس کی بات نہ سنی جا سکتی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: "میرے مرنے کے بعد پاگلوں کی طرح کپڑے پھاڑ کر ادھر ادھر بھاگنا نہ شروع کر دینا۔ اس سے بدنظمی پھیل جائے گی۔"

"پھر نورالدین اور شاہ ملک کو پاس بلایا اور آواز ذرا اونچی کرکے کہا۔ میں جہانگیر کے پسر پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ اسے سمرقند میں رہنا چاہئے اور فوجی و انتظامی معاملات پر مکمل اختیار حاصل ہونا چاہئے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی زندگیاں اس کی خدمت کے لئے وقف کر دینا اور اس کی ہر ممکن امداد کرتے رہنا۔ سمرقند کی طرح مملکت کے دور دراز صوبے بھی اسی کے ماتحت ہونے چاہئیں۔ اگر تم نے اس کی پوری مطابقت نہ کی تو تخت و تاج کے لئے کشمکش شروع ہو جائے گی۔"

"تمام بڑے بڑے امیروں نے تیمور کی اس وصیت پر عمل کرنے کی قسم کھائی مگر انہوں نے یہ درخواست بھی کی کہ تیمور اپنے پوتوں کو بھی بلا لے تاکہ وہ بھی اس کی وصیت اپنے

کانوں سے سن لیں۔"

اسے تذبذب اور تاخیر پر جس طرح ہمیشہ طیش آجایا کرتا تھا اسی طرح اب بھی بیزاری سے کہا: "نہیں - یہ آخری دربار ہے۔ خدا کو یونہی منظور ہے۔"

"پھر تھوڑی دیر بعد بولا' اس طرح جیسے خود سے کہہ رہا ہو۔ اب اس کے سوا اور کوئی تمنا نہیں کہ شاہرخ کی صورت ایک بار پھر دیکھ لیتا۔ مگر یہ ناممکن ہے۔"

"پوری زندگی میں شاید پہلی بار یہ لفظ اس کی زبان پر آیا۔ فولادی ارادے کا وہ انسان جس نے تمام زندگی مشکلات کے پہاڑ چیر چیر کر راستہ بنایا تھا اپنے انجام کے بارے میں حرف شکایت زبان پر نہ لاسکا!"

بعض امیر آنسو نہ روک سکے۔ عورتوں کی طرف سے بھی رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ملا مولوی کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے کمرے کے اندر داخل ہوئے۔

تیمور کی جدوجہد کا مال

وہ ہاتھ جس نے چھوٹے چھوٹے علاقوں کو جوڑ کر اتنی بڑی بادشاہت بنا لی تھی' اب کچھ نہ کر سکتا تھا' وہ عزم جس نے سمرقند جیسا شاہی شہر آباد کر لیا تھا اب تاتاریوں کو مزید فتوحات پر نہ اکسا سکتا تھا۔

امیر تیمور کے مرجانے سے تاتاری ایک اپنا شہنشاہ ہی نہیں اور سب کچھ بھی کھو بیٹھے انہیں ایک بے پناہ قوت اسی نے بنایا تھا' ہر معاملے میں وہی ان کی رہنمائی کرتا رہا تھا' مملکت کی باگ ڈور تنہا اسی کے ہاتھوں میں رہی تھی۔ اسی کی قیادت میں وہ آدھی دنیا کے مالک بنے تھے' ان میں سے بیشتر انہیں لوگوں کے بیٹے پوتے تھے جنہوں نے تیمور کی خدمت کرتے زندگیاں گزاری تھیں اور ہر مہم میں اس کے دست و بازو بنے تھے' پچاس سال تک ان کے ذہنوں پر تیمور اور صرف تیمور کے عزائم چھائے رہے تھے اور انہوں نے وہی کیا تھا جو اس نے کرانا چاہا تھا۔

پھر تاتاری سلطنت کے دارالحکومت میں تاتاریوں کے علاوہ اور نسلوں کے لوگ بھی آباد کئے گئے تھے جیسے مغل' ترک' ایرانی' افغانی اور شامی۔ اور ابھی تک یہ سب گھل مل کر ایک قوم نہ بنے تھے۔ یہ نئی قوم تیمور ہی تیار کر سکتا تھا۔ اس کے مرجانے سے یہ کام بھی ادھورا رہ گیا۔

فوج اور اہل سمرقند کو تیمور کی موت کا اتنا زیادہ غم اور اس کے احکام کا اتنا زیادہ احترام ملحوظ تھا کہ اس وقت ان پر عملدرآمد کرنے کے سوا انہیں اور کچھ سوجھ ہی نہ رہا تھا۔ اگر تیمور کا جانشین پیر محمد ہندوستان میں ہونے کی وجہ سے سمرقند سے اتنی دور نہ ہوتا کہ اسے اطلاع دینے اور اس کے وطن پہنچنے میں مہینوں لگ گئے ------ اترار سے قاصد کا ہندوستان جانا اور ہندوستان سے پیر محمد کا سمرقند آنا کالے کوسوں کا سفر تھا ------ ' اگر تیمور کا قابل ترین فرزند شاہرخ خراسان میں اپنی علیحدہ حکومت بنانے میں ہمہ تن مصروف نہ ہوتا اور اگر امیر اپنے آقا کے حکم پر آنکھیں بند کرکے عمل کرتے ہوئے چین کی جانب کوچ جاری رکھنے پر بضد نہ ہوتے' تو شاید تیمور کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوتی۔

مگر حکومت کی جو باگیں تیمور کے ہاتھ سے چھوٹی تھیں انہیں سنبھالے رہنا اور کسی کے

بس کی بات نہ تھی۔ جو امیر اترار میں موجود تھے انہوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ سلطنت کا شیرازہ نہ بکھرے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ تیمور کی موت کی خبر عام نہ کی جائے اور اس کے کسی پوتے کی فوج کا کماندار بنا کر چین کی طرف پیش قدمی جاری رکھی جائے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر ان کی فوج دیوار چین تک جا پہنچے گی تو چینی یہی سمجھیں گے کہ تیمور ہی فوج لے کر آیا ہے۔ تیموری امیر سمجھتے تھے کہ ہم چین فتح کرسکتے ہیں۔

مرحوم فاتح کی لاش شاہرخ کے بڑے بیٹے الغ بیگ کی سپردگی میں اس مقام پر بھیج دی گئی جہاں تیمور کی دونوں بیگمات اس کی منتظر تھیں۔ پیر محمد کی طرف بڑی عجلت سے قاصد روانہ کئے گئے۔ دور کے صوبوں کے والیوں اور شہزادوں کو بھی اطلاع دینا ضروری تھا' چنانچہ ان کی طرف بھی قاصد دوڑائے گئے۔

مگر دفعتاً" فوج کو کوچ روکنا پڑ گیا کیونکہ اسے یہ اطلاع ملی کہ میمنہ کے امیروں نے میراں شاہ کے بیٹے خلیل کی وفاداری کا حلف اٹھا کر اسے سمرقند کے تخت پر بٹھانے کا فیصلہ کرلیا ہے' اور عین اسی وقت میسرہ کا کماندار اپنی فوجوں کو منتشر کرکے سمرقند روانہ ہوگیا۔

بڑے بڑے امیروں' نورالدین اور اس کے ساتھیوں نے' موقع نازک دیکھ کر' ایک بار پھر آپس میں مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ اب جب کہ مرکزی حکومت میں انتشار پیدا ہوچکا ہے چین کی مہم جاری رکھنا بے سود ہے۔ وہ پلٹ کر تیز رفتار سے سمرقند کی طرف روانہ ہوئے اور دریائے سیر پر جنازے کے ساتھ مل گئے۔

مگر جب وہ سمرقند پہنچے تو شہر کے دروازے اپنے پر بند پائے۔ (150) ان کے ساتھ تیمور کا تابوت' ملکہ سرائے خانم اور تیموری طبل و علم تھے۔ مگر حاکم شہر نے' جو خلیل کی وفاداری کا حلف اٹھا چکا تھا' دروازے کھولنے سے انکار کرتے ہوئے امیروں کو لکھا کہ پیر محمد کے ہندوستان سے سمرقند پہنچنے تک کسی نہ کسی کو تخت پر بٹھانا ضروری ہے۔

مگر جو شخص سمرقند پہنچا وہ نوجوان خلیل تھا' جو شادی ملک کے عشق میں رسوا ہوچکا تھا۔ اس کی ماں خانزادہ بہت پہلے سے اسے تخت پر بٹھانے کے لئے جوڑ توڑ کر رہی تھی اور اس کے اثر و رسوخ کی وجہ سے امیروں کی بڑی تعداد خلیل کے ساتھ مل گئی تھی۔ سمرقند کے باشندے الجھن میں پڑ گئے۔ تیمور ملک کے باہر فوت ہوا تھا' انہوں نے اس کے احکام اپنے کانوں سے نہ سنے تھے۔ ادھر خلیل تخت پر بیٹھ چکا تھا اور اسے شہنشاہ تسلیم بھی کرلیا گیا تھا۔

آزمودہ کار نورالدین نے نئے دربار کو (ہرات سے) یہ خط لکھا تھا جس کے ایک ایک لفظ میں تلخی ہے:

"ہمارے دل اس کی موت کے صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں جو دنیا کے طاقتور ترین شہنشاہوں میں سے تھا اور جس کی ذات اس جہان کی روح رواں تھی۔ کتنے قلق کی بات ہے کہ اس کی آنکھ بند ہوتے ہی وہ جاہل نوجوان' جنہیں اس نے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ مدارج پر پہنچایا' اس سے باغی ہوگئے ہیں۔ انہوں نے مرحوم کے احسانات فراموش کر دیئے ہیں' وہ اس کے احکام کو پس پشت ڈال رہے ہیں اور اس کے وفادار رہنے کی جو قسمیں کھا چکے ہیں ان سے پھر گئے ہیں۔ اس المناک صورت حال پر ہمارے دل جس طرح خون ہو رہے ہیں اسے ہم کس طرح چھپا سکتے ہیں۔ جس شہنشاہ نے ایک جہان کے بادشاہوں کو اپنے در کا دربان بنا دیا اور صحیح معنوں میں فاتح عالم کا لقب پایا اس کے آنکھ بند کرتے ہی اس کی وصیت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ غلام اپنے محسن اور آقا کے دشمن بن گئے ہیں ان کے ایمانوں کو کیا ہوگیا ہے۔ اگر پتھروں کے پاس دل ہوتے تو وہ بھی اس سانحے پر ماتم کرتے! ایسے محسن کش بدبختوں پر آسمان پر پتھر کیوں نہیں برستے۔"

"جہاں تک ہمارا تعلق ہے انشاء اللہ ہم اپنے امیر کی وصیت کو ہرگز نہ بھولیں گے' اس پر عملدرآمد کرکے رہیں گے اور اس کے حکم کے مطابق اس کے پوتوں کی اطاعت و فرماں برداری سے منہ نہ موڑیں گے۔"

ان امیروں نے ایک بار پھر مشورہ کیا اور پھر اس بارہ درمی میں پہنچ کر' جہاں تیموری علم گڑا ہوا تھا' تیمور کا نقارہ تڑوا دیا۔ انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ جو نقارہ اتنی مرتبہ تیمور کی فتح کی خبر دینے کے لئے گرج چکا ہے اس پر کسی اور کے اعزاز میں چوٹ پڑے۔

خلیل نے تخت پر بیٹھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ شادی ملک سے بیاہ رچایا' گویا جس کنیز پر فریفتہ چلا آرہا تھا اسے تیموری سلطنت کی ملکہ بنا دیا۔ اب یہ نوجوان بادشاہ تو بن گیا مگر ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے حکمرانی کے طریقوں سے نابلد تھا۔ اسے ایک تو بے اندازہ دولت کا نشہ ہوگیا' دوسرے اپنی ملکہ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رات دن جشن منانے لگا۔' اپنی محبوبہ کی شان میں قصیدے لکھنے شروع کر دیئے اور نااہلوں پر خزانے کا منہ کھول دیا۔ اس اسراف بے جا اور شان و شوکت کی وجہ سے رعایا عارضی طور پر اس کے گن گانے لگی اور اس کا دم بھرنے والے بھی بہت سے پیدا ہوئے۔ اس نے تجربہ کار امرا کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا اور اپنی پسند کے ایسے لوگ اپنے گرد جمع کر لئے

جن میں ایرانی' خوشامدی اور خبر نہیں کیسے کیسے افراد شامل تھے' اور شادی ملک تو ہر وقت پیرا نہ سال ملکہ سرائے خانم کو ذلیل کرنے کی تدبیریں ہی سوچتی رہتی تھی حالانکہ اسی خاتون نے اسے قتل ہونے سے بچایا تھا۔ سمرقند کے باغوں میں بڑی دھوم دھام سے راگ رنگ کی تقریبات ہوتی رہتیں۔ ہیرے جواہرات یہ کہہ کر زمین پر بکھیر دیئے جاتے کہ جو پالے وہی لے لے اور فواروں میں سے پانی کے بجائے شراب گرتی تھی۔ خلیل نشہ اقتدار میں مست تھا اور شادی ملک تاتاریوں سے انتقام لے رہی تھی۔ ان دونوں کی لغو حرکتوں سے آخرکار خانہ جنگی شروع ہوگئی۔

کچھ دن بعد پیر محمد ہندوستان سے سمرقند پہنچ گیا مگر اس نے خلیل کی فوج سے شکست کھائی۔ اب حالات بڑی تیزی سے بدلنے شروع ہوئے۔ بڑے امیروں نے سمرقند پر حملہ کیا۔ فوج کا ایک حصہ ان کے ساتھ تھا' انہوں نے نئے شہنشاہ کو شکست دے کر قید کر دیا اور شادی ملک کو سرعام رسوا کیا۔

مگر تیمور کی سلطنت تیمور کے ساتھ ختم ہوگئی تھی' اب اس کے برقرار رہنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

شاہرخ اس وقت تک بے پروائی برتتا رہا تھا مگر جب افراتفری بڑھی اور حالات سنگین ہونے لگے تو وہ حرکت میں آیا اور خراسان سے ماوراء النہر کی طرف بڑھ کر سمرقند پر قابض ہوگیا۔

اس کے بعد ماوراء النہر آئندہ اسی کے پاس رہا اور اس نے سمرقند' جس کی دولت لٹ چکی تھی' اپنے بیٹے الغ خاں کے حوالے کر دیا۔ ان دونوں کی کوششوں سے تیموری سلطنت ہندوستان سے عراق تک کے علاقے میں برقرار رہی۔

یہ دونوں بادشاہ امن پسند' علم دوست اور ہنرنواز تھے اور انہوں نے تیمور کی طبیعت کا وہ رخ ورثے میں پایا تھا کہ جب برباد کر چکتا تھا تو پھر تعمیر شروع کر دیتا تھا۔ جنگ سے بچتے رہتے تھے مگر ان آزمودہ کار جرنیلوں کی مدد سے' جو ان کے درباروں میں جمع ہوگئے تھے' اپنے دفاع کے انتظامات بھی کررکھتے تھے۔ ان دنوں ہر طرف تباہی و بربادی کا دور دورہ تھا مگر ان کے شہر انسانوں کے لئے امن و سکون اور سلامتی کے مسکن تھے۔

شاہرخ اور الغ بیگ کے زمانے میں ایک بار پھر خوشحالی کا دور شروع ہوا۔ سمرقند کے ریگستان میں نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں اور ایرانی معماروں' فن کاروں اور شاعروں کی خوب سرپرستی کی گئی۔ اگر شاہرخ اس خاندان کا آگسٹس تھا تو الغ بیگ مارکس آریلیس تھا۔ الغ

بیگ خود بھی ایک فخر روزگار منجم' جغرافیہ داں اور شاعر تھا۔ سمرقند کی مشہور و معروف رصدگاہ اسی نے تعمیر کی تھی۔ اور وہ علوم طبیعی کی ترقی میں بھی ہمہ تن مصروف رہتا تھا۔ یہ دونوں بادشاہ "تیموری" کہلاتے ہیں اور شاید چین کے ہمعصر منگ خاندان کے بادشاہوں کو چھوڑ کر اپنے دور کے سب سے زیادہ روشن خیال حکمراں تھے۔

ان کی تعمیری صلاحیت سے تیمور کے آدھے عزائم کی تکمیل ہوگئی کیونکہ ان کے زمانے میں سمرقند سچ مچ 'ایشیا کا روما' بن گیا مگر اب وہ باقی دنیا سے کٹ گیا تھا۔ تیمور کی موت کے بعد جو خانہ جنگی ہوئی تھی اس کی وجہ سے بین براعظمی تجارتی شاہراہیں بند ہوگئی تھیں۔ 1405ء سے لے کر اس زمانے تک جب پہلے پرتگالیوں اور ان کے بعد انگریزوں نے سمندری تجارتی راستے نکالے' ایشیا کا بیشتر حصہ یورپ سے منقطع رہا۔ اس زمانے میں کسی مارکو پولو کا سمرقند کی طرف گزر نہ ہوا اور یہ تبت کے دارالحکومت لاسا کی طرح دنیا سے الگ تھلگ اور غیرملکیوں کے لئے اسی کی مانند شہر ممنوعہ بنا رہا۔ پھر کہیں انیسویں صدی کے وسط میں روسی فوج کے قدم وہاں تک پہنچے اور سائنس داں بھی جوق در جوق سمرقند گئے' جنہیں اس بازنطینی کتب خانے کی تلاش تھی جو تیمور بروصہ سے سمرقند لے گیا تھا' مگر یہ جستجو بیکار رہی۔

امتداد زمانہ' کہرے' شدید گرمی اور زلزلوں نے ریگستان اور بی بی خانم کے مقبرے کی عالیشان عمارتوں کو کھنڈر کر دیا تھا۔ جن دیواروں کو تیمور نے پائیدار سمجھا تھا وہ سال بسال گرتی چلی جارہی تھیں۔ لارڈ کرزن نے "ریگستان" کو دنیا کا سب سے عالیشان میدان بتایا ہے مگر اب بہت کم سیاح اور سیلانی اس میدان کو دیکھنے جاتے ہیں تاہم سمرقند کے کھنڈروں میں محض ان کے قدیم ہونے کیوجہ سے بھی ایک ابدی حسن ہے۔

تاتاریوں کے اس شاندار عہد کے علمی و ادبی شہہ پاروں کا ابھی تک اور زبانوں میں ترجمہ نہیں ہوا ہے اس لئے دنیا اس کی عظمت سے پوری طرح واقف نہیں ہے لیکن شاہرخ اور الغ خاں کے پوتوں پڑپوتوں نے ساری دنیا سے اپنی عظمت تسلیم کرالی۔ وہ سمرقند سے نکل کر ہندوستان پہنچے اور وہاں اس خاندان کا آغاز کیا جو تاریخ میں خاندان مغلیہ کے نام سے مشہور ہے اور جس کے بادشاہوں کو یورپ نے "مغل اعظم" کا باعظمت خطاب دیا ہے۔

چنگیز کی فتوحات کی طرح تیمور کی مغربی مہم نے بھی اس وقت کی دنیا کا سیاسی نقشہ بدل دیا جس سے یورپ کی قسمت پلٹ گئی۔

اس نے یورپ اور ایشیا کے درمیان وہ تجارتی شاہراہیں پھر کھول دیں جو سو سال سے بند تھیں۔ اس نے ایشیا میں امن قائم کیا جس سے تبریز' جو یورپی تاجروں کو پاس پڑتا تھا' ایشیا میں ان کا پہلا تجارتی اڈا بن گیا۔ پہلے بغداد ان کی اولین تجارتی چوکی تھی مگر وہ انہیں دور پڑتا تھا۔ تیمور کی موت کے بعد بدامنی کی وجہ سے تبریز کی عظیم تجارتی شاہراہ پھر بند ہوگئی۔ اسی سے یورپ کو ایشیا تک پہنچنے کے دیگر تجارتی راستے ڈھونڈنے کا خیال پیدا ہوا۔ جن وجوہ سے کولمبس اور واسکو ڈی گاما سمندر سے ایشیا تک پہنچنے کا راستہ ڈھونڈنے نکلے ان میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی۔

تیمور نے سنہری غول کو غارت کر دیا۔ اس سے روسی آزادی حاصل کرنے کے قابل ہوئے۔ ایران میں تیمور کے حملے سے آل مظفر کا خاتمہ ہوگیا اور اس کے دوصدی بعد شاہ عباس کے ماتحت ایران بجائے خود ایک بڑی سلطنت بن گیا۔ عثمانی ترکوں کا زور تیمور سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اور وہ منتشر ہوگئے۔ مشرقی یورپ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر آزادی حاصل کر سکتا تھا۔ مگر وہ اس قدر بودا نکلا کہ کچھ بھی نہ بنا سکا۔ ادھر ترکوں نے جلد ہی اپنی قوت بحال کرلی اور 1453ء میں قسطنطنیہ فتح کر ڈالا۔

باقی سلاطین میں سے' جنہیں تیمور نے شکست دی تھی' سلطان مصر نے عہد وفاداری بہت جلد بھلا دیا اور اس عجیب جوڑے' قرا یوسف اور سلطان احمد نے بھی بہت جلد عراق واپس پہنچ کر پھر فتنہ و فساد شروع کر دیا۔

فوج کے کچھ مغل اور تاتاری عنصر نورالدین اور دیگر امیروں کی سرکردگی میں شمالی سطح مرتفع اور سرحدی قلعوں کی طرف چلے گئے جہاں آج بھی ان کی اولاد ----- کرغیز اور قلماق ----- تیمور کے تعمیر کئے ہوئے قلعوں اور برجوں کے آس پاس گھوڑے اور بھیڑیں چراتی پھرتی ہے۔ یوں' تیمور کے مرجانے سے توران کے خود پوش لوگ جنوب کے متمدن عمامہ پوش ایرانیوں سے جدا ہوگئے۔

جہاں تک علماء کا تعلق ہے تیمور کی موت کے بعد ان کا عالمی خلافت کا خیال خواب ہوگیا۔ انہیں یہ امید تھی کہ تاتاری فتوحات سے ان کو اقتدار حاصل ہوگا مگر انہیں معلوم ہوا کہ تیموری جنگوں نے مسلمانوں کی یکجہتی کے امکانات کو پاش پاش کر ڈالا ہے۔ تیمور منصوبے بناتے وقت علما سے مشورہ نہیں لیتا تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ ان کے مشوروں کی پروا بھی نہ کرتا تھا۔

ایران کی شیعہ سلطنت عثمانیوں سے ہمیشہ آمادہ جنگ رہتی تھی۔ تیمور کی اولاد' یعنی

ہندوستان کے مغل' تیمور کی طرح برائے نام ہی مسلمان تھی۔ البتہ مغل بادشاہ اور مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری سے پیش آتے تھے۔ خلیفہ قاہرہ جو بغداد میں ضیافتوں میں مصروف رہتا تھا' خلفائے بغداد کے ہیولے سے زیادہ نہ تھا۔

تیمور کے بعد اب تک کسی اور انسان نے دنیا پر غلبے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی فتوحات سکندر کے کارناموں کے ہم پایہ ہیں۔ اسکندر خسرو کے بعد ہوا' تیمور چنگیز خان کے بعد آیا۔ وہ دنیا کا آخری فاتح تھا۔ آئندہ کوئی انسان تلوار کے زور سے اتنی طاقت کہاں حاصل کرسکے گا!

ایشیا میں کسی سے بھی پوچھو یہی جواب دے گا کہ دنیا کو تین آدمیوں نے فتح کیا۔ ایک اسکندر اعظم' دوسرا چنگیز خاں اور تیسرا امیر تیمور۔ (141)

جو سیاح سمرقند پہنچے ہیں انہیں حصار کے قریب' درختوں کے ایک جھنڈ کے عین اوپر ایک بہت بڑا گنبد نظر آتا ہے' جس پر کہیں کہیں اب بھی فیروزی رنگ کی کاشی کاری موجود ہے جو سورج کی شعاعوں سے چمک اٹھتی ہے۔ دیواروں کی اینٹوں میں روسی سپاہیوں کے نشان ہیں۔ ایک محراب کے سوا باقی سب محرابیں ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں۔

رواق میں تین معمر ملا ایک چٹائی پر بیٹھے ملتے ہیں۔ اگر سیاح چاہے تو ان میں سے ایک اٹھ کر شمع جلا کر اسے اندر کے کمرے میں لے جائے گا جہاں مرمریں جالی دار روشن دانوں سے ملگجی سی دھوپ اندر آرہی ہوگی۔ سنگی جالیوں کے اندر دو قبروں کے تعویذ ہیں۔ ایک سفید دوسرا سبزی مائل سیاہ۔ سفید تعویذ کی قبر ایک عالم دین میرسید کی ہے جو تیمور کے دوست تھے۔ ملا بتائے گا کہ سیاہ پتھر سنگ یشب ہے جو ایک مغل شہزادی نے بھیجا تھا۔ اسی کے نیچے تیمور دفن ہے۔

اگر سیاح اس ملا سے' جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس اور سفید عمامہ باندھے ہوتا ہے' یہ پوچھے کہ تیمور کون تھا تو وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہے گا' اس اثنا میں اس کی پتلی پتلی انگلیوں میں تھمے ہوئے چراغ کی لو لرزتی رہے گی پھر غالباً جواب میں یہ کہے گا کہ "میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ "ترا" تھا یا نہیں کیونکہ وہ میری بلکہ میرے باپ کی پیدائش سے بھی بہت پہلے ہوگزرا ہے' یہ قرنوں پہلے کی بات ہے' مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ وہ امیر تھا۔"

حصہ چہارم

حواشی

-1 لفظ تیمور کے معنی: ہیں فولاد۔ جب تک تیمور سیستان کی لڑائی میں پاؤں میں تیر لگنے کی وجہ سے لنگڑا نہیں ہوا تھا اس وقت تک تیمور ہی کہلاتا تھا مگر اس کے بعد جو لوگ اس کی تحقیر کرنی چاہتے وہ اسے تیمور لنگ یا تمرلنگ کہتے، جو "تیمور لنگ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مغربی اہل قلم اور مورخ اسے ٹیمرلین یا ٹمرلین لکھتے آئے ہیں۔

-2 1310ء میں اطالیہ کی ایک ریاست وینس میں بغاوت ہوئی تو وہاں کی مجلس عظمیٰ نے اپنے ارکان میں سے دس آدمی منتخب کر کے ایک مجلس بنا دی جس کا کام رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرنا تھا۔ دیکھیے۔

The end of the Middle Ages, by Longe صفحہ 39-

-3 کولادی ریئنزی: اطالیہ کا ایک عظیم سیاسی مصلح (1313-1354ء) جس نے 20- مئی 1347ء کو اطالوی دارالحکومت پر دھاوا بولا اور وہاں اپنے قوانین نافذ کئے جو رعایا کی بہبودی کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ دیکھئے۔

The end of The Middle Ages, صفحات 156، 161-

-4 چارلز ششم کے عہد حکومت میں فرانس میں ایک مرتبہ پیرس کے قصاب رعایا کے قائد بن گئے تھے اور انہوں نے دو برس تک حکومت کی تھی۔

-5 پورا نام روئے دے گوانزلز کلاویہو (Ruy De Gonzales Clavijo) ہے۔ کافی عرصے سمرقند میں مقیم رہا اور امیر تیمور اور اس کی مملکت کے بارے میں وسیع معلومات فراہم کر کے اسپینی زبان میں ایک تذکرہ

Memoires sur Tamerlane et sa cour Par un Dominicanican en 1403-1406

لکھا۔ 1859ء میں چارلز مارخم (Charles Markham) نے اس کا انگریزی ترجمہ لندن سے

شائع کیا۔ 1928ء میں لی اسٹرینج نے دوبارہ ترجمہ کر کے لندن سے اس نام سے شائع کیا:

Narrative of the Spanish Embassy to the court of Timur at Smarkand in the year 1403-1406

-6 ظفر نامے کی جلد دوم میں صفحہ 600 پر یہ بات اس طرح کہی گئی ہے: "در آں طوئی ایلچیان افرنج حاضر بودند و بہرہ ور مصرع کہ "خس نیز در بحر باید گذر۔"

-7 تاریخ پیدائش 25 شعبان 736ھ دن سہ شنبہ (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 7) مطابق 8 اپریل 1336ء دیکھئے

Ibn Khuldun and Tamerlane by Walter J, Fischel صفحہ 121

-8 یہ قبیلہ مختلف ناموں سے مشہور تھا۔ کوئی اس کے افراد کو دیو بتاتا، کوئی قوی ہیکل جنگجو کہتا۔ مگر بالعموم لوگ انہیں تاتاری کہتے تھے یہ شمالی ایشیا کے باشندے تھے جو پہلے استھیز اور کبھی کبھی ترک بھی کہلا چکے تھے۔ منگول سیلاب کی رو میں بہتے ہوئے شمال سے اس زرخیز پہاڑی علاقے میں وارد ہو گئے تھے اور یہیں بس گئے تھے۔

-9 چین کا بیشتر شمالی اور وسطی حصہ۔

-10 لفظ (تاتار) میں بڑی آمیزش کی گئی ہے۔ شروع میں یہ اس چھوٹے سے قبیلے کا نام تھا جو اصل مغلوں کے مشرق میں آباد تھا اور جس کے افراد شکل صورت میں ان سے کافی مشابہ تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کی اصل کسی قدیم مغل سردار "تاتور" کا نام ہے یا چینی لفظ "تاتا" ہے۔ آج کل کے اہل تحقیق یہ چاہتے ہیں کہ اسی لفظ (تار تار) کو پھر رائج کیا جائے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ مغلوں کے ہاں لفظ) "تار" کا مطلب ہوتا تھا "خانہ بدوش" یا "اٹھنے والا" اور اگر اس پر زور دینا ہو تو اس کی تکرار کر کے "تار تار" کہتے تھے۔ چونکہ چینی "ر" نہیں بول سکتے تھے اس لئے وہ اسے "تا-تا اریہ" بولتے اور لکھتے تھے۔ ابتدائی دور کے تمام یورپی مورخ اسے "تارتار" ہی لکھتے رہے۔ ان کے برعکس عرب اور ایرانی مورخوں نے "تاتار" لکھا۔ موجودہ زمانے میں تاتاری بھی عموماً اسے "تارتار" نہیں کہتے۔ الفاظ "توران" اور "تورکی" میں جو "تور" ہے، شاید لفظ "تار" اس سے کوئی تعلق رکھتا ہو۔ مگر اس بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ خانہ بدوش قبیلوں میں سے چینیوں سے قریب ترین قبیلہ تاتاری ہی تھے، اس لئے وہ سب خانہ بدوش قبائل کو تاتاری ہی کہنے لگے (جس کا تلفظ ان کی زبان میں "تا-تا- اریہ" تھا) یہ نام

مروج ہو گیا۔ (آج کل اکثر چینی یہ لفظ بولتے ہیں) اور اس نے اتنا زیادہ رواج پایا کہ اہل یورپ وسطی ایشیا کے سب خانہ بدوش قبیلوں کے لئے لفظ "تاتار" استعمال کرتے رہے ہیں حالاں کہ انیسویں صدی میں جو یورپی سیاح پہلے پہل خانہ بدوشوں کے علاقے میں پہنچے انہیں مغلوں نے اپنے لئے لفظ "تاتاری" استعمال کرنے سے منع کیا تھا کیونکہ تاتاری ان قبیلوں میں سے ایک تھے جنہیں وہ مغلوب کر چکے تھے۔ بارہویں صدی میں برطانیہ کے نارمن بھی اسی طرح سیکسن کہلانا پسند نہ کرتے تھے۔ 1200ء کے بعد مغلوں سے شکست کھا کر تاتاری نابود ہو گئے کیونکہ وہ ان کی سلطنت کے مسلح قبیلوں میں مدغم ہو گئے۔ ایشیا میں لوگ چیز کو دیکھتے ہیں، اس کے نام پر نہیں جاتے۔ یورپی مورخوں کے نزدیک چنگیز خاں مغلوں ہی کا شہنشاہ تھا مگر اس کی رعایا اسے دنیا کا خاخاں (خاقان) مانتی تھی اور اس کا نام لینا بے ادبی میں داخل تھا۔ انہیں اس سے بحث نہ تھی کہ اس کی سلطنت کا نام کیا ہے، جو علاقہ اس کے زیر نگیں تھا وہ اس کی سلطنت تھی۔ اس زمانے میں اصل مغل اور تاتاری لکھنے پڑھنے سے نابلد تھے۔ وہ اس کام کے لئے غیر ملکی محرر ملازم رکھا کرتے تھے اور ان میں جو زبان بولی جاتی تھی وہ تحریری زبان سے مختلف تھی۔ یورپی ممالک سے خط و کتابت میں ان محرروں نے چنگیز کے نام کے ساتھ "زمین پر خدا کا نائب" اور "شاہ جہاں" یا "شہنشاہ بنی نوع انسان" کے القاب لکھے یا جگہ خالی چھوڑ دی انہوں نے لفظ "مغل" کبھی کہیں استعمال نہیں کیا۔ الفاظ "تاتاری" اور "تاتار" مارکو پولو نے رائج کئے۔ روسیوں نے، جنہیں ان خانہ بدوشوں سے سب سے پہلے واسطہ پڑا (اور پھر یہ واسطہ ہمیشہ رہا) ان حالات کی وجہ سے جو ہمارے علم میں نہیں آ سکے، لفظ "تاتار" اختیار کر لیا اور اس کے بعد سے اب تک ان قبائل کو "تاتاری" ہی کہتے رہے ہیں۔ ہاورتھ کا خیال ہے کہ جو مغل فوج روس پر پہلے پہل حملہ آور ہوئی ممکن ہے اس کا مقدمتہ الجیش تاتاری ہوں۔ روس کے ساتھ روابط کی وجہ سے اہل یورپ نے بھی یہی لفظ لے لیا۔ وہ چین کو بھی "خطائی" یا "کاتھے" کہتے تھے۔ بعد میں کاتھے متروک ہو گیا مگر ان خانہ بدوش قبیلوں کو، جو مغلوں "تاتاری" کی قیادت میں دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے، ابھی تک "تاتاری" ہی کہتے آ رہے ہیں اور اب اس لفظ کو بدلنا ممکن نہیں۔

تیمور کے آباؤ اجداد (برلاس قبیلے) کا ان اصلی تاتاریوں سے جو جھیل بوبار کے اردگرد اور دوسرے مقامات پر حیوانات کا شکار کیا کرتے تھے، کوئی تعلق نہیں۔ برلاس اس قوم سے تھے جسے قدیم ترک کہتے ہیں اور جسے اس کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن ان

کے لئے بھی "تاتار" سے بہتر اور کوئی نام نہیں ہو سکتا۔ شرف الدین، میر اخوند، اخوند میر در ابوالغازی سب نے ان کے لئے لفظ "تاتار" ہی رکھا ہے۔ بعد کے ایرانی اور عرب مصنف انہیں تاتار بھی کہتے رہے ہیں اور ترک بھی۔ موجودہ زمانے کے اہل تحقیق میں سے ہاورتھ کا بھی یہی خیال ہے کہ ان کے لئے لفظ "تاتار" ہی بہتر ہے اور ایڈورڈ۔ جی۔ براؤن بھی یہی کہتا ہے۔ مگر لیون کہون اور آرمینس ویمبری نے بوجوہ اس پر زور دیا ہے کہ صحیح لفظ ترک ہی ہے۔ اس کتاب میں تیمور کے قبیلے کے لئے لفظ "تاتاری" لکھا گیا ہے، اس لئے نہیں کہ یہ صحیح ہے بلکہ صرف اس لئے کہ یہ اور ناموں سے بہتر ہے۔ جتہ اور سنہری غول کو مغل اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اس وقت تک مغل سرداروں کے تابع فرمان تھے۔
(مصنف)

لفظ "تاتار" کو ابن خلدون نے کتاب العبر میں ہر جگہ یوں تو "تاتار" ہی لکھا ہے۔ (دیکھئے جلد پنجم صفحہ 506، سطر 5 صفحہ 515، سطر 26۔ صفحہ 525، سطر 14۔ صفحہ 557، سطر 12) مگر مقدمے میں "تتار" لکھا ہے (دیکھئے جلد دوم۔ صفحہ 117، سطر 191) مگر اسے نقل نویس کی غلطی بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ ہیرلڈ لیم نے The March Of Barbarians میں صفحہ 11 پر اس لفظ کی اصل کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ چینی یہ لفظ (تاتا) اپنے سے قریب ترین شمالی خانہ بدوش قبائل کے لئے استعمال کرتے تھے، رفتہ رفتہ دیگر خانہ بدوش قبیلوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ (مترجم)

11- چنگیز کی حکمراں نسل کا بادشاہ یا شہزادہ۔

12- **ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم**
(تم اللہ کی مدد کرو تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم بنائے گا)

13- دین آئیری کار داش" (مذہب بالائے طاق بھائیو!) ان لوگوں کی بول چال کی زبان ترکی اور تحریری زبان وسط ایشیا کی منگولی اور او۔غور تھی جو اب مٹ چکی ہے۔ تیمور اور دیگر ترکوں اور تاتاریوں کو عربی زبان کے خاصے الفاظ آتے تھے کیونکہ اسے ایشیا میں ہمہ گیر حیثیت حاصل تھی (مصنف)

14- یہ دونوں بھائی تھے۔ چنگیز قبل خاں کی تیسری پشت میں تھا اور تیمور قاجولی خاں کی آٹھویں پشت میں ہوا۔ دیکھئے تزک تیمور۔ صفحہ 13۔

15- غزان خان۔ دیکھئے ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 20۔

16- دانشمند اولغلن: مگر دو برس بعد اسے قتل کر کے بیان قلی خان کو بادشاہ بنا لیا۔

دیکھئے ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 29 اور 72۔

27- ملک معزالدین حسین: دیکھئے ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 32۔

18- عبداللہ: دیکھئے ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 40۔

19- تغلق تمور خاں: ایضاً۔ صفحہ 43۔

20- مراد وہ امرا ہیں جو ماوراء النہر کے مختلف حصوں پر حکمراں تھے۔ شہر سبز اور اس کے توابع تیمور اور اس کے چچا حاجی برلاس کے پاس تھے اور بایزید جلائر' خجند پر' سلدوز اولجائی بوغائی' بلخ پر' محمد خواجہ اپردی' شبرخاں پر' ختلان بدخشاں کے پہاڑوں پر' کیخسرو ابجا نیوا پردی' ارہنگ پر۔ اور سرپول اور تاکنت میں امیر خطر یسوری حکمراں تھے' جو ہر وقت آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ دیکھئے ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 42۔

21- امیر حسین بن مسلا بن قزغن: اس کے قبضے میں بھی ماوراء النہر کے بعض حصے تھے (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 43)

22-

پدر رفتہ وہ عم گریزاں شدہ   زبیگانہ کشور پریشاں شدہ

مخالف مسلط' الس در خطر   کشاہ عقاب بلا بال و پر

(ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 47)

23- خان اعظم نے جن تین سرداروں کو آگے بھیجا تھا ان کے نام یہ تھے: جانی بیگ ارکنت' بیک جک اور الغتق تمور کریت۔ دیکھئے تزک تیمور۔ صفحات 11-13۔

24- وسطی ایشیا میں اس قسم کی جنگ کسی نہ کسی شکل میں ہر دور میں ہوتی رہی ہے اور ایک لحاظ سے آج (1928ء) میں بھی یہی حال ہے۔ موجودہ زمانے کے نقشے کے مطابق تاتاریوں کی مملکت میں افغانستان کا کابل سے شمال کی جانب کا تمام حصہ' موجودہ ایران کے شمالی اضلاع' بخارا کا تمام علاقہ' ماوراء النہر اور روسی ترکستان کے متعدد حصے شامل تھے اور اس میں کم و بیش ایک لاکھ انسان ہتھیار بند تھے لیکن اس خانہ جنگی کی تفصیل کے لئے ایک دفتر بے پایاں درکار ہو گا' اس لئے یہاں صرف تیمور کی زندگی سے تعلق رکھنے والے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیمور 1360ء سے 1369ء تک اس خانہ جنگی میں الجھا رہا۔
(مصنف)

25- سرخ ریگستان۔

26- اسے آج کل بحیرہ ارال کہتے ہیں۔

27- تکل: (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 66)

28- مشرق اور مغرب کی کمانوں کے سلسلے میں: یورپ میں عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایشیا کے گھوڑ سوار تیر انداز ہلکی کمان استعمال کیا کرتے تھے جس کا تیر یورپ والوں کی وزنی زرہ پر اثر نہ کرتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ترک' تاتاری اور مغل چھوٹی بڑی دونوں قسم کی کمانیں استعمال کیا کرتے تھے۔ تیمور کے دور میں' اور چنگیز خاں کے ابتدائی زمانے میں' سواروں کے پاس دونوں طرح کی کمانیں ہوا کرتی تھیں' بڑی کمان پیدل کی لڑائی کے لئے تاکہ دشمن کا زیادہ نقصان کیا جا سکے اور چھوٹی کمان' گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے' دشمن پر قریب سے وار کرنے کے لئے۔ کمان ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ ہتھیار تھا اور (مثال کے طور پر مغل) گھمسان ہو جانے سے پہلے پہلے کبھی کمان ہاتھ سے نہ رکھتے۔ ہمعصر یورپی مؤرخ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایشیائیوں کی تیراندازی سے بیحد نقصان ہوتا تھا کیونکہ اس سے "لڑائی" شروع ہونے سے پہلے ہی عیسائیوں کے بہت سے گھوڑے اور جوان ہلاک ہو جاتے تھے۔ تاتاریوں کے پاس مختلف لمبائیوں اور اوزان کے تیر ہوتے تھے' جن کے پھل طرح طرح کے ہوا کرتے تھے' بعض زرہ کو چیرنے کے لئے اور بعض نار رومی یا کوئی اور آتشیں مادہ بھر کر پھینکنے کے لئے مصنف نے پیکنگ میں مانچو بادشاہوں کی سو سو دو دو سو برس پرانی وہ کمانیں دیکھی ہیں جن سے گارد میں بھرتی کے امیدواروں کی تیرزنی کی آزمائش کی جاتی تھی۔ انہیں کھینچنے میں ایک سو چھپن پونڈ وزن اٹھانے کے برابر طاقت لگتی تھی۔ یہ کمانیں خاصی وزنی اور پانچ فٹ سے زیادہ لمبی تھیں۔ زیادہ سے زیادہ فاصلے تک تیر ترکی سفارت متعینہ انگلستان کے ایک رکن نے 1795ء میں پھینکا تھا جو 467 یا 482 گز تک گیا تھا۔ چند سال ہوئے آجکل کے ایک تیرانداز نے بھی قریب قریب اتنے ہی فاصلے تک تیر پھینکا مگر اس نے بھی ترکی کمان ہی استعمال کی۔ ان صدیوں میں' جب یورپ والوں نے ایشیائیوں سے بار بار تباہ کن شکستیں کھائیں یورپی فوجوں کے پاس سب سے زیادہ کارگر ہتھیار ٹیڑھی کمان تھی اور مغل اور تاتاری بھی اس کا لوہا مانتے تھے مگر اسے یورپ والوں نے ایشیا اور یورپ کے معرکوں میں استعمال ہی نہ کیا' صرف کہیں کہیں محاصروں کے موقعوں پر ان سے کام لیا گیا' البتہ یہ بعض موقعوں پر وینس اور جنوآ والوں کے ہاتھوں میں کارگر رہی۔ لمبی کمان شروع کی صلیبی جنگوں میں استعمال ہی نہ کی گئی۔ یہ 1300ء سے 1500ء تک کریسی اور ایجن کور کی لڑائیوں میں انگریزوں کے ہاتھوں میں بڑا کارگر ہتھیار ثابت ہوئی۔ اس کتاب کے مصنف سے پوچھا گیا

ہے کہ انگریز تیرانداز تاتاری گھوڑ سوار تیر انداز کے مقابلے میں کیسا رہتا؟ جواب میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ انہیں میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابلے پر آنے کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے جو بھی اندازہ قائم کیا جائے گا اس کی بنا قیاس پر ہو گی۔ انگریزوں کی لمبی کمان بھی تاتاریوں کی کمان کی طرح دو سو سے تین سو گز تک مار کرتی تھی اور اتنی ہی ہلاکت آفریں ثابت ہوتی تھی۔ اسی طرح انگریز گھوڑ سوار تیر انداز بھی تاتاریوں جیسی پھرتی سے تیر چلا سکتا تھا۔ تیمور کے سپاہیوں کے جسم پر فرانسیسی گھوڑ سواروں کے فولادی لباس جیسی لمبی چوڑی زرہ نہ ہوتی تھی' لیکن اسی کے ساتھ یہ کہنا چاہئے کہ فرانسیسی سردار انگریزوں کے مقدمتہ الجیش پر جس طرح اندھا دھند ہلہ بول دیتے تھے اس طرح کی حماقت تاتاری کبھی نہ کرتے۔ انفرادی شجاعت و بہادری اور کمال تیر اندازی سے قطع نظر تاتاریوں سے لڑنے کے معاملے میں انگریز بھی جرمن سرداروں یا سینٹ یوحنا کے سرداروں سے بہتر ثابت نہ ہوتے۔ ان کی آتش باری اور میمنہ و میسرہ نیز عقب پر ان کے حملے روکنے سے بلیک پرنس بھی اسی طرح عاجز رہتا جس طرح اس کے یورپی چچیرے بھائی رہے۔ (مصنف)

29- کمان کا خانہ۔

30- جس کتاب کا ترجمہ آپ کے پیش نظر ہے یہ 1928ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب گھوڑ سوار فوج کی جگہ بکتربند گاڑیوں اور ٹینکوں نے لے لی ہے۔

31- گرم سیر ہیرمن (ظفرنامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 69) غالباً سیستان میں دریائے ہلمند کے قریب قندہار میں کوئی مقام تھا۔

32- حاجی محمود (ظفرنامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 65)

33- دریائے رخش پر تھا (ظفرنامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 83)

34- شرف الدین علی الیزدی (متوفی 1454ء)' جس نے اپنی کتاب ظفرنامہ' جو تیمور کی مفصل ترین مگر مدحیہ سوانح عمری ہے 1424ء میں مکمل کی۔ اسی نام کی ایک کتاب نظام الدین شامی نے بھی تیمور کے حکم سے لکھ کر 1405ء میں اسے پیش کی تھی۔ لیم نے ان دونوں کو تیموری وقائع نگار لکھا ہے مگر زیادہ تر واقعات یزدی کے ظفرنامے سے لئے ہیں۔

35- دریائے دخش ____ یہ دریا پار اترنے کے بعد شمال کی جانب شہر سبز آتا تھا۔ دیکھئے لی اسٹرینج کا "جغرافیہ خلافت مغربی"۔ صفحات 435 تا 439۔

36- حضرت شمس الدین (تزک تیمور۔ صفحہ 45)

37- جنگ ائی' بماہ رمضان' 776ھ (ظفرنامہ۔ جلد اول۔ صفحات 99 اور 107)

38- قبی متن (ظفرنامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 99)

39- یہ بات اب پرانی ہو چکی ہے' اب فوجوں میں گھوڑ سوار رجمنٹیں نہیں ہوتیں۔

40- آب بادام ____ دیکھئے لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی۔ صفحہ 482۔

41- ایک پرانی روایت کے مطابق مغل جادو کرنا جانتے تھے۔ مورخ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں لکھا ہے کہ اگلے دن جب ایک جادوگر مار ڈالا گیا تو بارش بند ہو گئی (مصنف)

42- سنگوم نویاں (ظفرنامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 103)

43- "مگر من گریختہ ام کہ مرا پیش میخواہند" (ظفرنامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 105)

44- افسوس ہے ہیرلڈ لیم جیسا بالغ نظر مورخ بھی یورپ کے بعض مورخوں کے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گیا کہ تیمور بے دین تھا۔

45- کابل شاہ اوغلن پر دورچی (ظفرنامہ)

46- تیموری فوج کے بارے میں قرائن سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ وہ مختلف قسم کے آتش بار آلات استعمال کرتی تھی۔ مگر اس زمانے کی تاریخوں میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ آلات کس وضع اور ساخت کے ہوتے تھے۔ اور ان کے ترجموں میں صرف "آگ کی ہنڈیاں" لکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تیمور سے صدیوں پہلے چینی لوگ لڑائیوں میں بارود استعمال کرتے تھے۔ عام طور سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ چینی بارود کے بارے میں اس رمز سے بھی واقف تھے کہ یہ آگ دکھاتے ہی دھماکے سے پھٹتی ہے۔ کتابوں میں اس کے جگہ جگہ حوالے ملتے ہیں۔ مغلوں نے 1232ء میں کیفونگ کا محاصرہ کیا تھا' اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک چینی ماہر تحلیل کیمیائی لکھتا ہے: "چونکہ مغلوں نے زمین دوز خندقیں کھود لی تھیں جن میں وہ ہمارے مسائیلوں سے محفوظ رہ سکتے تھے اس لئے ہم نے آتش بار آلے "چن تین لی" لوہے میں باندھ کر ان جگھوں میں اتار دیئے جہاں مغل نقبچی چھپے ہوئے تھے اور جب یہ پھٹے تو وہ نقبچی اور ان کی ڈھالیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔" مغلوں نے ان چینی ایجادوں میں سے بعض سے کام لیا اور جب 1220ء میں چنگیز خاں مغربی ملکوں پر حملہ آور ہوا تو اس کے ساتھ چینی توپچیوں کا ایک رسالہ بھی تھا جس کے پاس آتش بار آلہ "ہو پاؤ" تھا۔ تیمور کے تاتاری بھی ان ہتھیاروں کو برتنا جانتے تھے اور ایرانی اور عرب نفط سے جو جو کام لیتے تھے ان سے بھی واقف تھے۔

صلیبی جنگوں کے دوران میں عربوں نے ایسی متعدد ایجادوں سے کام لیا۔ مثلاً ان کے پاس ایک آتشی گرز تھا جس کے سرے پر شیشے کی گیند تھی' جس میں نفط بھرا ہوتا تھا۔ اس

گیند میں جو شتابہ لگا ہوتا تھا اسے جلا کر گرز کو دشمن کی طرف پھینکا جاتا تھا یا اسے دشمن کی زرہ پر دے مارتے تھے جس کے بعد شعلے اڑاتا ہوا لفظ اس کے جسم پر بہنے لگتا تھا۔ وہ منجنیقوں اور عرادوں سے نار رومی اور نفط بھرے ہوئے مٹی کے بھاری بھاری گولے بھی دشمن پر پھینکا کرتے تھے۔ یہ آلات عام طور سے محاصروں مین استعمال کئے جاتے تھے۔ ایک محاصرے کی یہ درد ناک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ عیسائیوں نے عربوں کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا تو اس کی دیواروں سے ملے ہوئے اونچے اونچے چوبی مینار کھڑے کر لئے۔ عربوں نے ان پر مشینوں اور آلات سے ایسے گولے مارتے جن کے پھٹنے پر مینار اور سپاہی ایک سیال سے بھیگ جاتے تھے مگر نقصان کچھ نہ ہوتا تھا۔ عیسائی عربوں کی ان فضول کوششوں کا مضحکہ اڑاتے رہے مگر عرب میناروں کو بھگوتے رہے۔ پھر جب یہ لکڑی کے مینارے خوب تر ہو گئے تو انہوں نے ایک جلتی ہوئی مشعل پھینکی جس سے تمام مینار اور سپاہی جل اٹھے۔ یہ سیال نفط تھا۔ منجنیق اور عرادے بہت زیادہ وزنی ہوا کرتے تھے۔ مغل اور تاتاری ان کے پرزے الگ کر کے بار بردار جانوروں پر لاد لیا کرتے تھے۔ انہیں تیر اندازی اور آتشباری میں یورپ والوں پر برتری حاصل تھی۔ پوری تفصیل کے لئے جان ہیوٹ کی کتاب Ancient Armaur اور Captain Fave اور M. Renaud کی کتاب Le feu Gregeois دیکھئے۔ (مصنف)

47- میدان جنگ میں عالم لوگوں کا مقام۔ تیمور قریب قریب مسلسل سفر میں رہتا تھا اور عام طور سے دربار کے ایک حصے کو اپنے ساتھ لے جایا کرتا تھا۔ عرب شاہ لکھتا ہے کہ شام کے وقت وہ اکثر عالم لوگوں سے کتابیں پڑھوا کر سنتا۔ اسے تاریخی کتابیں زیادہ پسند تھیں۔ جب سنہری غول پر چڑھائی کی اس وقت بھی اس کی ایک بیگم اس کے ساتھ تھی۔ ہندوستان پر حملے کے دوران میں' جب ہاتھیوں سے سابقہ پڑنے کو تھا' فوج میں ایک گونہ اضطراب تھا۔ شرف الدین لکھتا ہے: "سپاہی ہندوستانی فوج سے تو چنداں خائف نہ تھے مگر چونکہ ہاتھی پہلے کبھی نہ دیکھے تھے اس لئے یہ سمجھ رہے تھے کہ ان پر تیر اور تلوار اثر نہیں کرتے اور یہ لڑائی میں گھوڑے کو سوار سمیت اپنی سونڈ میں لپیٹ کر زمین پر دے مارتے ہیں۔ جب امیروں اور افسروں کے مقامات معین کئے جانے لگے تو تیمور نے عالموں سے پوچھا کہ وہ لڑائی کے دوران میں کس جگہ رہنا پسند کریں گے تو ان میں سے بہت سوں نے فوراً کہا کہ اگر امیز قبول فرمائیں تو ہم عورتوں کے قریب رہنا پسند کریں گے۔ (مصنف)

48- کوہ پامیر کا نام بلندی کی وجہ سے "بام دنیا" پڑ گیا تھا۔ دیکھئے "وقائع تسلط روسیا

آسیا" از مولانا عبدالولی صدیقی۔ صفحہ 13-

4- قورلتائی: اس مجلس مشاورت کا نام تھا جو پہلی مرتبہ چنگیز خاں نے مغلوں کے تمام نبائل کا خان منتخب ہونے کے بعد 1206ء میں طلب کی تھی۔ اس میں صرف ان سرداروں کو بلایا گیا تھا جو اس سے "خون کا رشتہ" رکھتے تھے۔ اس سے مراد سگے رشتہ دار نہیں بلکہ چنگیز کے ان ایام کے رفقائے کار ہیں جب دشمن اس کا تعاقب اس طرح کیا کرتے تھے جیسے وہ کوئی شکار کا جانور ہے۔ ان میں سے ایک نے' اس حالت میں جب چنگیز زخمی ہو کر ایک جگہ گرا تھا' اس کے گلے پر جما ہوا خون چاٹا تھا' اسی طرح ایک اور رفیق نے اس حالت میں اس کی حفاظت کی تھی جب وہ برف میں دبا پڑا تھا۔ چنگیز ان کے علاوہ اور کسی پر بھروسا نہ کرتا تھا۔ قورلتائی کے اس اولین اجلاس ہی میں اس کا نام چنگیز خاں رکھا گیا جس کے معنے ہیں ____ خان اعظم یا خان تابناک۔
دیکھئے The March Of Barbarians از ہیرلڈ لیم۔ صفحہ 52- سطور 3 تا 10-

50- ظفرنامے میں ایک شخص سید برکات کا ذکر ہے۔ دیکھئے جلد اول۔ صفہ 210-

51- یہ اشارہ جلائر اور سلدوز قبیلوں کی طرف تھا جو قدیم تاتاریوں سے نسبت رکھتے تھے اور ابھی تک چنگیزی قانون کے تابع چلے آ رہے تھے۔ بلخ کی اس تاریخی مجلس میں تاتاری امیروں نے چنگیز خاں کی موت کے ایک سو چالیس سال بعد' پہلی مرتبہ' اپنی خوشی سے' چنگیزی قانون ترک کیا۔ (مصنف)

52- ابن خلدون نے "کتاب العبر" میں تیمور کے نام کے ساتھ تیمور کے لقب "سلطان" اور "ملک" بھی لکھے ہیں۔ تیموری سکوں پر تیمور کے نام کے ساتھ "الامیرالاعظم" یا "الامیر المعظم" بھی کندہ ہوتا تھا مگر اس کے ساتھ "گورگاں" ضرور ہوتا تھا۔ دیکھئے "مشرقی سکوں کی فہرست" از اسٹینلے لین پول۔ جلد ہفتم۔ صفحات 4 تا 20- فارسی ماخذوں میں تیمور کو صاحب قران لکھا گیا ہے (دیکھئے ظفرنامہ)۔ عرب مورخ ابن الفرات نے تیمور کے نام کے ساتھ "مدبر مملکت التاتار" لکھا ہے۔
دیکھئے "تاریخ" جلد نہم۔ صفحہ 344- سطر 5' نیز صفحہ 374- سطر 17- ایک مقام پر اتابک بھی لکھا ہے (دیکھئے جلد نہم۔ صفحہ 12- سطر 17)- لیم کی کتاب The March Of The Barbarians کے صفحہ 371 کی 35 ویں سطر میں یہ لکھا ہے کہ تیمور نے اپنا لقب امیرالقدر رکھا۔

53- تیمور کا کردار متنازع رہا ہے اس سے جتنی زیادہ محبت' اور اسی طرح جتنی زیادہ نفرت کی گئی ہے بہت کم بادشاہوں سے اتنی زیادہ محبت اور نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس

کے دو وقائع نگاروں میں سے ایک نے اسے شیطان دکھایا ہے' دوسرے نے اسے بطل ظاہر کیا ہے۔ اور یہ دونوں اس کے دربار میں رہتے تھے۔ ابن عرب شاہ نے اسے سنگدل خونی' دغابازوں کا استاد کامل اور شیطان سے زیادہ کینہ پرور بتایا ہے' اس کے برعکس شریف الدین نے یہ لکھا ہے کہ "اس کی عالی ہمتی نے اسے تاتاریوں کا شہنشاہ اور چین کی سرحد سے لے کر یونان تک پورے ایشیا کا مالک بنا دیا ___ وہ خود حکومت کرتا تھا۔ امداد یا مشورے کے لئے کبھی کوئی وزیر نہ رکھا اور جو کام ہاتھ میں لیا اسے پورا کر دکھایا۔ ہر ایک سے فراخدلی اور نرمی سے پیش آتا تھا' البتہ جو حکم عدولی کرتے تھے انہیں سخت سے سخت سزائیں دیتا تھا۔ عدل و انصاف کا شائق تھا' جو کوئی ظلم کرتا اسے ضرور سزا دیتا۔ علم دوست تھا اور اہل علم کی عزت کرتا تھا' فنون لطیفہ کو ترقی دینے کی مسلسل کوشش کرتا رہا۔ منصوبے جتنی فراخدلی سے بناتا اتنی ہی جرات سے ان پر عملدرآمد بھی کرتا' اور جو اس کی خدمت کرتے ان پر ہمیشہ مہربان رہتا۔ موجودہ زمانے کے مورخوں میں سے سرپرسی سائیکس اور لیون کہون نیز آرمینس ویمبری شرف الدین کی اس رائے سے متفق ہیں لیکن ایڈورڈ۔ جی۔ براؤن نے تیمور کے بارے میں سرجان میلکم کی یہ رائے نقل کی ہے کہ "تیمور جیسے قائد کی فوج اس کی پرستش کئے بغیر نہ رہ سکتی تھی اور تیمور کو فوج کے علاوہ اور طبقوں کی بالکل پروا نہیں تھی کہ وہ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اس کا نصب العین یہ تھا کہ وہ فاتح کہلائے اور دنیا اسے فاتح مانے چنانچہ کسی شاندار شہر کو محض اس لئے برباد کر دیتا اور کسی صوبے کی پوری آبادی کو اس لئے تہ تیغ کر دیتا کہ اس سے لوگوں کے دلوں پر دہشت طاری ہو گی اور وہ اسے فاتح تسلیم کریں گے ..... تیمور گو دنیا کے عظیم ترین فاتحوں میں سے ایک تھا مگر جہاں تک بادشاہ ہونے کا تعلق ہے وہ دنیا کے بدترین بادشاہوں میں سے تھا۔ بیشک وہ دلیر تھا مگر اسی کے ساتھ ظالم' سخت گیر اور عزائم پسند بھی تھا۔ اور اپنی شان و شوکت کے مقابلے میں اوروں کی خوشی کو پرکاہ کے برابر بھی نہ سمجھتا تھا۔ اس کے وسیع اقتدار کی کوئی بنیاد نہ تھی۔ اس کی سلطنت صرف اس کی شہرت کے بل پر قائم رہی چنانچہ اس کے مرتے ہی ختم ہو گئی۔ اس کے بیٹے اس سلطنت کے کچھ حصوں ہی پر کچھ عرصے قابض رہ سکے۔ صرف ہندوستان میں مغل حکومت زیادہ عرصے قائم رہی۔ اس ملک میں اب بھی مغل خاندان کی عظمت رفتہ کے مٹے مٹے سے آثار نظر آ جاتے ہیں۔ تیمور انسانی عظمت کے بتدریج زوال کا ایک مرقع ہے جسے دیکھ کر ہم حیران ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ اس جیسے عظیم انسان کی اولاد کتنی پست ہو گئی!!!" میلکم نے یہ رائے جس وقت ظاہر کی

ی ان دنوں ایک مغل بادشاہ' گو وہ برائے نام بادشاہ تھا' دہلی کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ صل میں براؤن کی طرح میلکم کی دلچسپی کا حقیقی مرکز بھی تیمور نہیں بلکہ ایران تھا چنانچہ ذرتی طور پر اس نے تیمور کا مقام ایک ایسے بادشاہ کی حیثیت سے متعین کیا جس نے یران کو بنوک شمشیر زیر کیا تھا اور چونکہ مفتوح کی نظر میں فاتح ہمیشہ جابر اور ظالم ہوتا ہے اس لئے ایرانیوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے میلکم نے بھی اسے ظالم اور جابر بتایا۔ لیکن پیش نظر کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ تیمور کے کردار کی وہ تصویر پیش نہ کی جائے جو اس کے ہاتھوں قید ہونے والوں نے کھینچی ہے کیونکہ وہ قدرتی طور پر اس سے نفرت کرتے تھے' اسی طرح یورپ' ایران اور ہندوستان کے مفتوحہ ملکوں کے باشندوں کے تاثرات کو تیمور کے کردار کی تصویر کے لئے بطور خطوط استعمال نہ کیا جائے بلکہ یہ دکھایا جائے کہ خود اس کی قوم نیز رعایا اسے کیسا سمجھتی تھی۔

54- ظفرنامے کی جلد اول میں' صفحہ 233 پر' اور اس سے آگے' جو کچھ اس سلسلے میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تیمور نے حسین صوفی سے یہ مطالبہ کیا کہ ولایت خوارزم اس کے حوالے کر دی جائے کیونکہ یہ چنگیز کے بیٹے چغتائی کا ملک ہے جس کا وارث اب میں ہوں۔ اس پر حسین نے جواب دیا کہ میں نے یہ ملک تلوار سے فتح کیا ہے' چھیننا چاہو تو لڑ کر لو۔ تیمور نے فوج کشی کا ارادہ کیا تو ایک بزرگ مولانا جلال الدین نے درمیان میں پڑ کر والئی خوارزم کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے انہیں قید کر دیا۔ تیمور نے خوارزم پر حملہ کر دیا۔ حسین نے مصالحت کرنی چاہی مگر کیخسرو ختلانی نے نہ ہونے دی۔ جب حسین مر گیا تو اس کے بھائی یوسف صوفی نے تیمور سے مصالحت کرنی چاہی مگر کیخسرو پھر مانع آیا' تاہم آخر میں یوسف نے صلح کر لی۔ تیمور نے یہ شرط لگائی کہ یوسف اپنے بھائی آق صوفی کی بیٹی سوین بیگ عرف خان زادہ کی شادی جہانگیر سے کرے۔ یہ شرط مان لی گئی اور یہ لڑکی سمرقند بھیج دی گئی۔ مگر یوسف نے اس کے بعد پھر بغاوت کی۔

55- ظفرنامہ کی جلد اول میں صفحات 237-238 پر یہ لکھا ہے کہ اس ترکیب سے کات کا قلعہ فتح کیا گیا (اس پر خیوہ فتح کرنے کے بعد حملہ کیا گیا تھا)۔

56- ظفرنامے کے مطابق یہاں کات ہونا چاہئے۔

57- یوسف صوفی' جو اپنے بھائی حسین صوفی کے بیمار پڑ کر مر جانے کے خوارزم کا بادشاہ بنا تھا (دیکھئے ظفرنامہ۔ جلد اول۔ صفحات 294-296) لیم نے ایک ہی پیراگراف میں حسین صوفی اور یوسف صوفی دونوں کے لئے "صوفی" لکھا ہے اور حسین صوفی کے اور گنج

میں قلعہ بند ہونے کا ذکر کرنے کے بعد چار سطر آگے لکھ دیا ہے کہ "صوفی کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ ......" اس جگہ یہ صراحت ضروری تھی کہ یہ پیغام حسین صوفی کے بھائی یوسف صوفی کی جانب سے تھا مگر یہ صراحت نہیں کی گئی۔

58- ظفر نامہ کے صفحات 244-152 سے معلوم ہوتا ہے کہ خان زادہ یوسف صوفی کی موت سے قبل ہی سمرقند روانہ کر دی گئی تھی نیز وہ یوسف صوفی کی بیٹی نہیں تھی بلکہ اس کے بھائی آق صوفی کی بیٹی تھی۔

59- جس دریا کے کنارے سمرقند واقع تھا اس کا نام دریائے صغد تھا۔ نہرا لقصارین ان نہروں میں سے ایک کا نام تھا جو اس دریا سے نکالی گئی تھیں۔ ابن بطوطہ نے اسے سمرقند کا دریا سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ دیکھئے جغرافیہ خلافت مشرقی۔ از لی اسٹرینج۔ صفحہ 465-

60- راس الطاق (ظفر نامہ)

61- خنگ او غلن (")

62- ان قبائل کو تاتاری زبان میں سیر اوردہ کہتے تھے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ چنگیز خاں کے سب سے بڑے بیٹے جوجی خاں کے بیٹے باتو خاں کے، جس نے ان قبائل کی سلطنت کا آغاز کیا، خیمے کا گنبد زری کا ہوتا تھا تاتاری زبان میں سیر معنے ہونا اور اوردہ کے معنی ہیں لشکر۔

63- لفظ مغل: (منگول) یورپی مصنفوں نے کئی کئی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس لئے اس کے ماخذ کے بارے میں مفصل بحث ضروری ہے۔ شروع میں یہ لفظ "منگ کو" تھا۔ جس کے معنے یا تو "بہادر لوگ" تھے یا "روپہلی لوگ"۔ یہ قوم سائبیریا کی قدیم قوم "تنگوسی" اور قدیم ترک دونوں کی نسل سے تھی، اس کا اپنے ہمعصر چینیوں سے اس کے سوا اور کوئی تعلق نہ تھا کہ اس نے چین فتح کیا تھا۔ اس کے افراد اونچے قد کے، مشقت پسند اور ناخواندہ خانہ بدوش تھے، جو اپنے ریوڑوں اور شکار پر گذارہ کرتے تھے۔ ان کا مسکن صحرائے گوبی اور شمال کا ہموار میدان تھا اور یہ ہری گھاس کی تلاش میں پھرتے رہتے تھے۔ ہیرو ڈوٹس نے انہیں ہنوں اور آلانوں کے عم زاد بتایا ہے۔ یہ مغرب کی طرف نقل مکانی کر کے یورپ میں پہنچ گئے اور وہاں والوں کے لئے ایک مصیبت بن گئے۔ ستھین اس زمانے میں بھی گھوڑوں پر سوار ہوا کرتے تھے اور ان میں سے جو باقی ہیں وہ آج بھی گھوڑوں پر سوار رہتے ہیں۔ چینیوں نے بہت پہلے سے ان کے نام ہیونگ نو اور طرح طرح کے اور بھوتوں اور ارواح خبیثہ کے ناموں پر رکھ چھوڑے تھے اور انہیں روکنے کے لئے

سی طرح دیوار چین تعمیر کی تھی۔ جس طرح اسکندریہ کے متعلق قصہ مشہور ہے کہ اس نے ان کی روک تھام کے لئے ایک دیوار بنائی تھی۔ ایشیائی سطح مرتفع سے ہمیشہ فاتح اٹھتے رہے ہیں۔ اس علاقے کے ان خانہ بدوش شہسواروں کو، جو گھوڑوں پر سوار ہوتے، گوشت کھاتے اور دودھ پیتے تھے، ہیرو ڈوٹس نے ستھین، اس کے بعد کے رومیوں نے ہن اور چینیوں نے "ہیونگ نو" کا نام دیا۔ گویا ستھین، ہن اور ہیونگ نو سب ایک ہی قوم کے مختلف نام ہیں۔

لفظ "ہیونگ نو" سے خانہ بدوشوں کا پورا غول مراد ہوتا تھا ____ مگر متحدہ قوم نہیں، کیونکہ اس غول کے مختلف قبائل ہروقت آپس میں برسر جنگ رہتے تھے۔ 1162ء میں، جو چنگیز کے عروج کا زمانہ تھا، اس غول میں بیس کے قریب قبیلے تھے، جیسے شرقاً" غرباً" منچو، تاتاری، مغل (منگول)، قریت، جلایر اور الیغور قبایل کے آباؤ اجداد۔ مغل قبیلوں کے سردار چنگیز خاں نے باقی سب قبیلوں کو مغلوب کر لینے کے بعد ان سب کو ساتھ ملا کر مغل سلطنت بنائی۔ وہ اس سلطنت کا بانی تھا، اس کے مغل اس کے جانشین بنے۔ جن قبیلوں کو اس نے سب سے پہلے مغلوب کر کے اپنی رعایا بنایا وہ یہی خانہ بدوش قبیلے تھے۔ ان کی مدد سے اس نے چین کو شکست دے کر اس پر قبضہ کیا اور انہیں اور چینیوں کو ساتھ لے کر ترکوں کو اور پھر باقی دنیا کے بڑے حصے کو مغلوب کیا۔ پس آج لفظ مغل سے یا تو بارھویں صدی اور تیرھویں صدی کی وسیع مغل سلطنت کا کوئی باشندہ مراد ہو سکتا ہے یا اصل مغلوں کی اولاد۔ اس کتاب میں لفظ مغل آخرالذکر کے لئے آیا ہے۔ اس موضوع پر زیادہ وسیع بحث ان کتابوں میں ملے گی۔

(1) A Thousands Years Of The Tartars از ای۔ ایچ۔ پارکر۔

(2) The Ancient History of China از فریڈرخ برتھ۔

(3) Histoire Geneologique Des Tartars اور

(4) The Cambridge Medieval History - جلد چہارم۔ (مصنف)

64- خاقان، بمعنی شہنشاہ، ترکی زبان کے لفظ "کاگان" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں حکمران اعلیٰ۔ دیکھئے The March Of The Barbarians از ہیرلڈ لیم۔ صفحہ 53- سطور 9 اور 10-

65- المالیق یا المالیغ یا المالغ ایک بڑا سا شہر تھا جو مغلوں نے چین میں اپنی سلطنت کی شمال مغربی سرحد پر بسایا تھا۔ اس کے کھنڈر مذکورہ سرحد کے نزدیک دریائے ایلہ پر واقع شہر

کلچہ کے قرب و جوار میں دریافت ہوئے ہیں۔ دیکھئے جغرافیہ خلافت مشرقی از لی اسٹرینج۔ صفحہ 487۔

66- یہ عظیم ایشیائی شاہراہ: جو شمالی شاہراہ (چینی زبان میں پی لو) کہلاتی تھی، قدیم ترین دور تاریخ میں وجود میں آئی تھی اور چین کے ایک مقام ٹوین ہوانگ سے شروع ہوتی تھی۔ اس پر سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں کے قافلے، جن کی حفاظت کے لئے شہسوار ساتھ ہوتے تھے، صحرائے گوبی سے گزر کر تورفان کے نخلستانوں کے قریب سے ہو کر نکلتے ہوئے، کاشغر کے پہاڑی سلسلوں کے ساتھ ساتھ چل کر، بل کھاتے ہوئے راستے سے، مزتاغ اتا کے درے تک پہنچتے تھے اور اس سے گزر کر اس وادی میں داخل ہوتے تھے جہاں سے سمرقند کو راستہ جاتا تھا۔ اب مرو آتا تھا، جس کے آگے، کوہستانوں سے گزرنے کے بعد ایران کا طویل میدان آ جاتا تھا۔ یہاں سے سڑک مغرب کا رخ کرتی تھی۔ اسے "ریشمی شاہراہ" بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اس سے ایشیا کا ریشم اور ہاتھی دانت روم پہنچتا تھا۔ اس کی ایک جنوبی شاخ (نان لسو) صحرائے گوبی میں مڑ کر، ختن اور یارقند سے گزر کر، کوہ پامیر کی گھاٹیوں تک چڑھ جاتی تھی، اور ان سے آگے درہ قراقرم اور کشمیر کے جنگلات کے اوپر برف پوش دروں سے گزر کر بلخ پہنچتی تھی۔

دیکھئے The March Of The Barbarians از ہیرلڈ لیم۔ صفحہ 25 (سطر 34) تا صفحہ 26 (سطر 33)۔

67- ایک پادری ولیم آف روبرگ پہلا یورپی تھا جس نے مغلوں کی سرزمین میں داخل ہونے کی جرات کی۔ اس نے ان کے جو چشم دید حالات بیان کئے ہیں ان سے اس کتاب کا زیر مطالعہ حصہ حقیقتاً" زیادہ دلچسپ ہو جائے گا۔ وہ لکھتا ہے: "یہ لوگ شہر نہیں بساتے۔ ان کے گھر، جو سفید نمدہ بانسوں پر منڈھ کر بنائے جاتے ہیں، بیل گاڑیوں پر لدے ہوئے سفر میں رہتے ہیں، جو بیس بیس فٹ چوڑی ہوتی ہیں، اور جن میں سے ہر ایک میں بائیس بائیس بیل جتے ہوتے ہیں۔ گھر کا سامان بکسوں میں بھر کر اونٹوں پر لاد دیتے ہیں۔ ان گھروں کو بیل گاڑیوں پر سے اتارتے وقت ان کے دروازے ہمیشہ جنوب کی طرف رکھتے ہیں اور ان سے کچھ فاصلے پر گھریلو سامان کے بکس دو قطاروں میں رکھ دیتے ہیں۔ شادی شدہ عورتوں کو زیادہ خوشنما گاڑیاں دی جاتی ہیں۔ امیروں کے پاس سو سو دو دو سو گاڑیاں ہوتی ہیں۔ خیمہ گاہ میں مرد کی پہلی بیوی کا گھر خاوند کے خیمے سے جانب غرب رکھا جاتا ہے، باقی بیویوں کے گھر اس سے کچھ فاصلے پر مشرق کی طرف رکھتے ہیں۔ ایک لڑکی بیس تیس گاڑیاں

چلا لیتی ہے۔ چونکہ زمین ہموار ہوتی ہے، گاڑیوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر لڑکی کو سب سے آگے کی گاڑی پر بٹھا دیتے ہیں، وہ بیلوں کو ہانکتی رہتی ہے۔ گھر میں مالک کا بستر دروازے کے مقابل ہوتا ہے۔ اس کے سرہانے نمدے کا بنا ہوا ایک گڈا لٹکا رہتا ہے، جو اس کا بھائی کہلاتا ہے۔ جب دودھ یا شراب یا کوئی اور مشروب پینے لگتے ہیں تو پہلے تھوڑا سا اس گڈے پر چھڑکتے ہیں، اس کے بعد گھر کا ملازم مشروب کا پیالا لے کر باہر نکل کر پہلے جنوب کی طرف آگے کے لئے، مشرق کی طرف ہوا کے لئے، اور شمال کی طرف مردوں کے لئے تین تین مرتبہ مشروب زمین پر چھڑکتا ہے، پھر مالک اور اس کی بیوی کو پلاتا ہے۔ جاڑوں میں چاول کی شراب یا نبیذ مگر گرمیوں میں صرف گھوڑی کا دودھ پیتے ہیں۔ جب مالک مشروب پیتا ہوتا ہے تو ملازم اس مطرب کو پکار کر اطلاع دیتا ہے، جو دروازے پر بیٹھا ہوتا ہے، وہ فوراً ساز بجانا شروع کر دیتا ہے۔ کسی بڑی دعوت میں سب مہمان ہاتھ باندھ کر رقص کرتے ہیں۔ فتح کے بعد جشن یا ضیافت میں ضرورت سے بہت زیادہ شراب پیتے ہیں۔ جاڑوں میں پشم کے کم از کم دو لباس پہنتے ہیں۔ پہاڑی بکروں کے سینگوں کے بہت بڑے بڑے پیالے بناتے ہیں۔ بیویاں خریدی جاتی ہیں۔ بیواؤں کی شادیاں نہیں کرتے، بیٹا باپ کے مرنے کے بعد اس کی تمام بیویوں (ما سوا اپنی ماں) سے شادیاں کر لیتا ہے۔ کپڑے کبھی نہیں دھوتے کیونکہ اس سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ بجلی سے بہت ڈرتے ہیں۔ جب بجلی چمکتی ہے تو سب اجنبیوں کو گھر سے نکال دیتے ہیں اور خود کو کالے نمدے میں لپیٹ لیتے ہیں۔ ہاتھ یا سر دھونے کے لئے پانی منہ میں بھر کر ہاتھوں پر کلیاں کرتے رہتے ہیں۔ کوئی بیمار پڑ جائے تو اس کے مکان پر امتناعی نشان لگا دیتے ہیں جس کے بعد کوئی ادھر جا کر نہیں پھٹکتا۔ انہیں اندیشہ ہوتا ہے کہ آنے والوں کے ساتھ بدروحیں یا مضر ہوائیں اندر داخل ہو جائیں گی۔

دیکھئے The March Of The Barbarians از ہیرلڈ لیم۔ صفحہ 42- سطر 21 تا صفحہ 45- سطر 10-

68- او آیل (ظفر نامہ)۔

69- قرم- (ظفر نامہ)۔

70- صرف دو حکمرانوں کو تیمور کو تمرلنگ کہنے کی جرات ہوئی۔ ایک آرس خان، دوسرا سنہری غول کا خاقان ممائی (مصنف)

71- مذکورہ سطح مرتفع ایشیا کا وہ علاقہ ہے، جو جغرافیائی اعتبار سے، شمالاً جنوباً بحر منجمد شمالی

کی یخ بستہ دلدلوں (ٹنڈرا) سے کوہ ہمالیہ تک، اور شرقاً" غرباً" چین سے یورال تک پھیلا ہوا ہے۔ اسے ایشیائی سطح مرتفع یا وسطی ایشیا یا بالائی ایشیا بھی کہتے ہیں۔ یہ علاقہ بیشتر بلند اور ہموار میدان ہے مگر اس میں جابجا پہاڑی سلسلے بھی ہیں
دیکھئے The March Of The Barbarians از ہیرلڈ لیم۔ صفحہ 4 (سطر 28) تا صفحہ 5 (سطر 20)۔

72- آق قم۔ ظفر نامہ۔

73- قرنا۔

74- تزک تیمور میں یہ تعداد اٹھارہ لکھی ہے۔ دیکھئے صفحات 151 اور 152۔

75- اس زمانے میں نقشے نہیں ہوا کرتے تھے۔ آج بھی اس سطح مرتفع کی پیائش نامکمل ہے۔ صحیح طور پر تو معلوم نہیں کہ تیمور نے ساری سو کو عبور کرنے کے بعد کونسا راستہ اختیار کیا تھا مگر خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں سے وہ قدرے مغرب کے رخ کوہ یورال کی طرف ہو لیا تھا۔ (مصنف)

76- بلماق ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 504

77- کیمیرین: بحیرہ اسود کے شمالی کنارے پر بستے تھے۔ ہیروڈوٹس نے انہیں جنوبی روس کے قدیم باشندے بتایا ہے جنہیں ستھین نے ایشیائے کوچک میں دھکیل دیا تھا۔ ورلڈ بک آف انسائیکلوپیڈیا کی جلد سوم صفحہ 430 کے اندراج کے مطابق انہوں نے ساتویں صدی قبل مسیح میں ایشیائے کوچک پر اور اس کے بعد شمالی ساحل کے یونانی شہروں پر حملہ کیا تھا۔ ہومر نے انہیں "مسلسل اندھیرے میں رہنے والے انسان" بتایا ہے، جو بعید شمال میں بستے ہیں۔ یہ ایک سو برس تک ایشیائے کوچک میں ڈاکوؤں اور خونیوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے پھر اس علاقے کے باشندوں میں جذب ہو گئے۔

78- ہائی پر بورین: برفستانوں کے سرے پر رہنے والے وہ پراسرار وحشی لوگ تھے جن کے بارے میں مہذب دنیا کو ایک ہزار سال قبل مسیح علم ہوا۔ یونانی مورخوں نے ان کو ہائی پر بورین کا نام دیا جس کے معنے ہیں باد شمال سے پرے کے منطقے میں رہنے والے۔ چینی انہیں ارواح خبیثہ کہا کرتے تھے۔ دیکھئے۔ The March Of The Barbarians صفحہ 3 تا 6

79- اس وقت تیمور کی فوج کرہ ارض کے 55 زاویہ عرض بلد شمالی پر تھی، جو جھیل ولی بیگ کے شمال میں پڑتا ہے۔ معلوم ایسا پڑتا ہے کہ اس نے توبل ندی کو اس کے سرچشمے

ے شمال کی جانب عبور کیا۔ اس کے بعد جو دریا اس نے پار کیا اس کے متعلق یہ خیال ہے ہ وہ یورال (ظفر نامے کا آب تیق) تھا۔ پھر اس نے مغرب کا رخ کیا اور اس علاقے سے گذری جو یورپ اور ایشیا کی حد فاصل ہے (مصنف)۔

80- ظفر نامہ میں امیرزادہ محمود سلطان ہے۔

81- تیمور نے حسب معمول میمنہ میں آزمودہ شہسوار رکھے تھے۔ اس کا مقدمتہ الجیش اور محفوظ لشکر علیحدہ ہوتے تھے اور بہترین سپہ سالار اگلی صف میں لڑتے تھے۔ اقدامات کے دوران میں لشکر اپنے اپنے محور پر قائم رہتے اور عام طور پر دشمن کے بائیں بازو کو پہلی ہی کر میں تتر بتر کر دیتے۔ تاتاری فاتح کا دستور جنگ یہ تھا کہ اپنے میسرے کو روکے رکھتا اور اسے اس وقت آگے بڑھاتا جب میمنہ کامیاب ہو جاتا۔ خود قلب کے پیچھے مضبوط محفوظ لشکر اپنے ساتھ رکھتا اور ان سے میمنہ کی مدد کو پہنچتا۔ خود جنگ کا اختتامی مرحلہ آ جانے سے پہلے شاذ و نادر ہی حرکت کرتا۔ اس کا قلب خندق گیر بھی ہوتا تھا اور میمنہ کے مطابق حملے کے بعد ہی باہر نکلتا تھا۔ تیمور کھلے میدان کی جنگ پسند کرتا تھا۔ اسے پوری فوج کی ت تبدیل کرنے پر قدرت حاصل ہوتی تھی۔ محور کے طور پر محفوظ لشکر کو استعمال کرتا، یمنہ کے آگے بڑھ جانے سے اگر ترچھی حرکت کرنی پڑتی تو فوج ترچھا اقدام کرتی۔ ایسے الات میں میسرہ قلب کے عین پیچھے حرکت کرتا۔ اس ترتیب اور ان حرکات سے پوری ج واقف ہوتی اس لئے لڑائی کے دوران میں غیر معمولی احکام جاری کرنے کی ضرورت نہ پڑتی (مصنف)۔

82- مسکو (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 758)

83- قاقم اور سمور جانوروں کے نام ہیں جن کی پوستینیں بڑی نرم نیز گرم ہوتی ہیں۔ (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحات 761 اور 762)

84- یہ جنگ علاقہ شاش میں دریائے ترک کے کنارے پر 1394ء مطابق 797ھ میں ہوئی۔ (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحات 747-750)

85- یاد رہے کہ توقتمش کی فوج نے سات سال قبل ماسکو کو جلایا تھا اور تیمور نے سنہری غول سے اس کی دولت چھینی تھی۔ ماسکو اس کی نظر میں پچاس ہزار باشندوں کا ایک معمولی قبضہ تھا۔ اکثر مؤرخ اس پر مصر ہیں کہ اس نے ماسکو کا محاصرہ کیا تھا مگر روسی وقائع نگار خاموش ہیں، البتہ جب لتھوانیا کے ڈیوک ویٹولڈ ویٹوٹ نے اس کے چار سال بعد ان تاتاریوں کے خلاف مذہبی جنگ کا اعلان کیا جو جنوبی روس میں مقیم ہو گئے تھے تو وہ تاتاری

خوانین نے لتھوانیا پولینڈ اور گیلیشیا کی فوجوں اور "گرینڈ ماسٹر آف ٹیوٹانک نائٹس" کو بری طرح شکست دی۔ یہ تیمور ہی کی تلوار کا صدقہ تھا کہ روسیوں نے مغلوں کا طوق غلامی اتار پھینکا۔ یہ 1399ء کا واقعہ ہے۔ ویٹولڈ جو ہاورتھ کے بیان کے مطابق یورپ کا مسلمہ طاقتور ترین بادشاہ تھا' پولینڈ اور جنوبی روس میں پیش قدمی کر کے کیف اور سمالنسک پر قبضہ کر چکا تھا' اس بنا پر تیمور کی توقتمش سے آخری لڑائی کے بعد اسے تاتاریوں سے بھڑنا پڑ گیا۔ توقتمش نے اس کے پاس پناہ لی۔ تو اس اثنا میں روس سے واپس جا چکا تھا مگر جن دو تاتاری سرداروں' نوغائی قبیلے کے امیرایدیکو اور اس کے پروردہ تمور قتلق خان' نے اس کی توقتمش کے خلاف امداد کی تھی' کئی سال اس کے دربار میں رہ چکے تھے اور اب والگا اور سطح مرتفع پر قابض تھے' انہوں نے ویٹولڈ کو یہ پیغام بھیجا کہ توقتمش کو ان کے حوالے کیا جائے اس پر ویٹولڈ نے' جو پولینڈ کے بادشاہ کا عم زاد اور ماسکو کے گرینڈ پرنس کا خسر تھا' تاتاری خان سے صلیبی جنگ لڑنے کی ٹھان لی۔ پولینڈ کی تاریخوں کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ویٹولڈ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس تیمور سے لڑنے جا رہا ہے جو سمرقند کا حاکم ہے۔ بہرکیف اس نے لتھوانیا کے نوابوں' اپنے پولینڈ کے حلیفوں اور پانچ سو صلیبی سرداروں کو جمع کیا اور ان سب کو لے کر تاتاریوں پر حملے کے لئے روانہ ہو گیا۔ تمور قتلق نے ایک قاصد کے ذریعے اس سے پوچھوایا کہ میں نے کبھی تمہاری مملکت پر حملہ نہیں کیا تو پھر تم مجھ پر چڑھائی کیوں کر رہے ہو؟ ویٹولڈ نے جواب میں یہ کہا کہ خدا نے مجھے تمام دنیا کا بادشاہ بنایا ہے۔ اب اس کا فیصلہ تم پر منحصر ہے کہ میرے بیٹے اور ماتحت بن کر رہو گے یا غلام بنو گے۔ اس کے علاوہ اس نے قتلق سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ اپنے سکوں پر لتھوانیا کا ٹھپہ لگائے۔ تاتاری خان نے جواب میں چپ سادھ لی اور جب فوجیں مقابل ہوئیں تو تحفے بھی بھیجے مگر اصل میں وہ اپنے پختہ کار حلیف ایدیکو کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جب ایدیکو پہنچا تو اس نے عیسائی بادشاہ کی شرطیں ماننے سے انکار کیا اور اس سے ملنے کی خواہش کی۔ ایک چھوٹے سے دریا کے کنارے پر ان دونوں کی ملاقات ہوئی۔ ایدیکو کو مذاق کرنے کی عادت تھی۔ اس نے ویٹولڈ سے کہا کہ آپ عمر میں ہمارے خان سے بڑے ہیں اس لئے اس نے آپ کو باپ کا رتبہ دے کر سعادت مندی دکھائی ہے مگر چونکہ آپ مجھ سے چھوٹے ہیں اس لئے آپ میرے بیٹے بنیے اور لتھوانیا کے سکوں پر میرا چہرہ کندہ کرائیے! اس پر ویٹولڈ غصے میں بھرا ہوا اپنے معسکر میں واپس چلا گیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کراکو کے حاکم نے اسے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کا مشورہ دیا مگر اس نے یہ مشورہ رد کر دیا اور

لتھوانیا کے شیخی خورے سرداروں نے حاکم کراکو کو بزدلی کا طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم موت سے ڈرتے ہو تو ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ کیونکہ ہم خدا کی راہ میں جانیں قربان کرنے جا رہے ہیں۔ غرض انہوں نے من مانی کی اور تاتاریوں کے خلاف پیش قدمی شروع کر دی۔ عیسائیوں کے پاس کچھ چھوٹی دستی توپیں بھی تھیں اور انہیں یقین تھا کہ اس نئے ہتھیار سے تاتاریوں کی صفیں الٹ دیں گے' مگر وہ اس بھونڈے ہتھیار سے تاتاری شہسواروں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے کیونکہ وہ ایک تو بڑی سرعت سے جگہ بدل لیتے تھے دوسرے کھلی جگہ میں پھیل کر لڑ رہے تھے۔ جب قتلق نے عیسائیوں کے عقب پر حملہ کیا ان کی گنجان صفیں ٹوٹ گئیں اور افراتفری کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی۔ ویٹولڈ' لتھوانیا کے ان سرداروں سمیت جو لڑائی سے پہلے ڈینگیں مار رہے تھے' سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اس کی دو تہائی فوج میدان جنگ میں کھیت رہی۔ بہادر حاکم کراکو اور اسمالنسک اور گیلیشیا کے نواب بھی کام آئے۔ تاتاریوں نے بھاگتی ہوئی فوجوں کا دریائے ڈینپر تک تعاقب کیا۔ کیف والوں نے تاتاریوں کو خراج دینے پر آمادگی ظاہر کی اور تاتاری ویٹولڈ کی مملکت کو پولینڈ تک تاراج کر کے واپس آئے۔ مورخوں نے اس لڑائی کو کوئی اہمیت نہیں دی چنانچہ تاریخوں میں اس کا سرسری طور سے ذکر آتا ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ اس لڑائی سے یورپ کے حالات کا رخ پلٹ گیا۔ پولینڈ والوں اور لتھوانیا والوں کے تاتاریوں سے شکست کھا کر تباہ ہونے سے روسیوں کے سب سے بڑے دشمنوں کا خاتمہ ہو گیا جن سے وہ تاتاریوں سے بھی زیادہ خوف زدہ رہتے تھے۔ ادھر ویٹولڈ نے تاتاریوں سے پٹنے کا غصہ پروشیا اور جرمن سرداروں پر اتارا اور پولینڈ کے بادشاہ کو ساتھ لے کر ان پر بڑا زبردست حملہ کیا اور ان کی طاقت کو کچل کر رکھ دیا۔

86- کھوکھلے درخت والے (جیب السیر۔ جزو اول حصہ سوم' صفحہ 6' سطور 10-11)

87- خداوند برف (" " " 13-14)

88- خراسان میں نیشاپور کے شمال مشرق کی طرف تقریباً اسی میل پر ہے۔

89- عراق میں بغداد سے تیس میل شمال کو دجلہ کے کنارے پر ہے۔

90- تاتاریوں میں یہ رواج تیمور سے پہلے سے چلا آ رہا تھا کہ ان کے بادشاہ کسی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد دشمن کے مقتول سپاہیوں کے سروں کے مینار بنایا کرتے تھے۔ مگر یورپ میں ایشیا کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں اس طرح کے مینار بنانے کو تیمور کے ساتھ مختص کر دیا گیا اور وہاں ہر زمانے میں ایسی کتابوں میں یہی لکھا جاتا رہا کہ

تیمور کے بنائے ہوئے یہ مینار دیکھنے میں بڑے بھیانک ہوتے تھے اور ایسے مینار بنانا بڑی مکروہ حرکت تھی۔ مگر تیمور کے اس قسم کے کاموں کو آج کل کی تہذیب کے پیمانے سے نہیں ناپا نہیں جا سکتا۔ تیمور نے جو خونریزی کی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کرتے وقت یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ اس دور میں ہر جگہ اسی طرح خون بہایا جاتا تھا۔ تاتاری فاتح جس ماحول کی پیداوار تھا اس میں رحم کھانے کو عام طور سے کمزوری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ تیمور کے ہمعصر ایشیائی بادشاہ ہرات کا ملک اور دیگر تاجدار بھی ایسے ہی کلہ مینار بناتے تھے جیسے تیمور نے بنائے' فرق صرف اتنا تھا کہ وہ تیمور کے کلہ میناروں جتنے اونچے نہ ہوتے تھے۔ اس دور کے یورپی بادشاہ بھی اس معاملے میں تیمور سے کچھ کم نہ تھے۔ بلیک پرنس نے لموگ کو انتہائی بیدردی سے تاراج کیا اور برگنڈی کے چارلز نے ڈنانٹ کے مقام پر انسانوں کو اس طرح قتل کیا جیسے بھیڑیا' بھیڑوں کا تیا پانچہ کرتا ہے۔ ایجن کور کے مقام پر انگریزوں نے لڑائی میں جو فرانسیسی قید کئے انہیں صرف اس لئے قتل کر دیا کہ آخری معرکے سے پہلے پہلے ان سے فارغ ہو لیں۔ نکوپوس کی لڑائی سے پہلے انگریز جرمن اور فرانسیسی صلیبی جنگ آزماؤں نے سربیائی اور ترک قیدیوں کو قتل کر دیا۔ تیمور کے حکم سے جو قتل عام کئے جاتے تھے وہ اس قسم کی خونریزی سے صرف اس لحاظ سے مختلف تھے کہ اس سے زیادہ وسیع پیمانے پر کئے جاتے تھے۔

کرنال سائیکس نے اس نکتے کی وضاحت یوں کی ہے کہ تیمور جب کبھی قتل عام کا حکم دیتا اسے کسی اہم جنگی ضرورت کی وجہ سے ایسا کرنا پڑتا۔ اب اگر یہ بات مشتبہ بھی ہو تو کم از کم یہ تو صاف ظاہر ہے کہ تیمور اپنے دور کے اکثر بادشاہوں سے زیادہ رحمدل تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر محاصرے میں پہلے دن تیمور کے خیمے پر سفید جھنڈا لہرایا جاتا تھا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا کہ اگر شہر کے باشندے چاہیں تو اطاعت قبول کر کے تباہی سے بچ سکتے ہیں۔ اگر محصور لوگ اطاعت قبول نہ کرتے تھے تو اگلے دن سرخ جھنڈا لہرایا جاتا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اگر شہری اب بھی مطیع ہو جائیں تو صرف ان کے سرداروں کے سر قلم کئے جائیں گے۔ اگر وہ اب بھی نہ مانتے تو کالا جھنڈا لہرا دیا جاتا کہ اب ہلاک کر دیئے جانے کے علاوہ اور کسی بات کی توقع نہ رکھیں۔ اس بات کا کوئی ثبوت تو پیش نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کہانی سچی ہے مگر تیمور باتیں ایسی ہی کیا کرتا تھا۔ اور ان کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ اہل ہرات سے پہلے محاصرے میں نرمی برتی گئی مگر دوسرے محاصرے میں ان پر لرزہ خیز مظالم توڑے گئے۔ بغداد نے پہلی بار خراج دے دیا تو بچ گیا مگر دوسری بار سرتابی

تو اسے برباد کر دیا گیا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ تیمور نے اورگنج کو کھنڈروں میں تبدیل کر تھا مگر آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شہر دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

اگر تیمور چنگیز خاں جیسا ظالم ہوتا تو کسی شہر کے دوبارہ محاصرے کی نوبت نہ آتی۔ ہاں صحیح ہے کہ وہ بغاوت کو کچلنے میں ذرا بھی رحم نہ کرتا تھا۔ اس نے اپنے ماتحتوں اور فیقوں پر کبھی ظلم نہیں کیا' البتہ دشمنوں پر ذرا بھی رحم نہ کھاتا تھا اسی لئے انہیں سنگدل ر شتی معلوم ہوتا تھا۔ ایک عرب شاہ ایسا مؤرخ ہے جسے اس سے نفرت تھی' باقی سب یشیائی مؤرخ اس کے مظالم کے ذکر سے زیادہ اس کے شاندار کارناموں کی تعریفیں کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تیمور نے لڑائیوں میں اوروں کی جانیں بہت زیادہ تعداد یں ضائع کیں۔ مگر وہ اپنی جان کو بھی تو خطرے میں ڈال دیا کرتا تھا۔

91- ظفرنامے میں اس مقام پر یہ لکھا ہے کہ اہل تکریت کے سروں کے مینار اوروں کو عبرت دلانے کے لئے چنے گئے اور ان کے گھروں کو اس آیت کا مصداق کر دیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "یہ گھر ان کے ہیں جو برباد ہوئے اپنے ظلموں سے۔" اور ان کا حال اس ارشاد خداوندی کے مطابق ہوا کہ "ہم نے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے اور کیا ہم ناشکروں کے سوا اور کسی کو سزا دیتے ہیں؟"

92- قدیم ایام کی ملکہ شام جو روایت کے مطابق قمری بن کر اڑ گئی تھی۔ شام میں اس کی پرستش ہوتی تھی۔ اس نے ایران پر بھی حکومت کی تھی۔

93- Persian Literature Under Tatar Domination از ای۔ جی۔ براؤن۔

94- فٹز جیرالڈ نے عمر خیام کی جس رباعی کا انگریزی زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے :

آں چرخ فلک کہ ما درو حیرانیم
فانوس خیال ازو مثالے دانیم
خورشید چراغ دان و عالم فانوس
ما چو صوریم کا ندرو حیرانیم

95- شاہ جہاں کا اصل خط "تاریخ مفصل ایران" از عباس اقبال میں درج ہے (دیکھئے صفحات 437 اور 438)۔ لیم نے اس کا آزاد ترجمہ کیا ہے جس سے اس کا مضمون بدل گیا

ہے۔

96- اس کی کوئی سند نہیں ملی کہ شاہ شجاع نے احمد جلایر کو بھی خط لکھوایا تھا۔ دیکھئے تاریخ مفصل ایران۔ از عباس اقبال۔ صفحات 437-438۔

97- علی کچہ پابیان (ظفرنامہ۔ جلد اول۔ صفحہ 432)

98- ظفرنامہ کی جلد اول کے صفحات 432 تا 435 کی عبارت میں یہ نام محمد پسر خطائی بہادر درج ہے۔

99- ظفرنامے میں یہ لکھا ہے کہ جہانگیر کی موت کے بعد خان زادہ کا میراں شاہ سے عقد ہو گیا تھا۔ پھر جب اس نے خان زادہ پر تہمت لگائی تو اس نے سمرقند پہنچ کر تیمور سے شکایت کی (جلد دوم۔ صفحہ 205)

100- ایک پیر محمد' دوسرا سلطان محمد۔ خان زادہ کے ہاں میراں سے امیرزادہ خلیل پیدا ہوا تھا۔

101- "گورگاں" یا "کورکاں" کے معنے ہیں داماد شاہاں یا شاہوں کا قرابت دار۔ دیکھئے النجوم از ابن طغری بردی۔ جلد ششم۔ صفحہ 73' سطر 21 اور صفحہ 279 سطر 19۔

102- یہ محمود خاں تھا' جو 790ھ میں چنگیز کے منجھلے بیٹے چغتائی کے وارث سیر غتمش کا جانشین ہوا تھا۔ چونکہ تاتاری قانون کے مطابق شاہی خاندان کا ایک ہی فرد بادشاہ بن سکتا تھا اس لئے تیمور نے محمود کو بادشاہ بنا دیا اور حکمرانی خود کرتا رہا۔ اس نے یہ کارروائی سلطان امیر حسین کو ہلاک کروانے کے بعد 771ھ مطابق 1370ء میں کی تھی۔ تیمور نے محمود کی ماں سے شادی کر لی تھی۔ دمشق میں جب تیمور اور مشہور مؤرخ ابن خلدون کی ملاقات ہوئی تو دوران گفتگو میں تیمور نے کہا کہ "میں محض تخت کا نمائندہ ہوں' بادشاہ وہ ہے۔" اور عقب میں کھڑے ہوئے لوگوں کی قطار کی طرف اشارہ کیا جس میں محمود کھڑا تھا۔ فی الحقیقت تیمور "بادشاہ" یا "صاحب التخت" نہیں تھا۔ یہ منصب "برائے نام بادشاہ" محمود ہی کا تھا۔ دیکھئے ابن خلدون اینڈ ٹیمرلین صفحہ 37' سطور 10 تا 15 اور صفحہ 86 سطور 7 تا 46-

103- ذوالقرنین دراصل ایران کے ایک بادشاہ کورش کا قرآنی لقب ہے۔ دیکھئے تفسیر مولانا ابوالکلام آزاد۔

104- یعنی چغتائی یا جتہ۔

105- یعنی ایک دن رات میں پچاس سے لے کر ستر میل تک۔

106- اسپین۔

107- اسی سے بعض تاریخوں میں یہ غلط بات درج ہو گئی کہ تیمور نے اپنے سرداروں کو ایک دن میں ساٹھ میل کا سفر کرنے کا حکم دے رکھا تھا (مصنف)۔

108- یہ تفصیلات جن کا قدرے اختصار کر لیا گیا ہے کلاویہو کی کتاب

Narrative of the Spanish Embassy to the Court of Timur at Samarkand in the year 1403-1406

کے صفحات 1402 تا 1403 سے لی گئی ہیں۔

109- تمام ممکن الحصول تاریخی مواد سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت چین کے دارالحکومت کو چھوڑ کر دنیا کا سب سے بڑا شہر تبریز تھا۔ سمرقند' دمشق اور بغداد اس سے چھوٹے تھے گو ان کی سرکاری عمارات زیادہ قابل دید تھیں اور چودھویں صدی کی روم یا وینس کی عمارات سے زیادہ وسیع اور شاندار تھیں۔ ایشیا کے اس مرکزی شہر کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لئے آپ کو تصور سے کام لینا پڑے گا کیونکہ آج کل تو یہ ایک شکستہ حال اور اونگھتا ہوا سا ایک شہر ہے جو بحیرہ خزر اور ارمینیا کے درمیان چھپا پڑا ہے اور اپنے پڑوسی شہر موصل سے بھی زیادہ غیر معروف ہے' جس کا نام کم از کم اس کے تیل چشموں کی وجہ سے ہی کبھی کبھی اخباروں میں تو آ جاتا ہے۔ تبریز' جسے قدیم ترین یورپی مورخ کبھی کبھی توریز بھی' کہہ دیتے تھے' تیمور کے عہد میں عالمی تجارت کا مرکز تھا کیونکہ تبریز کے مقام پر خراسانی شاہراہ جنوب کی اس سڑک سے ملتی تھی جو بغداد' ایران اور خلیج فارس کو جاتی تھی۔ مارکوپولو نے 1270ء کے لگ بھگ اس کے بارے میں یہ لکھا تھا کہ یہ ایک عظیم الشان اور شاندار شہر ہے اور محل وقوع کے لحاظ سے ایسی عمدہ جگہ واقع ہے کہ بغداد' ہندوستان اور گرم خطوں تک سے مال تجارت یہاں پہنچتا ہے۔ اس میں باہر سے آئے ہوئے ارمنی' نسطوری' یعقوبی' جارجیائی اور ایرانی سبھی نظر آتے ہیں' مقامی باشندے جو مسلمان ہیں ان کے علاوہ ہیں۔ وینس کی پرانی کتابوں کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1341ء میں وہاں جنوآ والوں کا ایک کارخانہ تھا۔ ایک مشہور ایرانی مورخ رشید الدین لکھتا ہے کہ تبریز میں شہنشاہ اسلام (ایل خانی غزن خان) کے زیر سایہ ہر مذہب و ملت کے فلسفی' منجم' ادیب اور مؤرخ' اور عرب' یورپی ممالک چین' ہند' کشمیر اور تبت کے لوگ اور اویغور اور دوسرے ترک قبیلوں کے افراد جمع تھے۔ دو اور مؤرخوں ابن سید اور مستوفی کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محیط' مضافات کو شامل کر کے' پچیس ہزار قدم تھا۔

مساجد دارالعلوم اور شفاخانوں کی دیواروں پر سامنے کے رخ کانشی کی منقش اینٹیں یا سنگ مرمر یا چونے کا پتھر لگایا جاتا تھا۔ سرایوں اور مہمان خانوں کے علاوہ دو لاکھ گھر تھے‘ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آبادی بارہ تیرہ لاکھ کے قریب تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک دفعہ زلزلہ آیا تھا تو اس سے چالیس ہزار کے قریب آدمی مرے تھے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ تبریز میں ایک پورا بازار مشک فروشوں کا اور اسی طرح ایک اور پورا بازار عنبر فروشوں کا تھا اور ”جب میں جوہریوں کے بازار سے گزرا تو میری آنکھیں ان کی چمک دمک سے خیرہ ہو گئیں۔“ ان جوہریوں کی دکانوں پر خوش پوش غلام تاتاری خواتین کو ہیرے جواہرات دکھا رہے تھے۔ یورپ کے ملکوں سے بہت سے پادری لوگ بھی سیاحت کرتے ہوئے تبریز پہنچتے تھے۔ ان میں سے ایک جورڈین ڈی سیوریاک 1320ء میں تبریز وارد ہوا تو اس نے اس شہر کی بڑی تعریف کی۔ ایک اور پادری فیرا اوڈیرک بھی اسی زمانے میں تبریز پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ شہر تجارت کے لحاظ سے دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس میں ہر شے بافراط ملتی ہے اور یہ اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کے بارے میں جو کچھ کہا جائے انسان اس وقت تک باور نہیں کر سکتا جب تک وہ اس شہر کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے۔ سترہویں صدی عیسوی میں اس کی آبادی گھٹ چکی تھی مگر اس زمانے میں بھی‘ ایک سیاح جارڈین کے بیان کے مطابق‘ ساڑھے پانچ لاکھ سے زیادہ تھی‘ سمرقند جیسا شہر بھی‘ جس کا محیط‘ مضافات کو چھوڑ کر دس ہزار قدم تھا‘ تبریز سے چھوٹا تھا۔ سمرقند کے بارے میں قستالیہ کے بادشاہ کا سفیر کلاویہو لکھتا ہے کہ اس کے حصار کے اندر اندر بسنے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔ کلاویہو تبریز بھی گیا تھا۔ اس نے اس شہر کے حالات لکھے ہیں۔ تیمور تبریز میں پہلی مرتبہ کلاویہو کے وہاں پہنچنے سے کوئی پندرہ سال پیشتر داخل ہوا تھا۔ گویا کلاویہو نے تبریز کے جو حالات لکھے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیمور کے دور میں اس شہر کی کیا حالت تھی اور وہ مفتوحہ شہروں کی نگہداشت کرنے اور انہیں ترقی دینے کی کتنی اہلیت رکھتا تھا۔ یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ تیمور نے اس شہر کی بعض عمارتیں جلا دی تھیں مگر یہ بات بڑی عجیب ہے کہ ان کے باقیات پر آتشزدگی کے نشان نظر نہیں آتے یہ درست ہے کہ تیمور جن شہروں پر حملہ کرتا تھا ان میں خاصی تباہی و بربادی ہوتی تھی مگر جو شہر لڑے بغیر مطیع ہو جاتا تھا اس کے باشندوں پر وہ سختی نہ کرتا تھا اور یہ حکم دے دیا کرتا تھا کہ مسجدوں دارالعلوم‘ مدرسوں‘ مزاروں اور آبپاشی کے وسائل کو تباہ ہونے سے بچایا جائے۔ جن شہروں کو اس نے تباہ کیا ان میں سے اکثر کے دوبارہ تعمیر کئے جانے کے احکام جاری کئے۔

جن ایشیائی سیاحوں نے تیمور کی موت کے بعد ان شہروں کی سیاحت کی‘ جن پر تیمور حملہ آور ہوا تھا‘ ان کے سیاحت ناموں کے مطالعے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر اس کے حملوں کے باوجود آباد اور خوشحال تھے مگر یورپی تاریخوں میں انہی شہروں کو آتش زدہ کھنڈر بتایا گیا ہے۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ یورپی تذکرہ نویس صرف ان صوبوں سے واقف تھے جو سمرقند سے بہت دور تھے مثلاً جنوبی روس‘ مغربی ایشیائے کوچک‘ ساحل شام‘ ایران کا دھر جنوب کا حصہ اور ہندوستان۔ تیمور کو ان ملکوں کے تباہ شدہ شہروں کی مرمت یا دوبارہ تعمیر سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہاں سے تو جو کچھ ہاتھ لگا‘ وہ بھی اٹھا کر سمرقند لے آیا۔ اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ مملکت کے سرحدی علاقوں کو غیر آباد رکھا جائے اور اندرونی علاقوں کو تعمیر کر کے ترقی دی جائے۔ شاہرخ کی شاندار حکومت کا بھی جس میں ایران‘ سمرقند اور موجودہ افغانستان شامل تھے‘ بنیادی اصول یہی تھا۔ اس کے نتیجے میں ایرانی فن تعمیر کا وہ سنہری دور شروع ہوا جس میں غزنی سے تبریز تک کے دو ہزار میل کے علاقے میں‘ جو لمبائی میں پورے یورپ جتنا تھا‘ خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہوا۔ اس علاقے کو تیموری تعمیرات کا علاقہ کہا جا سکتا ہے۔ صدیوں تک یورپی اقوام کو تبریز کے سوا اس علاقے کے اور کسی شہر کے وجود کا علم تک نہ تھا۔

اس کتاب میں تیمور کے کردار کے تاریک پہلو کو یا اس نے جو تباہی پھیلائی اسے چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مگر اس نے جو اچھے کام کئے ان پر بھی پردا نہیں ڈالا گیا ہے۔ دور جدید کے ایک مصنف نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ چنگیز خاں سے زیادہ خوفناک تھا۔ مگر آج کل ہی کے مستشرقین اس حقیقت کو بھی بے نقاب کر رہے ہیں کہ تیموری تہذیب بڑے اعلیٰ پائے کی تہذیب تھی۔ بہرحال کلاویہو نے تبریز کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے دائیں طرف کی پہاڑیوں سے ایک دریا نکلتا ہے جو شہر کے اندر سے گزرتا ہے اور اس کا پانی بہت سی نہروں ندیوں اور نالیوں کے ذریعے شہر کے مختلف مقامات پر پہنچایا جاتا ہے گلیاں صاف ستھری ہیں‘ ان کے دونوں طرف اونچی اونچی عمارتیں ہیں۔ ان کے کئی کئی دروازے ہیں اور ان دروازوں کے اندر دکانیں ہیں جن کی حفاظت کے لئے پہرے چوکی کا انتظام ہے‘ ان پر کپڑا‘ ریشم‘ روئی اور ضرورت کی دیگر چیزیں بکتی ہیں‘ غرض اس شہر میں بڑی تجارت ہوتی ہے۔ ایک جگہ ایسی ہے جہاں صرف عطریات اور غازہ بکتا ہے اور یہاں بہت سی عورتیں صرف یہی سامان خریدنے آتی ہیں۔ یہ عورتیں سفید چادروں میں لپٹی ہوتی ہیں‘ جن میں آنکھوں کی جگہ گھوڑے کی دم کی جالی لگی

ہوتی ہے۔ عمارتوں کو، جو بڑی عالیشان بنی ہوئی ہیں، پچی کاری اور سنہرے اور فیروزی رنگ کے نقش و نگار سے مزین کیا گیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عمارتیں بڑے بڑے امیروں نے بنوائی تھیں۔ چونکہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہنا چاہتے تھے اس لئے ہر ایک نے زیادہ سے زیادہ شاندار عمارت تعمیر کرائی اور اس پر جی کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ ان میں سے ایک عمارت بہت بڑی عالیشان اور بیحد خوبصورت ہے۔ اس کے گرداگرد دیوار ہے اور اندر بے شمار کمرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسے سلطان اویس نے اس رقم سے تیار کرایا تھا جو اسے شاہ بابل سے ملی تھی۔ دراصل یہ شہر اس مال تجارت کی وجہ سے دولتمند بنا ہوا ہے جو یہاں سے گزر کر دوسرے شہروں میں بکنے جاتا ہے۔ کہتے ہیں پہلے اس کی آبادی اور بھی زیادہ تھی مگر اب بھی اس میں دو لاکھ گھر ہیں اور بہت سے بازار بھی ہیں جن میں طرح طرح کے سالن اور انواع و اقسام کے پھل ملتے۔ تبریز کے داروغہ نے ہم سفیروں کی بڑی تکریم کی۔ یہاں بہت سی ایسی خوبصورت مسجدیں اور نفیس حمام ہیں کہ ان جیسی مسجدیں اور حمام میرے خیال میں اور کہیں نہیں ہیں۔ جب سفیروں نے وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کے اور ان کے ساتھیوں کے لئے گھوڑے حاضر کئے گئے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ یہاں ہر وقت گھوڑے تیار رکھے جائیں اور جو لوگ اس کے حضور میں آ رہے ہوں انہیں پیش کر دیئے جائیں، راستے میں بھی اسی طرح گھوڑے ملتے رہتے۔ یہاں سے سمرقند تک ڈاک کا انتظام بھی ہے (مصنف)

110- جب مارکو پولو ایران میں سے گزر رہا تھا اس وقت اس نے حسن بن صباح اور اس کے معتقدوں کے متعلق بہت سے قصے سنے جاتے تھے، جو حشیشین کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے صلیبی لشکروں کو بہت تنگ کیا تھا۔ انہوں نے ان کے لئے لفظ حشیشین وضع کیا تھا۔ انگریزی لفظ (Assassins) قاتل اسی سے بنا۔ حشیشین لوگوں کو خنجر دکھا دکھا کر پہاڑی علاقوں پر قابض ہو چکے تھے۔ مارکو پولو نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے کہ اس میں افسانے کی بہ نسبت حقیقت زیادہ ہے اس کے بیان کا جو اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ یہ مارکو پولو کے اس سفرنامے سے لیا گیا ہے جو یوں کارڈیر ایڈیشن کہلاتا ہے اور مستند سمجھا جاتا ہے۔ اس نے ان کے سردار کو شیخ الجبل لکھا ہے جس کا انگریزی مترادف Old Man of the Mountain ہے۔ بہرحال وہ لکھتا ہے: شیخ الجبل کو وہ اپنی زبان میں علاء الدین کہتے تھے۔ اس نے دو پہاڑوں کے درمیان کی ایک وادی کو دونوں طرف سے بند کروا کے ایک باغ میں تبدیل کر لیا تھا اور اس میں ہر قسم کے پھلدار درخت

لگوا لئے تھے۔ اس سے زیادہ وسیع اور خوشنما باغ آج تک کہیں نہیں دیکھا گیا۔ اسی طرح اس میں ایسی بارہ دریاں اور ایسے عالیشان محل تعمیر کئے گئے تھے کہ ان سے زیادہ نفیس عمارتوں کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ان سب کے در و دیوار پر سونے کا پانی پھرا ہوا تھا اور جابجا نظرنواز نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اس باغ میں شراب، دودھ، شہد اور پانی کی نہریں اور بہت سی حسین و جمیل لڑکیاں اور عورتیں بھی تھیں۔ یہ ہر قسم کے ساز بجانے اور ناچنے میں کمال رکھتی تھیں اور ان کا رقص تو ایسا جادو اثر ہوتا تھا کہ دیکھنے والے مسحور ہو جاتے تھے۔ شیخ یہ چاہتا تھا کہ اس کے معتقد اسے سچ مچ کی جنت سمجھیں اس لئے جنت کے سارے لوازم جمع کر دیئے تھے اور ادھر کے لوگ اسے جنت ہی سمجھتے تھے۔ اس باغ میں صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے تھے جنہیں وہ اپنے حشیشین بنانا چاہتا ہو۔ باغ کے دروازے پر ایک قلعہ تھا جو اتنا مضبوط تھا کہ ساری دنیا مل کر حملہ کرے تو بھی سر نہ ہو۔ اندر داخل ہونے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ شیخ اپنے دربار میں بارہ سال سے بیس سال تک کی عمر کے ایسے نوجوان رکھتا تھا جنہیں سپاہیانہ زندگی کا شوق ہو اور ان کے سامنے اپنی جنت کا تذکرہ کرتا رہتا تھا تاکہ ان کے دل میں شوق کی آگ بھڑک اٹھے۔ پھر وہ انہیں چار چار چھ چھ یا دس دس کی ٹولیوں میں اس جنت کے اندر داخل کرتا مگر اس سے پہلے ایک عرق حشیش پلا دیتا جس سے انہیں نیند آ جاتی اور وہ انہیں اسی حالت میں اٹھوا کر باغ میں لے جاتا تاکہ جب جاگیں تو خود کو جنت میں پائیں۔ اور یہ نوجوان جب آنکھ کھلتے ہی اپنے کو اتنی دلفریب جگہ میں پاتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ واقعی جنت میں ہیں۔ حسین لڑکیاں اور عورتیں انہیں آن گھیرتیں اور وہ ان کے ساتھ جوانی کے کھیل جی بھر کے کھیلتے رفتہ رفتہ ان کی حالت ایسی ہو جاتی کہ اگر ان کا بس چلتا تو ہرگز وہاں سے باہر نکلنے کو تیار نہ ہوتے۔

اس سردار کا دربار، جسے ہم نے شیخ الجبل کہا ہے، بڑا شاندار اور باوقار تھا، اور اس نے اپنے گردوپیش کے سادہ لوح کوہستانی باشندوں کو اس بات کا قائل کر لیا تھا کہ وہ پیغمبر ہے۔ جب وہ حشیشین میں سے کسی کو کسی مہم پر بھیجنا چاہتا تو اسے پھر حشیش پلا دیتا اور جب وہ سو جاتا تو اسے جنت سے اپنے محل میں اٹھوا لاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جب وہ نوجوان جاگتا تو خود کو جنت کے بجائے محل میں پا کر ناخوش ہوتا۔ اب اسے شیخ کے حضور میں پیش کیا جاتا جس کی وہ تعظیم بجا لاتا کیونکہ اسے یقین ہوتا کہ میں پیغمبر کے حضور میں ہوں۔ شیخ اس سے پوچھتا کہ تم کہاں سے آئے ہو، وہ جواب دیتا کہ جنت سے آیا ہوں۔

اس کے منہ سے یہ بات سن کر حاضرین کے دلوں میں جنہیں ابھی وہاں جانے کی اجازت نہ ملی ہوتی "جنت" میں پہنچنے کی خواہش مچلنے لگتی۔ جب کبھی شیخ کسی شہزادے یا بادشاہ کو قتل کرانا چاہتا اس قسم کے کسی نوجوان سے کہتا کہ جاؤ اسے قتل کر آؤ' جب تم واپس آؤ گے تو میرے فرشتے تمہیں پھر جنت میں پہنچا دیں گے۔ مذکورہ نوجوان اس کے ہتھکنڈوں سے اس پر ایمان لا چکا ہوتا اس لئے وہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لئے بڑے سے بڑا خطرہ جھیل جاتا کیونکہ اس کی دلی خواہش یہ ہوتی کہ اسی جنت میں پھر پہنچ جاؤں جس کی سیر کر چکا ہوں۔ اس ترکیب سے شیخ الجبل نے جسے چاہا مروا دیا۔ اسی لئے تمام بادشاہ اس سے خائف رہتے تھے اور اس کے باجگذار بن جاتے تھے تاکہ وہ ان سے خوش رہے۔ ایشیا کے جن مشاہیر کو حشیشین نے قتل کیا ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس میں مصر کا ایک خلیفہ' حلب' دمشق اور موصل کے حکمراں' طرابلس کا عیسائی بادشاہ ریمنڈ اور مونٹسیراٹ کا کانرڈ جیسے افراد شامل ہیں البتہ کانرڈ کے متعلق ایک عرصے تک یہ مشہور رہا کہ اسے رچرڈ نے قتل کرایا تھا۔ حشیشین نے یہ غلطی کی کہ ایک مغل شہزادے کو قتل کر دیا۔ اس پر مغلوں نے ان کے بیشتر قلعے منہدم کر دیئے۔ رہے سہے قلعے تیمور نے گرا دیئے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مارکو پولو کا سفر نامہ شائع کردہ پول کارڈیئر جوئیول کی تاریخ اور کواٹرے میرے کا' رشید الدین کی تاریخ مغول ایران کا ترجمہ (مصنف)

-111 جس گروہ کے لئے یورپ کے صلیبی جنگ بازوں نے حشیشین کا ہتک آمیز نام وضع کیا یہ فرقہ اسمعیلیہ کا ایک گروہ تھا۔ اسلامی تاریخ میں حشیشین نام کا کوئی گروہ نہیں ہوا۔ صوبہ جبال میں ایک شہر قزوین نام تھا۔ اس کے شمال مغرب کے پہاڑوں پر فرقہ اسمعیلیہ کا یہ گروہ قابض تھا۔ اسی طرح صوبہ رودبار کی سرحد سے ملے ہوئے پہاڑی علاقے پر بھی اس کا قبضہ تھا۔ یوں کل ملا کر کم و بیش پچاس قلعے ایسے تھے جن پر یہ گروہ حکومت کیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی ایک ریاست قائم ہو گئی۔ اس ریاست کے آٹھ فرمانروا گزرے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا شاہی لقب شیخ الجبل ہوا کرتا تھا۔ مارکو پولو نے جس علاء الدین کا ذکر کیا ہے یہ ساتواں شیخ الجبل تھا۔ اس کا زمانہ حکومت 515ھ مطابق 1220ء سے لے کر 653ھ مطابق 1255ء تک ہے۔ اس نے قلعہ الموت میں حکومت کی تھی۔ دیکھئے اسلامک انسائیکلوپیڈیا۔ جلد اول۔ صفحات 491-492- نیز جغرافیہ خلافت مشرقی از لی اسٹرینج۔ صفحات 220-221-

یہ اس سال کی بات ہے جب میراں شاہ کی شراب خوری اور احمقانہ حرکتوں سے بحیرہ

خزر کے جنوب کے تاتاری صوبے کا نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔ تیمور اس وقت کہیں اور (یعنی پہلے شمال میں تو قتمش کے آخری حملے کو روکنے اور پھر ہندوستان کی مہم میں) مصروف تھا۔ اس کی مہمات کو تاریخ وار پیش کرنے کے لئے تمام راستوں کی ایک فہرست اور ہر لحہ بدلتے ہوئے نقشے درج کرنے کی ضرورت ہوتی' اس لئے ہر واقعے کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ (مصنف)

-112 سوداگروں کے شہر۔ (ان دنوں جرمنی میں خاص خاص شہروں کو خصوصی تجارتی حقوق حاصل تھے' انہیں "ہانسی شہر" کہتے تھے۔

-113 **ان الذین یجاہدون لانفسھم اور لحلستھم او لا کلمتھم لا ینظرالیہ الیھم یوم القیامتہ و لکن ینظر الی من جاہد فی اللہ حق جہادہ۔** (ظفر نامہ)

-114 بی بی خانم کے بارے میں اتنی کہانیاں مشہور ہو گئی ہیں کہ یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہو گیا ہے یہ خاتون کون تھیں۔ تاریخ کی متعدد کتابوں میں لکھا ہے کہ تیمور نے کسی چینی شہزادی سے شادی نہیں کی البتہ منگلی خان کی بیٹی سے شادی کی تھی مگر اس شادی کے وقت تک بی بی خانم کے مقبرے کی کچھ عمارتیں تعمیر ہو چکی تھیں اور یہ خاتون ملکہ سرائے خانم بھی نہیں ہو سکتی۔ (مصنف)

-115 ما لعبتگانیم و فلک لعبت باز
از روئے حقیقی و نہ از روئے مجاز
بازیچہ ہمی کنیم بر نطع وجود
رفتیم بصندق عدم یک یک باز

-116 تقفور کا مطلب ہے شہنشاہ۔ ابن بطوطہ کی یہ فہرست شاید یورپی قاری کے لئے اس بنا پر باعث حیرت ہو کہ اس میں قسطنطنیہ کے حکمراں کو بھی عظیم قرار دیا گیا ہے جو اس دور میں چنداں قوی نہیں تھا۔ مگر خیال رہے کہ اس حکمراں نیز سلطان بغداد کو ان کی گزشتہ عظمت کی وجہ سے عالی مرتبہ بادشاہوں کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔ ان دو کے علاوہ اس فہرست کے باقی بادشاہ واقعی عظیم تھے۔ یورپ اس زمانے میں چھوٹی چھوٹی سلطنتوں اور نوابی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور اس نے جو فتوحات آگے چل کر کیں ان کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ جتنے صلیبی جنگ آزما ایشیا میں داخل ہوئے تھے وہ سب اس وقت تک یورپ واپس ہو چکے تھے اور ایشیا میں یہی سمجھا جاتا تھا کہ یورپ کا دارالسلطنت قسطنطنیہ ہے۔ (مصنف)

117- تیمور کی ہندوستان پر فوج کشی ایک مختصر سی مہم تھی۔ وہ دہلی کا محاصرہ نہ کرنا چاہتا تھا اس لئے اپنی فوج کو کھلے میدان میں رکھا اور وہاں خندقیں کھدوا لیں تاکہ ایسا معلوم ہو کہ کمزور ہے۔ اور ڈر رہا ہے۔ سلطان دہلی اس کے دھوکے میں آ گیا اور جنگ کرنے کے لئے کھلے میدان میں نکل آیا۔ یہی تیمور چاہتا تھا۔ ہندوستانی فوج کو شکست دینے کے بعد اس نے دہلی کو نہایت اطمینان سے لوٹا اور پھر جنوب کے شہروں کی طرف بڑھا۔ (مصنف)

118- کالے پتھر کا ایک قلعہ تھا جو تیمور نے ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنوایا تھا۔

119- مصنف نے لکھا ہے کہ تیمور کا استقبال شہر سمرقند کے باہر کیا گیا' مگر ظفر نامہ جلد دوم کے صفحات 189 اور 190 پر یہ لکھا ہے کہ یہ استقبال دریائے آمو کے کنارے پر کیا گیا۔

120- اس بات کے لئے کسی ثبوت یا دلیل کی ضرورت نہیں کہ تیمور کوئی متقی اور پرہیزگار مسلمان نہیں تھا بلکہ وہ ان انسانوں میں سے تھا جو ہر کام اپنی عقل سے کرتے ہیں۔ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مذہب کے بارے میں اس کے حقیقی احساسات کیا تھے مگر چونکہ یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ وہ ایک ایسا مسلمان تھا جس کے دل میں اسلام کی ترقی کا جذبہ موجزن تھا اس لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں شواہد تلاش کئے جائیں اور واضح ترین شواہد تیمور کے اپنے اعمال ہی ہو سکتے ہیں۔ تیمور نے اپنا کوئی اسلامی لقب نہیں رکھا حالانکہ جو مسلمان بادشاہ مذہب پرست تھے وہ اس قسم کے لقب ضرور اختیار کرتے تھے۔ اس نے اپنے علاوہ اپنے بیٹوں کے بھی اسلامی نام نہیں رکھے۔ ایک کا نام جہانگیر تھا' دوسرے کا شاہرخ تھا' البتہ اس کے پوتوں کے نام اسلامی تھے' جیسے پیر محمد وغیرہ۔ مگر یہ نام اس کے رکھے ہوئے نہیں تھے۔ اس نے علماء کی تقلید میں نہ کبھی سر منڈوایا' نہ عمامہ باندھا' نہ شرعی لباس پہنا۔ تاتاریوں کے پڑوسی ملکوں کے مسلمان تیمور اور تاتاریوں کو نیم مسلم اور اکثر اوقات لامذہب اور کافر کہتے رہے۔ اسلام کے حقیقی رہنما خلیفہ مصر اور سلطان ترکی تھے' جو راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ ان کی نظر میں تیمور لامذہب اور وحشی تھا (حالانکہ حقیقت میں نہیں تھا) اور وہ اسے ایک ایسا دشمن سمجھتے تھے' جس سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ اصل بات یہ تھی کہ تاتاری نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لئے سپاہی پہلے تھے مسلمان بعد میں تھے۔ تیمور نے یورپ کے عیسائی بادشاہوں سے دوستانہ تعلق قائم کرنے کی کوشش بھی کی حالانکہ ترک اس دور میں ان سے مذہب کے نام پر جنگیں لڑ رہے تھے۔ اس نے اپنے خطوط میں بھی اپنے نام کے ساتھ کبھی بادشاہ اسلام کا لقب نہیں لکھا جیسا کہ

عام طور سے مسلمان بادشاہ لکھا کرتے تھے۔ اس نے مسلمانوں کے مقدس شہروں مشہد' مکہ معظمہ اور بیت المقدس کی طرف کبھی کوئی توجہ نہ کی گو کوچ کے دوران میں راستے میں جو مزار یا زیارت گاہیں آ جاتیں ان پر ضرور جاتا گو یہ معلوم نہیں کہ دنیا کے دکھاوے کے لئے جاتا تھا یا عقیدت کی وجہ سے جاتا تھا۔ یہ بات' کہ وہ مذہبی احکام کی پابندی کرتا تھا اور اس نے بڑے شوق سے مسجدیں تعمیر کیں' چنداں اہمیت نہیں رکھتی' اس زمانے میں ہر جگہ روزمرہ زندگی مذہبی قوانین و رسوم کے تابع تھی اور صرف ایشیا میں نہیں یورپ میں بھی یہی ہوتا تھا۔ مسجدیں' مزار اور مدرسے رفاہ عامہ کے کام آتے تھے اس لئے انہیں تباہ کرنا مذہب کی صریح بے حرمتی ہوتی۔ تیمور کے بیشتر سپاہی پابند شرع مسلمان تھے' اس لئے اس نے اپنے طرز عمل میں ان کے رجحانات کا لحاظ رکھا۔ دو جگہ اس نے مسلمانوں کی جان بخشی کر دی مگر عیسائیوں کو قتل کروا دیا۔ دونوں جگہ محصور مقامات کے محافظ دستوں نے اس کا مقابلہ کیا تھا۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ عیسائیوں کی وجہ سے تاتاریوں کو بھاری نقصان پہنچا چنانچہ ان کو قتل کروا کے تیمور ایک مثال قائم کرنی چاہتا تھا' اس لئے اس واقعے کو اس کی مذہب پرستی کی مثال کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس ایک مرتبہ ماسکو کے قریب' دوسری مرتبہ قسطنطنیہ کے نزدیک اور تیسری مرتبہ جنوبی ہندوستان میں' ایسا موقع آیا کہ وہ عیسائیوں اور ہندوؤں پر لشکر کشی کر کے غازی کا لقب حاصل کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہ کیا کیونکہ اسے اپنے منصوبوں میں رد و بدل کرنا پڑتا۔ جارجیا کے عیسائی اس لئے کچل دیئے گئے کہ وہ اس کی راہ میں حائل ہو رہے تھے اور سمرنا ایشیائے کوچک کا ایک گڑھ تھا' اس لئے اس پر لشکر کشی ضروری تھی۔ اس بات کے واضح شواہد موجود ہیں کہ سمرقند اور تبریز میں یہودیوں' نسطوری عیسائیوں' ملکیوں اور دیگر غیر مسلموں کی بستیاں نیز گرجا تھے۔ کم از کم ایک مرتبہ اس نے اپنے ہاں کے عیسائیوں کے ایک بڑے اسقف کو اپنا سفیر بھی بنایا۔ مگر تیمور کے کٹر مسلمان نہ ہونے کا قطعی ثبوت ان مسلمان مورخوں نے پیش کر دیا ہے جو اس کے بڑے مداح ہیں۔ انہوں نے اسے ہر ممکن طریقے سے اسلام کا شیدائی ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ سنی تھا' اور بعض اسے شیعہ بتاتے ہیں حالانکہ خود اس نے اپنے بارے میں صرف یہ لکھا ہے کہ "میں خدا کا ایک بندہ تیمور ہوں۔" (مصنف)

مصنف نے تیمور کو مذہب سے بے تعلق یا بیگانہ ثابت کرنے کے لئے اوپر جو باتیں لکھی ہیں ان میں سے بعض باتیں محل نظر ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ چونکہ تیمور

نے اپنے نام میں کوئی اسلامی لقب شامل نہیں کیا اس لئے مصنف نے اس سے یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ اسے اسلام سے کوئی وابستگی نہیں تھی حالانکہ اس باب میں جس کا "عنوان مملکت" رکھا ہے خود کہ آیا ہے کہ ہرچند وہ ایک مطلق العنان فرمانروا اور ایک وسیع سلطنت کا مالک تھا۔ مگر نہ شہنشاہ کا لقب اختیار کیا نہ اپنی سلطنت کا کوئی نام رکھا جس کی وجہ یہ تھی کہ جن قبیلوں کو اپنے ماتحت متحد کر کے سلطنت بنائی تھی ان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس کا خود بادشاہ بننا یا سلطنت کا کوئی نام رکھنا قرین مصلحت نہ تھا۔ ممکن ہے کہ ایسی ہی کوئی مصلحت' جس کا ذکر تاریخوں میں نہیں ہے' اس کے اسلامی لقب اختیار کرنے میں بھی مانع ہو۔ اسی طرح یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں کے بھی اسلامی نام یا لقب نہیں رکھے۔ عمر شیخ کے نام میں حضرت عمر کا نام شامل تھا' جہانگیر کا لقب غیاث الدین تھا' اور میراں شاہ کا لقب جلال الدین تھا۔ شاہرخ کا نام اس نے عمداً ایسا نہیں رکھا تھا کہ یہ اسلامی نام نہ ہو۔ بعض کتابوں میں اس نام کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے جس وقت اس بیٹے کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی اس وقت تیمور شطرنج کھیل رہا تھا چنانچہ جو جو چال چل رہا تھا اسی کے نام پر نومولود کا نام رکھ دیا۔ اس کی ہیئت ترکیبی سے صاف ظاہر ہے کہ شطرنج کی دو اصطلاحوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ ایک شہ مات جس کا پہلا لفظ "شہ" لے لیا گیا ہے' دوسری "رخ" جو ایک مہرے کا نام ہے۔ ان دونوں الفاظ کو ترتیب دے کر شاہرخ بنا لیا گیا ہے۔ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ یہ قصہ بے بنیاد ہے۔ لیکن اگر نہ بھی ہو تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ چونکہ تیمور نے اپنے ایک بیٹے کا نام شطرنج کی ایک چال کے نام پر رکھ دیا تھا اس لئے اسے اسلام سے کوئی وابستگی نہیں تھی کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے اس کے ایک بیٹے کے نام اس کے کٹر مذہبی انسان ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دو بیٹوں کے ناموں کے ساتھ اسلامی لقب لگائے جاتے تھے۔ مصنف نے ایک اور قابل اعتراض بات یہ بھی لکھی ہے کہ چونکہ تیمور نے کبھی سر نہیں منڈوایا' عمامہ نہیں باندھا اور شرعی لباس نہیں پہنا اس لئے اس کے دل میں اسلام کی محبت کا جذبہ نہیں تھا افسوس ہے ہیرلڈ لیم جیسے صاحب علم اور بالغ نظر مؤرخ کو یہ معلوم نہیں اسلام یا اسلام سے وابستگی سر منڈوانے' عمامہ پہننے یا ٹخنوں سے اونچا پاجامہ اور مولویوں جیسا عبا پہننے کا نام نہیں ہے' اصل چیز اسلام کی روح سے دلی تعلق ہے۔ لیم نے اسی کتاب میں ایک مقام پر خود لکھا ہے کہ تیمور قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتا تھا' مسجد میں صرف نعلین میں بیٹھ کر وعظ سنا کرتا تھا' درویشوں کی اتنی تعظیم کرتا تھا کہ راہ میں انہیں دیکھ کر گھوڑے سے اتر

پڑتا تھا' نماز روزے کا پابند تھا' اور جتہ مغل خان کے حملہ آور ہونے کے موقعے پر اپنے مرشد مولانا زین الدین کی خدمت میں تمام رات حاضر رہ کر ان سے مشورے کرتا رہا تھا۔ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ ان سب باتوں کے مقر ہونے کے باوجود' جو تیمور کی اسلام سے وابستگی پر دلالت کرتی ہیں' لیم صاحب تیمور کو صرف اس لئے نیم مسلمان قرار دیتے ہیں کہ وہ سر نہیں منڈواتا تھا' عمامہ نہیں پہنتا تھا اور اس نے مولویوں جیسا لباس نہیں پہنا۔

اس سلسلے میں دو نکتے اور بھی ایسے ہیں جو لیم صاحب نے نظرانداز کر دیئے ہیں یا یہ استدلال کرتے وقت ان کی نظر سے اوجھل رہے ہیں۔ ایک یہ کہ تیمور نے سلطان احمد والئی بغداد پر اس کی سازشوں سے مجبور ہو کر لشکر کشی کی دوسرے وہ جنوبی یورپ کے مسلمان فاتح بایزید یلدرم سے جنگ آخر تک ٹالتا رہا۔ تیمور کے مسجدیں بنانے اور نماز روزے کی پابندی کرنے کو لیم نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ اس زمانے میں یورپ میں بھی دینی رسوم کی پابندی جزو زندگی تھی۔ مگر شاید انہیں معلوم ہو کہ اسلام کے دین میں سیاست اور مذہب دونوں شامل ہیں اس لئے اسلامی دینی رسوم شعائر مذہب ہیں جب کہ عیسائیت کی دینی رسوم محض ظواہر تھے کیونکہ کلیسا کو دنیاوی معاملات اور سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کی بنیاد ہی رہبانیت پر تھی۔ ان رسوم کی پابندی یقیناً مذہب سے وابستگی کی بنا پر نہیں تھی مگر مسلمانوں کی مذہبی رسوم کی پابندی اسلام کی حقیقی روح سے والہانہ وابستگی کی بنا پر ہوتی ہے۔ (مترجم)

121- اس کے علاوہ تیمور چین پر لشکر کشی کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ مگر وہ چین پر اس وقت تک حملہ نہ کر سکتا تھا جب تک مغرب میں وہ بادشاہ اس کی مملکت کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے جو آپس میں اس کے خلاف معاہدہ کر چکے تھے۔ تیمور کا جنگی منصوبہ جو شطرنج کی چال جیسا تھا بالکل واضح ہے۔ اور وہ یہ تھا کہ پہلے صحرائے گوبی کے مغل خوانین سے معاہدہ کر لیا جائے اس کے بعد چین پر حملہ کیا جائے۔ مگر اس کے سلسلے میں سمرقند سے کئی سال تک غیر حاضر رہنا ضروری تھا' اس لئے اپنی مملکت کو ممکنہ حملوں سے محفوظ کرنے کے لئے اس نے سب سے پہلے ہندوستان کے بادشاہ کو بساط سے ہٹایا جو اس کا سب سے قریبی دشمن تھا' پھر ہندوستان سے جو دولت ہاتھ لگی اس سے جنگی تیاریاں کر کے مغرب پر چڑھائی کی اور اپنے دشمنوں کو ختم کر کے اس طرف کی سرحدیں محفوظ کیں۔ ظاہر ہے کہ تیمور ترکوں سے اس وقت تک جنگ نہ کرنی چاہتا تھا جب تک وہ یورپ میں برسرپیکار تھے۔ جب وہ ایشیا میں نمودار ہوئے تو ان کے مقابلے کے لئے بڑھا اور جب سب مغربی

طاقتیں ختم ہو گئیں تو سمرقند واپس آ کر چین پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں (مصنف)

122- اس علاقے میں لڑنے میں جو مشکلات پیش آ سکتی ہیں ان کا اندازہ پہلی جنگ عظیم کے کوائف سے ہو سکتا ہے۔ جس میں روسی شمال کی سمت سے ارض روم سے آگے نہ بڑھ سکے، جنوب میں، بغداد کے قریب ایک برطانوی فوج ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی اور شام میں انگریزوں اور لارنس کے حامی عرب قبائلیوں کو دمشق تک پہنچنے میں دو سال لگے۔ یاد رہے کہ پہلی جنگ عظیم میں اتحادی سمندر پر قابض تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی ترکوں سے زیادہ اور اعلیٰ قسم کے تھے، جنہوں نے 1914ء سے 1918ء تک اس علاقے کا تنہا دفاع کیا۔ تیمور کے عہد میں ترک زیادہ طاقتور تھے اور ان کے حلیفوں میں مملوک، سر کیشیائی، گرجستھانی اور شامی عرب شامل تھے جو سب کے سب بڑے جنگجو اور بہادر تھے۔ (مصنف)

123- زبان دانوں، مورخوں، ماہرین آثار قدیمہ، ماہرین عمرانیات اور تحریک اتحاد ترکی کے حامی ارباب سیاست، سب نے لفظ ترک کو سالہا سال تک، گیند کی مانند کچھ اس طرح اچھالا ہے کہ اب گیند میں اور اس گرد میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے جو اسے اچھالتے رہنے سے اٹھی ہے۔ ترکوں کی اصل کے سلسلے میں کئی کہانیاں مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مادہ بھیڑیئے کے بطن سے ایک انسان پیدا ہوا تھا۔ وہ ترکوں کا جد اعلیٰ تھا۔ ایک اور کہانی یہ ہے کہ ان کی نسل ترک ابن یافث سے چلی اور ایک تیسری کہانی یہ بھی ہے کہ عہد قدیم میں وسطی ایشیا میں ترک قوم کی ایک زبردست سلطنت تھی جو صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔ اور اس سلطنت کے زیر سایہ جس تہذیب نے نشوونما پائی تھی وہ بڑی عظیم الشان تہذیب تھی۔ یہ تینوں کہانیاں دلچسپ تو ہیں مگر ان پر دل پوری طرح ٹھکتا نہیں۔ ایک زمانے میں ترکی جھنڈے پر ہلال کی جگہ سنہری بھیڑیے کا سر بنانے کی تحریک بھی اٹھی تھی مگر اس قسم کی باتوں سے بھی ان کہانیوں کی صداقت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کو ترکوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا، ان کے بعد "ہیونگ نو" کے مجمع قبائل (جس کا مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے) کے ایک قبیلے نے اس سے علیحدہ ہو کر چین اور صحرائے گوبی کے درمیان کوہ التائی کی تلہٹیوں میں سکونت اختیار کر لی۔ اس قبیلے کے خاندان "اسینہ" اور کبھی کبھی ترک کہلاتے تھے، جس کے معنے تھے خود، کیونکہ وہ ایک قبہ نما پہاڑی کے قریب رہتے تھے یا پھر شاید ان کے خود پہننے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چینی "ر" نہیں بول

سکتے تھے، اس لئے وہ انہیں "توکی" کہتے تھے۔ مگر یہ بات واضح طور پر معلوم نہیں ہو سکی کہ چینیوں نے یہ لفظ "اسینہ" خانہ بدوشوں سے سنا تھا یا خانہ بدوشوں کو یہ نام اپنی طرف سے دیا تھا۔ بہرحال یورپی محققوں نے زیادہ تر چینی تذکروں کی بنیاد پر ان تمام قبیلوں کو ترک کہنا شروع کر دیا جو اسینہ (ترک) سے کوئی رشتہ رکھتے تھے۔ اس جمع قبائل کے ان قبیلوں میں سے جو مشرقی حصوں میں آباد تھے، او یغور اور جلایر بھی ترک کہلاتے ہیں اور مغرب میں قارلق، (برف کے باشندے) تنقلی (اونچی گاڑیاں) قراقلمان (سیاہ ٹوپی) اور قپچاق (صحرا نورد) جو بعد میں سنہری غول میں شامل ہو گئے، سبھی ترک کہلاتے تھے۔ انہیں یہ نام اس بنا پر دیا گیا کہ یہ سب ایک ہی یا ایک ہی سی زبان بولتے تھے۔ یہی زبان اب ترکی کہلاتی ہے۔ مگر یہ قسطنطنیہ کی ترکی زبان نہیں تھی۔ شروع میں اس کی بعض بولیاں مغلوں (منگولوں) کی زبان سے ملتی ہوئی تھیں۔ یورپی مصنفوں نے ایک قبیلے کا نام (ترک) بہت سے قبیلوں پر چسپاں کر دیا۔ اس بات پر لتھوانیا کے بادشاہ کا وہ قصہ یاد آتا ہے کہ جب وہ عیسائی ہوا تو اپنی قوم کو بپتسمہ دلوانے کے لئے الگ الگ گروہوں کی شکل میں بلایا اور یہ رسم ادا ہونے کے دوران میں ایک گروہ کا نام پیٹر اور دوسرے کا پال رکھا۔ بہرکیف ترک چین کے سرے کے علاقے میں موجود ضرور تھے۔ وہ ریشم کے کپڑے پہنتے، گوشت کھاتے اور دودھ پیتے تھے۔ ان کے جنگ آزما دلیر جوان "بگاتر" (بہادر) شہزادیاں کاتون اور سردار خاخان کہلاتے تھے۔ ان کی کمانیں سینگ کی بنی ہوئی ہوتیں اور جب یہ لوگ تیر چلاتے تو ان تیروں کی سنسناہٹ پر سیٹیوں کا گمان ہوتا۔ ان کے جسم زرہ سے ڈھکے ہوتے تھے اور ان کے علم (ورغ تغ) پر سنہری بھیڑیے کا سر بنا ہوتا تھا جو "لن خاخان" (بھیڑیے کے سردار) کا نشان تھا۔ ایسا علم صرف بادشاہ رکھ سکتا تھا اور اسی کو دن میں پانچ مرتبہ طبل بجوانے کا حق ہوتا تھا۔ ان باتوں سے یہ جان لینا کچھ مشکل نہیں کہ وہ لوگ تیمور کے آباؤ اجداد تھے۔ یہ ساتویں صدی عیسوی کا ذکر ہے اس وقت تک مغل (منگول) جانوروں اور مچھلیوں کی کھالیں پہنتے، ناپاک چیزیں کھاتے اور سیریا شمال (موجودہ سائبیریا) میں رہا کرتے تھے۔ اس کے بعد جو حالات رونما ہوئے وہ اتنے پیچیدہ ہیں کہ سمجھ ہی میں نہیں آتے۔ یہ لمبے چوڑے قبیلے جن میں صرف وہ زبان مشترک تھی جسے اب ترکی کہتے ہیں، (اور جو اس وقت بگڑی ہوئی سنسکرت یا سریانی زبان کے کسی رسم خط میں لکھی جاتی تھی) گوناگوں وجوہ سے، جن میں سے بیشتر کا تعلق جنگ سے تھا، اپنے آبائی مسکن سے نکل کھڑے ہوئے اور مغرب کی طرف جا کر دور دور پھیل گئے۔ پھر وسطی ایشیا کے طویل و عریض خطے میں، چین

کی ایک قسم کی نظری سیادت میں' نیز عربوں کی قوت کے دباؤ سے جو نئی نئی ابھری تھی' کبھی سلطنتیں ایک دوسرے میں مدغم ہوئیں' کبھی کوئی ایک ہی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔ یہ ترک لامذہب تھے۔ ان کے قبیلوں' او۔غور قارلق اور قراختائی میں سے ہر ایک نے یکے بعد دیگرے عروج پایا۔ پھر چنگیزی مغل وارد ہوئے تو انہوں نے انہیں اور بھی پراگندہ کر دیا تاہم آگے چل کر ان میں سے بیشتر کو سنہری غول میں شامل کر لیا۔ مگر ہر قبیلے نے اپنا نام قائم رکھا' گو ہر بار جب یہ قبیلے آپس میں ملتے یا ملنے کے بعد علیحدگی اختیار کرتے تو ناموں میں تبدیلی بھی ہوتی۔ بعض نام جیسے قرغیز اور قربت آج تک غلام ہیں۔ برلاس قبیلہ ان تمام جنگوں میں شامل رہا جو اس عرصے میں مختلف قبیلوں میں ہوتی رہیں اور صحرا نوردی کرتا رہا مگر جب ماوراء النہر پہنچا تو وہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ ایک روایت مشہور ہے کہ ان کے سرداروں میں سے ایک سردار کسی زبردست مغل (منگول) بادشاہ کا قارا چار یعنی سپہ سالار اعظم تھا۔ اس زمانے یعنی چنگیز خاں کی موت کے بعد اور تیمور کی پیدائش سے پہلے کے درمیانی عرصے' میں یہ قبیلے جنہیں اہل علم ترک اور ان کے پڑوسی تاتاری کہتے تھے' بحیثیت مجموعی' مغل (منگول) ہی تھے مگر انہوں نے اپنے اپنے قبائلی نام بھی نہ چھوڑے۔ یہ مختلف زبانوں کے حرفوں میں لکھنے پڑھنے بھی لگے' اور بہت سے مسلمان بھی ہو گئے' باقی بدھ مذہب اختیار کئے رہے۔ ان کا تذکرہ مختلف ملکوں کی تاریخوں میں آتا ہے اور انہوں نے ہر ملک میں بدامنی پھیلائی۔ تیمور نے ان میں سے بیشتر کو یکجا کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے ترک مملکت کا کبھی کوئی وجود نہیں تھا بلکہ کوئی ترک قوم بھی کبھی نہیں ہوئی۔ عثمانی ترک خانہ بدوش ترکمان تھے' وہ حکمراں قبیلوں کی نسل سے نہیں تھے۔ انہوں نے یورپ کا ایک حصہ نیز بیشتر مشرق اوسط فتح کر کے وہاں کے لوگوں میں شادیاں کر لی تھیں۔ ان کی زبان بھی عربی اور فارسی کا مرکب تھی۔ وہ ترک ہرگز نہیں تھے۔ صلیبی جنگوں کے وقائع نگار ولیم متوطن ٹائر نے اس چیستان کا جو حل نکالا وہ قریب قریب صحیح ترین حل ہے۔ اس نے یہ کہا کہ ترک کے معنے ہیں حکمراں اور ترکمان سے آوارہ گرد لوگ مراد ہوتے ہیں۔ عثمانیوں کو یورپ والے چونکہ ترک کہنے لگے تھے' اس لئے آگے چل وہ یہی نام اختیار کر لینے پر مجبور ہو گئے۔ مغربی تاریخوں میں جسے ترکی لکھا گیا ہے وہ وہاں کے ساکنوں کے لئے ترکی نہیں تھا۔ وہ اسے ولایت عثمانی کہتے تھے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں۔

E.H. Parker Leon Cahun ابوالغازی بہادر خان

نیز Arminius Vambery کی کتاب Das Turken Volk

E. Chavannes کی Les Tou- Kiue Occidentaux

اور Herbert Adam Gibbons کی کتاب

The Foundation of the Ottoman Empire.

124- مصنف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ ظفرنامہ کی جلد دوم کے صفحات 257' 259 اور 262 میں یہ خطوط موجود ہیں البتہ بایزید کے جواب کا پورا متن درج نہیں ہے۔ مگر ابن عرب شاہ نے "عجائب المقدور فی اخبار تیمور" میں اس کا مکمل متن بھی درج کر دیا ہے۔ اس مورخ کا نام احمد بن محمد ابن عرب شاہ تھا۔ 1392ء مطابق 791ھ میں دمشق میں پیدا ہوا۔ جب 1401ء مطابق 803ھ تیمور نے دمشق فتح کیا اس وقت یہ بارہ برس کا تھا۔ تیمور اسے مع خاندان گرفتار کر کے سمرقند لے آیا۔ اس نے "عجائب المقدور" جو تیمور کی سوانح حیات ہے' 1435ء مطابق 839ھ میں مکمل کی۔ یورپ میں اس کا پہلی مرتبہ ترجمہ لنڈن میں 1636ء میں شائع ہوا۔ بعد میں کلکتے میں 1841ء میں اور قاہرہ میں شائع ہوئی۔ انگریزی زبان اس کا ایک ترجمہ Tamerlane or Timur the Great Amir کے نام سے جے۔ ایچ۔ سینڈرز نے لندن سے 1936ء میں شائع کیا۔ دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ جلد دوم۔ صفحات 362 اور 363 نیز

Persin Literature Under Tatar Domination از ای۔ جی۔ براؤن مطبوعہ کیمبرج 1920ء

125- بایزید کا جو خط "عجائب المقدور فی اخبار تیمور" میں درج کیا گیا ہے اس کے آخیر میں تو یہ لکھا ہے کہ "تم میرے ملک پر چڑھائی کرو گے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں اور اگر تم نہ آئے تو تمہاری بیویوں پر تین طلاق' اور اگر تم آئے اور میں بھاگ گیا تو میری بیویوں پر تین طلاق۔" اس کے یہ معنے کس طرح نکالے جا سکتے ہیں کہ بایزید تیمور کی بیوی کی عصمت دری کرے گا؟ معلوم ہوتا ہے۔ مصنف کو کسی وجہ سے غلط فہمی ہو گئی۔

126- ابن عرب شاہ نے اپنی کتاب "عجائب المقدور فی اخبار تیمور" میں لکھا کہ 803ھ (مطابق 1401ء) کے اوائل میں دمشق میں ابن خلدون اور تیمور کی ملاقات ہوئی۔ مگر اس نے اپنا زبانی یا تحریری ماخذ نہیں بتایا۔ جہاں تک خود اس کا تعلق ہے وہ ذاتی طور پر ابن خلدون سے واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ خود لکھتا ہے کہ میں نے ابن خلدون کی کوئی کتاب دیکھی تھی نہ پڑھی تھی' صرف اس کی عظیم کتاب التاریخ العجائب کا ذکر ایک عالم سے سنا

تھا (جس کا نام نہیں لکھا)۔ مغربی مورخوں نے ابن عرب شاہ کے اس کمزور بیان کو قبول کر لیا حالانکہ اس پر جرح و تنقید اس لئے ضروری تھی کہ ایک ترک مورخ مصطفیٰ ابن عبداللہ المعروف بہ حاجی خلیفہ (1609ء تا 1657ء) نے اپنی عربی زبان کی کتاب "کشف الظنون" میں تیمور اور ابن خلدون کی ملاقات کا جو حال لکھا ہے اس سے ابن عرب شاہ کے بیان کے ہر جزو کی تردید ہوتی ہے۔ حاجی خلیفہ کا بیان یہ ہے کہ جب تیمور نے حلب فتح کیا اس وقت ابن خلدو اس شہر کا قاضی تھا' تیمور نے اسے پہلے اپنا قیدی بنایا پھر ہم نشینی کا شرف بخشا' اس کے بعد اپنے ہمراہ سمرقند لے گیا اور کچھ عرصے بعد قاہرہ جانے کی اجازت دے دی۔ حاجی خلیفہ کا یہ بیان صحیح نہیں تھا مگر یورپی مورخوں نے اسے بھی صحیح مان لیا۔ تیمور کے ہم عصر فارسی اور عربی ماخذ اس ملاقات کے بارے میں خاموش ہیں' اسی طرح یورپی ہم عصر ماخذوں میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ پندرھویں صدی عیسوی کے عرب مورخوں ابن الفرات (متوفی 1404ء)' قلقشندی (متوفی 1418) مقریزی (متوفی 1497ء) سیوطی (متوفی 1451ء) ابن حجرالا سقلانی (متوفی 1449) بدر الدین الحسینی (متوفی 1451) اور السماوی (متوفی 1497ء) نے اس کی ایک مصدقہ تاریخی واقعے کی حیثیت سے تصدیق کی ہے مگر ان کے سرسری حوالے ابن عرب شاہ کے بیان کے تنقیدی جائزے کی بنیاد بننے کے لئے کافی نہ تھے۔ تنہا قابل اعتماد ماخذ خود ابن خلدون کا بیان ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنی غیرفانی تصنیف "کتاب العبر" کی ساتویں جلد میں ایک فصل کا عنوان التعریف بی ابن خلدون قائم کیا ہے۔ مگر یہ حالات 795ھ (مطابق 1395ء) تک کے ہیں حالانکہ ابن خلدون 808ھ (مطابق 1406ء) تک زندہ رہا'گویا یہ فصل نامکمل تھی۔ اس سے یہ خیال ہوا کہ اپنی زندگی کے آخری سات برس (1395 تا 1406ء) کا حال یا تو اس نے قلمبند نہیں کیا یا کیا تو تلف ہو گیا۔ لیکن پھر تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ ابن خلدون 1406ء میں اپنی موت سے چند ماہ قبل تک اپنے حالات لکھتا رہا تھا۔ ایا صوفیا لائبریری' اسعد آفندی لائبریری اور قاہرہ میں اس کی سوانح عمری کے مکمل نسخے دستیاب ہو گئے۔ ان سے دمشق میں تیمور اور ابن خلدون کی ملاقات کا صحیح ترین بیان سامنے آ گیا۔ اس نسخے کے آخری حصے (تیئسویں' چوبیسویں اور پچیسویں باب) کا انگریزی زبان میں ترجمہ والٹرجے فیشل نے "ابن خلدون اینڈ ٹیمرلین" کے نام سے کیا جو یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس (برکلے اینڈ لاس اینجلز) امریکا سے 1953ء میں شائع ہوا۔ ابن خلدون نے امیر تیمور سے اپنی ملاقات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ جب تیمور شام پہنچا تو سلطان فراج مصر سے فوج لے کر مقابلے کو روانہ

ہوا۔ یہ فوج بروز جمعرات بتاریخ 16 جماوہ 803ھ مطابق 23 دسمبر 1400ء کی صبح کو دمشق پہنچی۔ تیمور کی فوج سے اس کی تین چار مرتبہ لڑائی ہوئی پھر مصر سے سازشوں کی خبر آئی تو سلطان قاہرہ واپس چلا گیا۔ اس سے دمشق میں سراسیمگی پھیل گئی۔ شہر کے سربر آوردہ لوگ تیمور سے ملے اور امان چاہی۔ تیمور امان دینے پر رضامند ہو گیا۔ اس نے ان لوگوں سے ابن خلدون کے بارے میں دریافت کیا اور اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اگلے دن ابن خلدون نے اس سے ملاقات کی۔ تیمور اس سے بڑی اچھی طرح ملا اور اس کے حالات دریافت کرتا رہا۔ اس نے ابن خلدون سے چند تاریخی نکات پر تبادلہ خیال کیا پھر واپس جانے کی اجازت دے دی۔ ابن خلدون نے بتایا ہے کہ تیمور نے دمشق کو اس شرط پر امان دی تھی کہ شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں گے مگر بعض دمشقی امرا نے شہر اس کے حوالے کرنے میں چوں و چرا کی تو اس نے دمشق کا محاصرہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا اور اہل شہر کو ایذائیں دے دے کر ان سے روپیہ وصول کیا' اس کے بعد اپنی فوج کو باشندگان شہر کے مکانات لوٹ لینے کا حکم دیا' اور پھر شہر کو نذر آتش کر دیا۔ مگر وہ ابن خلدون سے بڑے احترام سے پیش آیا اور اس کی خواہش پر اسے اس کے وطن بھجوانے کا انتظام کر دیا (دیکھئے ابن خلدون اینڈ ٹیمرلین از والٹرجے فیشل۔ صفحہ 29 تا 44)۔

127- یہ دمشق کی جامع بنی امیہ کا گنبد تھا۔ تیمور سے پہلے کے ایرانی گنبد نوکدار قسم کے ہوتے تھے اور ان کے پیٹ نکلے ہوئے نہ ہوتے تھے۔ تیمور کی اوائلی دور کی عمارتوں کے گنبد انہیں جیسے تھے۔ البتہ بی بی خانم اور اس کے اپنے مزار گور امیر کے گنبدوں کے پیٹ نکلے ہوئے تھے۔ یہ بعد میں مغلوں کے عہد میں ہندوستان بھی پہنچے اور بہت عرصے بعد روسیوں نے بھی ان کی نقل اتاری مگر پھیلاؤ میں تناسب قائم نہ رکھ سکے۔ کے۔ اے۔ سی کریسویل (K. A. C. Cresswell) نے اپنی کتاب دی ہسٹری اینڈ ایولیوشن آف دی ڈوم ان پرشیا

The History of Evolution of the Dome in Persia میں لکھا ہے کہ تیمور نے اس قسم کے گنبد ہندوستان میں نہیں دیکھے ہوں گے اس لئے کہ اس زمانے میں شمالی ہندوستان میں مزاروں پر اس وضع کے گنبد نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس قسم کا گنبد دمشق کی اموی جامع مسجد ہی کا تھا جو لکڑی کا تھا۔ جب شہر آتش زنی سے تباہ ہوا تو یہ بھی جل گیا۔ یہ گنبد بہت بڑا اور شاندار تھا اور اس پورے میدان پر چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا جس میں تیمور ایک مہینے تک خیمہ زن رہا۔ اسے یہ گنبد اتنا پسند آیا تھا کہ روز دیکھا کرتا تھا۔ تیمور

فن ساختمانی کا دلدادہ تھا' ادھر یہ گنبد اسلام کے وسطی دور کی عظمت کا ایک شاندار نمونہ تھا اس لئے اس نے تیمور کو یقیناً متاثر کیا ہو گا چنانچہ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ اس نے ہندوستان کے کسی ٹوپے کی نقل اتروانے کے بجائے سمرقند میں یہی گنبد تعمیر کرنے کا حکم دیا ہو۔ وہ پرانی دھلی کی جامعہ مسجد سے بھی متاثر ہوا تھا اور اس کا بھی ایک نمونہ اپنے ساتھ لے آیا تھا' اسی طرح اس نے قطب مینار کو بھی سراہا تھا اور ہندوستان سے معماروں کو اپنے ساتھ اس غرض سے سمرقند لایا تھا کہ یہاں بھی اسی وضع کا ایک مینار تعمیر کرائے گو اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ کریس ویل آگے چل کر لکھتا ہے کہ بی بی خانم کے گنبد اور دمشق کے برباد شدہ گنبد کی پیمائشیں بالکل برابر ہیں۔ علاوہ ازیں دمشق سے تیمور کی واپسی کے بعد جو عمارت سب سے پہلے تعمیر کی گئی وہ بی بی خانم کا مقبرہ تھا' اس کی تعمیر میں دو تین سال صرف ہوئے اور اس میں شبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کا گنبد دمشقی گنبد جیسا تھا۔ ابن بطوطہ دمشق کے گنبد کے متعلق لکھتا ہے کہ "آپ شہر میں کسی بھی سمت سے داخل ہوں سب سے پہلے یہی نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہوا میں معلق ہے۔" (دیکھئے ایشیاٹک سوسائٹی کا مجلہ بابت 1914ء) یہ پیٹ نکلا ہوا گنبد تیمور کو پسند آ جانے کی وجہ سے دنیا میں محفوظ رہ گیا اور اسے صرف وہی محفوظ بھی کر سکتا تھا کیونکہ اس کے تصرف میں اس عہد کے تمام ذرائع تھے۔ اس کے بعد اس کی اولاد ____ ہندوستان کے مغل بادشاہ ____ اسے اپنے ساتھ ہندوستان لے گئی اور وہاں یہ سب سے پہلے دہلی میں مقبرہ ہمایوں اور اس کے بعد تاج محل پر بنایا گیا جو اپنے حسن کے لحاظ سے دنیا بھر میں لاثانی عمارت ہے۔

128- 1399ء کے موسم خزاں سے 1401ء کے موسم خزاں تک تیمور نے اپنی ہر حرکت کا منصوبہ یہ امکان پیش نظر رکھ کر بنایا کہ بایزید اس پر حملہ کرے گا۔ اس وقت جب تیمور بغداد کے محاصرے کی تیاریاں کر رہا تھا بایزید یورپ سے ایشیا کی طرف خراماں خراماں آ رہا تھا۔ اگر وہ اس موقع پر ذرا بھی تیز روی دکھاتا اور تیمور کے بغداد فتح کرنے سے پہلے میدان میں اتر آتا تو تاتاریوں کے مستقر تبریز کے دروازے کھلے پاتا کیونکہ تاتاری اسے خالی چھوڑ کر بغداد پر حملہ کرنے آ گئے تھے۔ تیمور کے ناظر اسے بایزید کی آمد کی اطلاع ضرور دیتے مگر سمرقند سے آنے والی کمک اور جنوبی فوجوں کو یک جا کرنے میں تیمور کو چند ہفتے تو لگ ہی جاتے۔ (مصنف)

129- تیمور نے شاہ فرانس کو دو خط بھیجے تھے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ تیمور نے چارلز

ششم کو یہ پیشکش کی تھی کہ ہم دونوں پوری دنیا آپس میں بانٹ لیں۔ مگر تیمور کے ان دونوں خطوں میں اس قسم کی کوئی بات درج نہیں البتہ اسقف یوحنا نے تیمور کو یہ باور کرایا تھا کہ جس طرح ایشیا میں وہ سب سے زیادہ طاقتور بادشاہ ہے اسی طرح چارلز یورپ کا عظیم ترین بادشاہ ہے۔ تیمور نے اسے لکھا کہ وہ بایزید کے خلاف پیش قدمی کرنے کو ہے جو چارلز کا دشمن ہے اور اسے امید ہے کہ چارلز کی اور اس کی مملکت کے درمیان تجارتی شاہراہیں کھل جائیں گی نیز تاجروں کی آمدورفت بھی شروع ہو جائے گی۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ مذہبی عقائد کے علاوہ اور سب امور میں اسقف یوحنا میری جانب سے آپ کے ساتھ گفتگو کا مجاز ہے (مصنف)

130- وہ بادشاہ برگنڈی فلپ کا بیٹا اور شاہ فرانس کا پوتا تھا۔ اسے اس مہم کی قیادت فلپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے مل گئی تھی ورنہ وہ ایک نوعمر اور ناتجربہ کار نوجوان تھا جس میں قیادت کے اوصاف میں سے ایک بھی وصف نہیں تھا۔ (مصنف)

131- تیمور غیر معمولی عسکری خصوصیات کا مالک تھا مگر اس کا صحیح مقام اسے آج تک نہیں دیا گیا۔ یورپی مصنفوں نے انقرہ کی لڑائی کے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ یک طرفہ ہیں۔ ان کے ماخذ صرف ترکی اور یونانی تذکرے ہیں' تاتاریوں کے ماخذوں سے انہوں نے ایک حرف بھی نہیں لیا اور پروفیسر کریزی کی مرتب کی ہوئی فان ہمر کی کتاب "دنیا کی پندرہ فیصلہ کن جنگیں" سامنے رکھ کر لکھتے چلے گئے۔ اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

عثمانی لشکر میں تاتاری نسل کے سپاہی خاصی بڑی تعداد میں تھے۔ ان کے پاس جاسوس بھیجے گئے اور ان میں یہ ریشہ دوانی کی گئی کہ تاتاریوں کا واحد اور حقیقی سردار تیمور ہے اس لئے ان تاتاریوں کو اس کے خلاف نہیں لڑنا چاہئے۔ بایزید نے صرف ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر تیمور کے دل بادل لشکر کے خلاف پیش قدمی شروع کر دی جو اس وقت سیواس میں تھا۔ مغل شہنشاہ نے اپنی فوجوں کو اس طرح حرکت دی کہ لڑائی ایسے علاقے میں ہو جہاں گھوڑا سوار فوج غلبہ حاصل کر سکے اور تیمور اپنی فوج کی کثرت تعداد سے بھی فائدہ اٹھا سکے۔ وہ تیز رفتار سے قیساریہ اور قیر شہر سے گذر کر بایزید سے کتراتا ہوا انقرہ کے شہر اور میدان میں پہنچ گیا۔ ترک سلطان تیمور کے حسب توقع انقرہ کو بچانے کے لئے دوڑا ____ گو فوج کی تعداد کے لحاظ سے مغل شہنشاہ کا پلہ بھاری تھا۔ پھر بھی اس نے ان حفاظتی تدبیروں کا بہت زیادہ خیال رکھا جو جنگ کے قواعد کی رو سے کرنی چاہئے تھیں۔ ادھر

بایزید کی حرکتوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی وہ سپہ سالار بھول گیا ہے جس کے جوہر دکھاتا آ رہا ہے۔ اس نے پہلے تیموری لشکر کے شمال کی جانب معسکر قائم کیا اور پھر یہ دکھانے کے لئے کہ دشمن کو کچھ مال نہیں سمجھتا اپنی فوج کو قریب کے ایک اونچے مقام پر لے گیا اور وہاں سپاہیوں کو شکار میں لگا دیا مگر بدقسمتی سے جس علاقے میں اس نے اپنی زندگی کا یہ آخری شکار کھیلا وہاں پانی کی قلت تھی چنانچہ اس کے پانچ ہزار سپاہی پیاس اور تھکان سے مرگئے۔ یہ زبردست غلطی کرنے کے بعد بایزید دشمن کی طرف پلٹا تو معلوم ہوا کہ اپنی فوج کے لئے جو معسکر بنا گیا تھا اس میں دشمن گھسا بیٹھا ہے اور جس دریا سے عثمانی فوج پانی لے سکتی ہے اس پر بند باندھ کر اس کا رخ بدل دیا ہے۔ اور مشکل یہ تھی کہ اس دریا کے علاوہ اور کہیں سے پانی نہیں مل سکتا تھا۔

یوں بایزید لڑائی شروع کرنے پر مجبور ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ مغل فوج آٹھ لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ یقیناً وہ بایزید کی فوج سے کہیں زیادہ تھی جو ایک لاکھ سے زیادہ سپاہی میدان میں نہ لا سکتا تھا۔ اور ایک تعداد ہی نہیں جوش و خروش ہتھیاروں اور قیادت کے معاملے میں بھی مغلوں کا پلہ بھاری تھا۔

فان ہمر اور کریزی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عثمانی فوج کے ساتھ ایشیا کے جو بادشاہ تھے ان میں سے بھی بعض تاتاریوں کی دیکھا دیکھی بایزید سے کٹ کر تیمور سے مل گئے، صرف سربیائی سپاہی اور ینی چری فوج جم کر لڑی اور انہیں لوگ نے مغل فوج کے پے در پے حملوں کا مقابلہ کیا۔"

لین پول نے اپنی کتاب "ترکی" میں یہ بیان نقل کر کے اس پر مندرجہ ذیل کا اضافہ کیا ہے:

"ایک طرف پیاسے اور تھکے ماندے ترک سپاہی تھے جو تعداد میں بھی کم تھے اور اپنے سردار سے بھی بددل تھے۔ دوسری طرف تاتاریوں کا بے پناہ غول تھا جسے ناکوں پر جما دیا گیا تھا، جس کے سالار غیر معمولی قابلیت رکھتے تھے، جس کے سردار نے کوئی حفاظتی تدبیر اٹھا نہ رکھی تھی اور جو تعداد، انضباط اور توانائی، غرض ہر اعتبار سے اپنے دشمن سے برتر تھا۔ ینی چری فوجوں اور سربیائی سپاہیوں کی شجاعت تیموری فوج کی کثرت تعداد کے مقابلے میں بے اثر رہی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ترکوں کو شکست فاش ہوئی۔"

جہاں تک لڑائی کے حال کا تعلق ہے اس کے سلسلے میں لین پول نے نولز کا بیان نقل کر دیا ہے جس کا زمانہ تحریر 1603ء ہے۔

ترکی فوج کو بیابان میں عین تاتاریوں کی نظروں کے سامنے شکار کھلوانے کا واقعہ بعد کے ترک مورخوں کی اختراع ہے جن کا مقصد ترکی سلطان کی شکست کا کوئی جواز پیدا کرنا تھا۔ اس کی تائید میں کوئی ہمعصر شہادت نہیں ملتی، پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر بایزید اتنا عقل کا اندھا تھا کہ عین دشمن کے سامنے شکار کے لئے نکل کھڑا ہوا تو تیمور نے اس پر حملہ کیوں نہ کر دیا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ فان ہمر، کریزی اور لین پول جیسے مورخوں نے بھی اس من گھڑت کہانی کو سچا واقعہ سمجھ کر قبول کر لیا۔

جہاں تک بایزید کے تاتاری حلیفوں کے اس کا ساتھ چھوڑنے کا تعلق ہے، تاتاری تذکروں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ تیمور نے ان کو ساز باز کر کے توڑا تھا، البتہ یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ قرا تاتار کے بہت سے قبیلے ایشیائے کوچک میں جا نکلے تھے اور انہیں ترکی فوج میں بھرتی کر لیا گیا تھا۔ از راہ قیاس یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ قبیلے بایزید کی فوج میں شامل تھے اور لڑائی کے دوران میں تیمور سے جا ملے۔ مگر ان کی تعداد ایسی کچھ زیادہ نہیں تھی اور حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تیمور نے ان سے جو نامہ و پیام کیا وہ لڑائی ختم ہونے کے بعد ہی کیا گیا۔

رہی یہ بات کہ تیمور کے پاس آٹھ لاکھ فوج تھی، یہ صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔ اتنی کثیر فوج کے لئے ایشیائے کوچک میں خوراک فراہم نہ ہو سکتی تھی، اور جس طرح تیمور نے اسے حرکت دی اس طرح اتنے محدود علاقے میں اتنی بڑی فوج کی جنگی نقل و حرکت ممکن ہی نہ تھی۔ عثمانی تذکروں میں صاف لکھا ہے کہ بایزید کو تاتاری فوج اس وقت تک نظر ہی نہ پڑی جب تک وہ اس کے پاس سے نہ گزری۔ پھر اس کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں کہ تیمور نے کبھی کسی مقام پر دو لاکھ سے زائد فوج جمع کی۔ تاتاری تذکروں میں فوج کی تعداد کا ذکر بالالتزام نہیں آیا، کبھی کبھار ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ایران کی مہم میں بہتر ہزار، ہندوستان کی مہم میں ایک لاکھ اور آخری یعنی چین کی مہم میں دو لاکھ بتائی گئی ہے۔

جب تیمور نے ایشیائے کوچک میں پیش قدمی کی اس وقت وہ مسلسل چار سال سے لڑائیاں لڑتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے شہزادہ پیر محمد کی فوج کے اپنی فوج میں آن شامل ہونے کے بعد بھی سمرقند میں کچھ فوج چھوڑی تھی اور چونکہ ایک وسیع علاقے میں رسد کے راستوں کی نگہداشت کے لئے فوج متعین کرنا بھی ازحد ضروری تھا اس لئے اس کام پر بھی کچھ فوج لگا دی تھی۔ ایک اور فوج تبریز میں پڑی تھی اور کئی لشکر شام میں بھی تھے۔ پھر انقرہ کی لڑائی میں حصہ لینے والے امیروں اور کمانداروں کی فہرست سے بھی ظاہر ہوتا ہے

کہ تیموری فوج کی تعداد اسی ہزار اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار کے درمیان تھی۔

ان شواہد سے ثابت ہے کہ بایزید ہی کی فوج زیادہ تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تیمور نے شروع میں دفاعی تدبیریں ہرگز نہ کی ہوتیں۔ نولز لکھتا ہے کہ ترک فوج نیم دائرے کی شکل میں آگے بڑھی۔ اگر یہ بات درست ہے تو گویا اس کے بازوؤں نے تیموری فوج کے بازوؤں کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ یہ صورت حال بھی ترک فوج کی کثرت تعداد پر دلالت کرتی ہے۔

ہربرٹ ایڈمز گبن لکھتا ہے:

"اگر بایزید وہی بایزید ہوتا جو نکوپولس کے میدان میں تھا تو وہ تاتاری طوفان کو جھیل جاتا۔ حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے وقت ہر بات اس کے حق میں تھی اور اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیتیں بھی اپنے ہمعصر کمانداروں اور بادشاہوں سے اگر بڑھ چڑھ کر نہ تھیں تو ان میں سے کسی سے کم بھی نہ تھیں۔ مگر وہ اس کے باوجود ناکام رہا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی یہ صلاحیتیں عیش و عشرت کی زندگی نے سلب کر لی تھیں۔"

اگر بایزید انقرہ کا میدان جیت لیتا' جس کے بعد قسطنطنیہ بھی لازماً سر ہو جاتا' تو تاریخ اسے پندرھویں صدی کا سب سے بڑا فاتح اور اس زمانے کا نپولین تسلیم کر لیتی مگر حالات سے صاف ظاہر ہے کہ تیمور نے فوج کو لڑانے کے معاملے میں اسے کھلی مات دے دی حالانکہ اس وقت اس کی عمر ستر کے قریب تھی اور وہ ترکی سلطنت کے قلب میں لڑ رہا تھا جہاں سے اس کا اپنا مستقر' سمرقند' دو ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلے پر تھا۔ تاتاری تذکروں میں انقرہ کی لڑائی کو ایک معمولی لڑائی بتایا گیا ہے اور بایزید کو توقتمش سے کمتر درجے کا جرنیل قرار دیا گیا ہے۔

کلاویہو نے' جو ایک غیر جانبدار شاہد کی حیثیت رکھتا ہے' اس لڑائی کا حال اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے:

"جب ترک سلطان کو معلوم ہوا کہ امیر تیمور اس کی مملکت میں داخل ہو چکا ہے تو وہ آگے بڑھ کر انقرہ کے مستحکم قلعے میں آ گیا۔ امیر تیمور کو جونہی ترک سلطان کی اس دانشمندانہ چال کی خبر ملی وہ اس راستے سے ہٹ گیا جس پر کوچ کر رہا تھا اور اپنی فوج کو ایک بلند پہاڑی پر لے پہنچا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترک سلطان نے سمجھا تیمور بھاگ کھڑا ہوا ہے اور انتہائی تیز رفتار سے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

ادھر امیر تیمور آٹھ دن تک پہاڑوں میں کوچ کرنے کے بعد میدانی علاقے میں اتر کر

انقرہ پہنچ گیا۔ جہاں ترک سلطان اپنا تمام سامان چھوڑ گیا تھا' اور یہ سامان لوٹ لیا۔ جب ترک سلطان کو اس سانحے کی خبر ملی تو وہ زیادہ سے زیادہ تیزی سے انقرہ پہنچا مگر جب وہاں وارد ہوا اس وقت تک اس کی فوج کے سپاہی تھک چکے تھے۔

امیر تیمور نے یہ چال اس لئے چلی تھی کہ دشمن کے ہاں ابتری پھیل جائے' (اور ایسا ہی ہوا) چنانچہ جب لڑائی ہوئی تو ترک سلطان قید کر لیا گیا۔"

(کلاویہو نے یہ باتیں دو ہسپانوی سفیروں سے سنی تھیں جو وہاں موجود تھے۔) مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں۔

پروفیسر کریزی کی کتاب The History of the Ottoman Turks

اسٹینلے لین پول کی Turkey

ہربرٹ ایڈمز گبن کی The Foundations of the Ottoman Empire

ان کے علاوہ کلاویہو' شریف الدین اور عرب شاہ بھی ملاحظہ کریں۔

132- بایزید کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔

133- مشہور ہے کہ تیمور نے بایزید کو جانور کی طرح ایک پنجرے میں بند کر کے جگہ جگہ پھرایا۔ یہ "واقعہ" مارلو کے افسانے "ٹیمرلین دی گریٹ" میں بیان کیا گیا ہے اور تیمور کے ہمعصر مورخ ابن عرب شاہ کی منظوم تاریخ کے اس شعر پر مبنی ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "عثمان کا بیٹا شکاری کے جال میں پھنس گیا' جس نے اسے ایک پرندے کی طرح پنجرے میں بند کر کے رکھا۔" ہربرٹ ایڈمز گبن نے اس سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ جس کجاوے میں اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا وہ جالی دار تھا۔ بات صرف اتنی ہے کہ قید کئے جانے کے چند دن بعد بایزید بیمار پڑ گیا تھا اس لئے اسے کجاوے میں لٹا کر لے جاتے تھے۔ تیمور نے اپنے خاص طبیب اس کا علاج کرنے کے لئے بھیجے اور اس کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتا رہا۔ البتہ اسے جشن فتح میں شریک ہونے پر ضرور مجبور کیا۔

(مصنف)

134- تیمور کے اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ یورپ کی دہلیز پر اچانک نمودار ہونے اور اسی طرح اچانک پلٹ جانے کے واقعے نے یورپی شعرا کے تخیلات میں آگ سی لگا دی اور "ٹیمرلین" یا "ٹمبرلین" ایک ایسی داستان کا مرکزی کردار بن گیا جس کا خالی مرقع یونانیوں اور ترکوں کے من گھڑت قصوں میں رنگ آمیزی کر کے بنایا گیا تھا۔

سولھویں صدی کے جرمن ترک سلطان بایزید کو "باجزیٹ" کہتے تھے۔

ان کی بعض پرانی کتابوں میں "بازیٹ" کے دشمن "ٹیمرلین" کا کہیں کہیں ذکر آتا ہے۔ اپنے عصر کی جرمن تاریخوں میں اسے "تاتار کے عظیم چام" کا نام دیا گیا ہے' جو سیتھین چرواہوں کی اولاد میں سے تھا ___ یہ وہی ہیروڈٹس کی صدائے بازگشت ہے ___ ان باتوں پر اتنی ہنسی نہیں آتی جتنی بعد کی بعض تاریخوں پر آتی ہے۔ مگر ایک عرصے تک یورپی مورخ تیمور کو ترک ہی بتاتے رہے اور اسے ایک موہوم سے انداز سے' "اناطولیہ کے فاتح' اور مصر' بیت المقدس اور بابل کے سلطانوں کے کامیاب حریف کی حیثیت میں پیش کرتے رہے۔

ابتدائی الیزبتھی دور میں کرسٹوفر مارلو صرف اتنا جانتا تھا کہ طاقت میں کوئی تیمور کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور اس کی شان و شوکت پراسرار مشرق کی روایتی شان و شوکت کا مظہر تھی' اس نے اپنے ان تصورات کو ایک پرزور اور غلغلہ افگن تمثیل کی شکل دی جو پوری کی پوری منظوم تھی اور انگریزی زبان میں اس نوع کی اولین تخلیق تھی۔ اس کا "ٹمبرلین دی گریٹ" محض اس کے تخیل کی پیداوار ہے' جس کی بنیاد قدیم یونانی ایرانی قصوں پر رکھی گئی ہے' اس لئے اس تمثیل میں مستند واقعات بلکہ تیمور اور بایزید کے کرداروں کے علاوہ اور کسی حقیقی کردار کی تلاش بھی بے سود ہے' صرف ایک کردار (اشوم کسین) اور ایسا ہے جس میں مشرقیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ برگرٹن نے اپنی کتاب Des Sarasins Traicte (مطبوعہ 1635ء) میں ایک شخص اشوم کسین کا ذکر کیا ہے' جو تیمور کی ملازمت میں تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ کوئی سفید میش ترکمان تھا۔ مارلو نے اماسیا اور سوریا (شاید شام) کے بادشاہوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ دونوں صوبے تو تھے مگر ان کا کوئی حکمراں نہ تھا۔ ازون حسن سفید میش ترکمانوں کا سردار تھا اور اس نے ایک یونانی شہزادی سے شادی کی تھی۔ مگر یہ شخص تیمور کے زمانے میں نہیں بلکہ اس کے دو پشت بعد ہوا ہے۔

یہ ڈراما' جو 1586ء میں لکھا گیا' اب غیر فانی بن چکا ہے' مگر اسے یہ مقام صرف تمثیل نگار کے زور بیان اور جوش تخیل کی وجہ سے حاصل ہوا۔ اس کا "ٹمبرلین" تیمور سے صرف اتنی مشابہت رکھتا ہے کہ وہ ناقابل شکست قوت ارادی کا مالک اور کروفر کا دلدادہ ہے' اور یہ بھی اس لئے کہ خود مارلو قوت اور کروفر کا دلدادہ تھا۔ ظاہر ہے کہ کلاویہو کا وہ روزنامچہ اس کی نظر سے نہیں گزرا تھا جو 1582ء میں شائع ہوا تھا اور جس میں تیمور کے تھوڑے سے اور حالات کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔

لیکن اس کے بعد یورپ کی تاریخوں میں تیمور کا ذکر اکثر آنے لگا' البتہ اس کی جو

تصویر کھینچی جاتی تھی وہ اصل سے بہت مختلف ہوتی تھی۔ لیون کلیویس (Leon Clavius) نے 1588ء میں اور پیرونڈینس (Perondinus) نے 1600ء میں اس کا ذکر کیا۔ جین ڈیک بیک (Jean D, Beck) نے 1595ء میں ایک غیر معروف شخص الھازن (الحسن) کا ایک تذکرہ شائع کیا' جو ایک خیالی داستان تھی۔ ہمارے دوست رچرڈ نولز نے اس کو ترکوں کے ان تاریخی وقائع میں شامل کر دیا' جو 1603ء میں شائع کئے۔ ابتدا میں تیمور کے جو حالات لکھے گئے ان میں سے بہت سے ایک کتاب Purcha : His Pilgrims مطبوعہ 1665ء میں جمع کر دیئے گئے۔ 1647ء میں میگنون (Megnon) نے اپنی عجیب و غریب کتاب Bajazet شائع کی۔ 1634ء میں پیرے برگرون (Piere Bergrone) Lagrand Tamerlane Et کی کتاب Voyages En Tartarie شائع ہوئی جس میں تاتاریوں اور مسلمانوں کے متعلق کسی قدر صحیح معلومات درج کی گئی تھیں۔ یہاں سے تیمور کے بارے میں صحیح واقعات اہل یورپ تک پہنچنے کا آغاز ہوا' اور ان میں تھوڑے ہی عرصے بعد وٹیر (Vattier) کے ابن عرب شاہ کی تاریخ کے ترجمے سے ایک گرانقدر اضافہ ہوا' جو پیرس سے 1658ء میں شائع کیا گیا۔

افسانوی تیمور کی ایک ہلکی سی جھلک ملٹن کے "شیطان" میں بھی ملتی ہے ___ بڑے بڑے صور پھونک کر ملائکہ کے مسلح غولوں کو جنگ کے لئے بلایا جاتا ہے' علم بلند ہوتے ہیں اور بہشت کے دروازوں پر راندہ درگاہ فرشتے بدی کی طاقتوں کی فوجوں کے پرے جماتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملٹن نے "پیراڈائز لوسٹ" میں جہاں شیطان کی تصویر کھینچی ہے وہاں مشرق کی شان و شوکت کے متعلق اس عصر کے یورپ میں مروج تصورات بھی بڑے پر زور انداز سے پیش کئے ہیں۔

ایک عرصے تک یہ تیمور یورپ کے ادب میں مشرق کے مطلق العنان بادشاہوں کا نمونہ بنا رہا' آگے چل کر اس میں "مغل اعظم" کا تصور' اور فرانس میں' والٹیر کے دور میں' چینی بادشاہوں کا خیالی نقش بھی شامل کر دیا گیا۔ مارکو پولو نے یورپ والوں کے ذہنوں میں "تاتاری کاکا آن (خاقان) کی جو جگہ بنائی تھی وہ تیمور کو مل گئی۔ مگر ان سب باتوں کا حقیقی تاریخی واقعات اور حقیقی انسانوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

یورپ کو تیمور کے بارے میں صحیح واقعات و حالات کا علم اس وقت ہوا جب اٹھارویں صدی کے اوائل میں پیٹس ڈی لا کروئے (Petis De La Croix) نے شریف الدین کی کتاب کا ترجمہ کیا۔

پو کی نظم سے، جو دراصل انسانی محبت کے موضوع پر ہے، تیمور کی بس یہی تصویر سامنے آتی ہے کہ

بادشاہی کی شان و شوکت،
اور نقارے کی گرج دار آواز،
جس سے پایا جاتا ہے کہ
انسانوں میں جنگ ہو رہی ہے۔ (مصنف)

135- کلاویہو نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو سفیر کہا ہے اور تیمور کے لئے لفظ "امیر" استعمال کیا ہے۔ (مصنف)

136- لفظ "سلطان" سے مراد سلطان مصر ہے۔ یہ عبارت کلیمنٹ مارخم کے ترجمے سے مختصر کر کے لی گئی ہے جسے ہیکلوٹ سوسائٹی نے شائع کیا ہے۔ (مصنف)

137- وہ جتہ خان مراد ہے جسے تیمور نے سمرقند سے نکال باہر کیا تھا۔ کلاویہو نے اپنے قیام سمرقند کے دوران میں وسطی ایشیا کے حالات سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ انیسویں صدی سے پہلے مغربی یورپ کا یہی ایک شخص سمرقند گیا تھا۔ اور جب اس صدی میں یورپ میں تیمور کا چرچا شروع ہوا اس وقت تک تیمور کے تعمیر کئے ہوئے محل اور دیگر عمارتیں کھنڈر ہو چکی تھیں۔ کچھ زلزلوں سے گر چکی تھیں اور کچھ خستہ حال ہو گئی تھیں۔ (مصنف)

138- تیمور کے خیمے اچھے خاصے محل ہوتے تھے۔ اسی قسم کے ایک خیمہ محل کا حال کلاویہو نے بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ اس نے اس خیمے کو ایک وسیع پویلین (Pavalian) یعنی شامیانہ یا سرا پردا بتایا ہے۔ لکھتا ہے:

"اس کی چوڑائی ایک سو قدم کی تھی، چار کونے تھے، اور چھت گنبد کی چھت کی طرح گول تھی۔ اسے بارہ چوبوں پر کھڑا کیا جاتا تھا جن کی گولائی آدمی کے سینے کے برابر ہو گی اور جن میں سے ہر ایک پر سنہری، نیلا اور کئی اور رنگ پھرے ہوئے تھے۔ یہ خیمہ گاڑنے کے لئے گاڑی کے پہیوں جیسی چرخیاں استعمال کی گئیں جنہیں آدمیوں نے چلایا۔ ان کو سہارا دینے کے لئے جگہ جگہ رسیاں باندھ دی گئیں۔"

"اس شامیانے کی چھت میں کمخاب کے پردے اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ ایک رخ سے دوسرے رخ تک قوسیں بن گئی تھیں۔ باہر کے رخ برآمدے نکالے تھے اور کم و بیش پانچ سو سرخ طنابیں کھچی ہوئی تھیں۔ اندر قرمزی رنگ کا ایک بڑا سا قالین بچھا ہوا تھا

جس پر زری کا کام تھا۔ چاروں گوشوں میں چار عقابوں کے مجسمے تھے جو پر سمیٹے بیٹھے تھے، اوپر کے رخ پر سفید، سیاہ، اور زرد رنگ کی چوڑی چوڑی دھاریاں تھیں، چاروں کونوں پر چار اونچی اونچی چوبیں تھیں جن کے اوپر کے سروں پر تانبے کے گولے اور ان گولوں پر ہلال بنے ہوئے تھے، اور چوٹی پر ریشمی کپڑے کا ایک برج تھا جس کے کنگورے نکلے ہوئے تھے اور جس میں ایک دروازہ بھی رکھا گیا تھا۔"

"یہ سرا پردا یا شامیانہ اتنا بڑا تھا کہ دور سے محل جیسا نظر آتا تھا۔ غرض یہ دیکھنے دکھانے کے قابل تھا اور اتنا خوشنما تھا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

139- تاشقند: اس زمانے میں تا شنت یا تا شکند تھا۔ بعد میں کوشاش بھی نام پڑا جس کے معنے ہیں پتھر کا شہر۔ ایرانی اسے چاچ کہتے تھے۔ (آجکل روسی ترکستان کا دارالحکومت ہے) دیکھئے جغرافیہ خلافت مشرق از لی اسٹرینج۔ صفحات 480-482-

140- تیمور کا انتقال بتاریخ 17 شعبان 807ھ بروز چہار شنبہ رات کے وقت ہوا۔ دیکھئے ظفر نامہ۔ جلد دوم۔ صفحہ 6611-

141- جیب السیر کے حصہ سوم، جلد سوم کے صفحہ 84 پر یہ لکھا ہے کہ جب امرا تیمور کا جنازہ لئے ہوئے سمرقند جا رہے تھے تو انہیں یہ خبر ملی کہ خلیل تخت پر بیٹھنے کے لئے سمرقند روانہ ہو گیا ہے۔ اس پر آپس کے مشورے کے بعد بعض امرا بخارا چلے گئے، بعض جنازے کے ساتھ سمرقند پہنچے۔ اس وقت شام ہو رہی تھی حاکم شہر ارغون شاہ نے دروازہ نہ کھولا۔ ان سب کو رات شہر کے قریب چہار باغ میں گزارنی پڑی۔ دوسرے دن دروازہ کھلا تو تیمور کی لاش محمد سلطان کی قبر کے قریب دفن کی گئی۔ یہ واقعہ 22 شعبان 897ھ، دو شنبہ کی رات کا ہے۔ ظفر نامہ کی جلد دوم میں صفحات 674-675 پر بھی یہ واقعہ اسی طرح درج ہے۔

142- تیمور کی عسکری شخصیت: سر پرسی سائیکس نے تیمور کے متعلق لکھا ہے: "ایشیا کی تاریخ میں کسی اور انسان نے تلوار سے اس جیسے عسکری کارہائے نمایاں انجام نہیں دیئے، اس لئے تیمور کو جو شہرت حاصل ہوئی اس کا اور کوئی مستحق بھی نہیں ہے۔ بعض اوقات تو اس کی کامیابیاں فوق البشر کے کارنامے معلوم ہونے لگتی ہیں۔ چنگیز کی طرح تیمور کو بھی قدرت نے جنگ کا ایسا ملکہ عطا کیا تھا کہ وہ بعض حالات میں مافوق انسان معلوم ہوتا تھا۔ ہم سیزر کی مہمات، ہنی بال کے جنگی کارناموں یا نپولین کی القائی تزویراتی قابلیت کی خواہ کتنی ہی تعریف کیوں نہ کریں لیکن غور کرنے سے یہ عیاں ہوتا جا رہا ہے کہ دنیا کی

بساط پر ایشیا کے یہ دو فاتح نیز اسکندر فن حرب کے استادوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ ممکن ہے ان کے سے بعض کارنامے چھوٹے پیمانے پر اوروں نے بھی دکھائے ہوں لیکن کسی ایک فرد سے مجموعی طور پر بن نہیں پڑے۔

چنگیز خاں کی شخصیت ابھی تک بہت پردہ اسرار میں چھپی ہوئی ہے' اور اس کے بارے میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں' مثلاً یہ کہ آیا چنگیز خاں نے ساری دنیا فتح کرنے کا کوئی گہرا منصوبہ بنایا تھا یا وہ محض ایک ایسا وحشی انسان تھا جسے قدرت نے حربی صلاحیت القا کی تھی۔ ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ بڑا عاقل انسان تھا اور ایک ایسی عقل کا مالک تھا جو اس دنیا کے لئے بلائے بے درماں ثابت ہوئی' اسی طرح ہم تیمور کی عظیم فتوحات کا جائزہ بھی لے سکتے ہیں اور ان پر غور بھی کر سکتے ہیں مگر اس کی کامیابی کا راز معلوم کرنے سے قاصر رہیں گے۔

جہاں تک اسکندریہ کا تعلق ہے ہم اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں ____ وہ مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کا بیٹا تھا' اسے ورثے میں ایک زبردست فوج مل گئی تھی' اور اس نے اپنی فتوحات کے ریلے میں ایران کی سلطنت کو' جو اس سے پہلے بڑی آن بان سے قائم تھی' شکست دے کر اس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر ایشیا کے ان دو فاتحوں ____ چنگیز اور تیمور ____ کے اور ہمارے درمیان وقت اور ایک بالکل اجنبی ماحول کا پردہ حائل ہے۔

تاہم بعض باتیں یقین کے ساتھ بھی کہی جا سکتی ہیں۔ اسکندر کی طرح وہ بھی بے پایاں قوت برداشت اور ایک ایسی قوت عمل کے مالک تھے جو کسی کے روکے نہ رکتی تھی۔ مگر بس اتنی ہی مشابہت تھی' اور کسی بات میں مشابہ نہیں تھے۔ چنگیز خاں صبر و تحمل سے کام لیتا تھا' تیمور جلد باز اور سیماب صفت انسان تھا۔ چنگیز شروع شروع میں تو نہیں البتہ بعد میں اپنے مرکز میں بیٹھے بیٹھے ہدایتیں دے دے کر فوج کو لڑایا کرتا تھا مگر تیمور عام طور سے خود محاذ پر موجود ہوتا تھا۔ چنگیز اپنے وزیروں اور سپہ سالاروں کو اپنی ذمہ داریوں میں شریک کرتا تھا' اس کے برعکس تیمور تمام ذمہ داریاں اپنے اوپر لے لیا کرتا تھا۔

یہ محض طریق کار کا فرق تھا یا یہ بات تھی کہ چنگیز کو بہتر قسم کے مشیر مل گئے تھے اور اس کے ملازم زیادہ قابل اعتماد تھے؟ معلوم ہوتا ہے یہی بات تھی۔ اس کے چینی وزیر اور چار جنگجو بیٹے' سبوتائی (سوبدائی)' چیپی نویاں (چپہ نویان)' بیان اور موولی (منقولی) خود بھی مہمات سر کر سکتے تھے۔ اس کی موت کے بعد ان میں سے جو زندہ رہے انہوں نے مملکت

کو وسعت دی مگر تیمور کے جرنیلوں سیف الدین' شیخ علی بہادر اور جاکو برلاس نے ایسا کوئی کارنامہ انجام نہ دیا۔

تیرہویں صدی کے مغل جنگی قیادت اور شہد کی مکھیوں کی سی تنظیم نیز تعاون کے فطری اوصاف رکھتے تھے مگر تاتاری سپاہی آپس میں پوری طرح گتھے ہوئے نہ تھے۔ تیمور کی عدم موجودگی میں ان کی جنگی اہلیت آدھی رہ جاتی تھی۔ مغل کسی طاقتور دشمن کے مقابلے کے لئے ایسی حالت میں بھی جنگی نقل و حرکت کر سکتے تھے جب ان کے لشکر ایک دوسرے سے دور دراز فاصلوں پر ہوں مگر تیمور ہمیشہ منظم اور مربوط فوج لے کر نکلتا تھا۔

چنگیز خان میں عسکری تنظیم نیز فوجوں کو حرکت میں لانے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ وہ جب کسی مہم کا منصوبہ بناتا تھا تو اس کی باریک ترین تفصیلات تک میں جاتا تھا' اور اسے آخری شکل دینے سے پہلے ہفتوں تک اس پر اپنے سپہ سالاروں سے تبادلہ خیالات کرتا رہتا تھا۔ وہ تزویرات کا استاد تھا مگر جب کبھی جنگ کرنا ضروری نہ ہوتا لڑائی ٹال جاتا۔ اس کا ایک خاص طریق حرب یہ تھا کہ دشمن کے مرکزی مقام کو تباہ کرنے اور اس کے کماندار کو مارنے کے درپے ہوتا۔ اس کے اقدامات کو چھپایا جاتا تھا' ان پر اسرار کے پردے ڈالے جاتے تھے اور لوگوں کو ان سے خوفزدہ کیا جاتا تھا' اسی طرح جب چنگیز کسی مقام کو فتح کر کے آگے بڑھتا تھا تو وہاں کشتوں کے پشتے لگے ہوتے تھے۔

چنگیزی مغلوں کی آمد پر جو خوف و ہراس لوگوں پر طاری ہو جایا کرتا تھا اس کا تو ہم تصور ہی نہیں کر سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک فتح کئے ہوئے شہر میں ایک مغل سپاہی نے بیس آدمیوں کو قتل کرنے کی غرض سے اکٹھا کیا مگر پھر اسے معلوم ہوا کہ اپنی تلوار ساتھ لانی بھول گیا ہے۔ اس نے قیدیوں کو حکم دیا کہ اس کے تلوار ڈھونڈ کر لانے تک جہاں کھڑے ہیں وہیں کھڑے رہیں اور تلوار لانے کے لئے چلا گیا۔ وہ سب وہیں کھڑے رہے' صرف ایک بھاگ نکلا اور یہ کہانی لوگوں نے اسی کی زبانی سنی۔

مگر تیمور کے تاتاری اور قسم کے لوگ تھے۔ آق بوغا کا چالیس ایرانی سپاہیوں کا تن تنہا تعاقب کرنا اپنی قسم کا واحد واقعہ نہیں تھا اور یہ بھی درست ہے کہ تیمور کے سپاہی اپنے آپ کو ناقابل شکست سمجھتے تھے' لیکن اس کا راز یہ تھا کہ انہیں تیمور کی ماوراء قابلیت ہی تقدیر نظر آتی تھی۔

چنگیز کی طرح تیمور بھی منصوبے تیار کرنے میں احتیاط سے کام لیتا تھا مگر وہ چنگیز جیسا کامل ماہر تزویرات نہ تھا۔ چنگیز خاں مشکلات اور دشواریوں سے کترا کر نکل جاتا تھا' اس

کے برعکس تیمور ان کا سامنا کر کے ان پر قابو پاتا تھا۔ چنگیز خاں کبھی بھی چند سو سوار لے کر، فوج سے میلوں آگے، بغداد میں داخل نہ ہوتا۔ اسی طرح وہ قرشی کی فصیل پر بھی تنہا کبھی نہ چڑھتا۔

چین میں چنگیز خاں پہلے پورے پورے صوبوں کو تباہ و برباد کرتا تھا، اس کے بعد اس ابتری سے فائدہ اٹھا کر کامیابی سے جنگی نقل و حرکت کرتا تھا مگر اس کے برعکس تیمور دشمن کو موقع دیتا تھا کہ وہ اپنی ساری طاقت کسی ایک مقام پر جمع کر لے، پھر پیش قدمی کر کے اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری زمانے میں اس نے ہر موقع پر یہی کیا۔ وہ نپولین کی طرح ہر ممکن حادثے کے لئے تیار رہتا تھا اور اس میں صحیح موقع پر صحیح اقدام کی جو قابلیت تھی اس پر بھروسہ رکھتا تھا کہ اس سے کام لے کر دشمن کا زور توڑ کر رکھ دے گا۔ چنانچہ کوئی بڑی سے بڑی الجھن یا دشواری پیش آ جاتی تو بھی بدحواس یا ہراساں نہ ہوتا۔

یہ راز کسی طرح نہیں کھلتا کہ چنگیز خاں میں جو صحرا میں پیدا ہوا تھا، جہاں فوجی تعلیم و تربیت کا کوئی سامان یا انتظام نہ تھا، اتنی تزویراتی بصیرت کہاں سے آگئی اور اس نے صحرا میں بیٹھے بیٹھے اتنی زبردست فوجی تنظیم کیسے بنا لی! اسی طرح تیمور کی فتوحات کا راز بھی معما

پانچواں حصہ

کتابیات

1- ماخذ

تیمور نے اپنے دور حکومت کے اواخر میں اپنے دربار کے اہل قلم کو حکم دے دیا تھا کہ وہ روزانہ واقعات قلمبند کرتے رہیں۔ ان میں سے بیشتر واقعات او یغور اور فارسی زبانوں میں لکھے گئے۔

براؤن (183) بوواٹ (20) اور بلوچیٹ کے مطابق شریف الدین لکھتا ہے کہ "تیمور ہمیشہ وقائع نگار ساتھ رکھتا تھا جو واقعات قلمبند کرتے رہتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ مقرر کیا تھا کہ جو افسر اور امیر کسی واقعے کے وقت موجود ہوتے ان سے اس کی تفصیلات معلوم کی جاتیں۔ پھر پہلے تیمور ان تفصیلات کی ترتیب و تالیف خود کرتا، اس کے بعد اپنی موجودگی میں ان کی صحت اس طرح کراتا کہ ایک آدمی عبارت کو باواز بلند پڑھتا اور جب کسی اہم مقام پر پہنچتا تو رک جاتا۔ اس مرحلے پر مذکورہ واقعے کے عینی شاہد اپنے اپنے بیانات پیش کرتے، اور اس کی جو تفصیلات ان کے علم میں ہوتیں وہ بیان کرتے۔ پھر خود بادشاہ زیر بحث واقعے کی صداقت پر غور کرتا، وقائع نگار کے بیان کا گواہوں کے بیان سے موازنہ کرتا، کاتبوں کو بتاتا کہ اسے کس انداز سے لکھنا چاہئے، اور اس انداز سے واقعہ دوباہ قلمبند ہونے کے بعد اسے ایک بار پھر سنتا تاکہ یقین ہو جائے کہ اب مزید اضافے یا کاٹ چھانٹ کی ضرورت نہیں۔" (دیکھئے Histoire de timur bec کے مصنف کا دیباچہ)۔

اس نے یہ سارا مواد بغدادی اہل قلم نظام شمس کے حوالے کر دیا، جو 1400ء میں اس کے دربار سے وابستہ ہوا تھا اور اسے حکم دیا کہ اس سے اس کے عہد کی ایک ایسی تاریخ مرتب کرے جس میں مبالغہ نہ ہو اور جس کی زبان آسان ہو۔ نظام شمس نے تیمور کی موت سے ایک سال پہلے ہی تاریخ مکمل کر کے اسے پیش کر دی تھی اور اس کا نام ظفرنامہ رکھا گیا تھا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی۔ آج کل اس کا صرف ایک نسخہ ملتا ہے۔ یہ برٹش میوزیم میں ہے اور اس کا تاحال (1928ء) ترجمہ نہیں ہوا ہے۔

پھر ایک نامور ایرانی علی الیزدی ملقب بہ شریف الدین نے، جو تاتاری فاتح کے ساتھ کئی سفر کر چکا تھا اور اس کے آخری دور کی جنگوں میں بھی موجود رہا تھا، تیمور دور کی ایک اور تاریخ لکھی۔ یہ بھی فارسی زبان میں تھی اور اس کا نام بھی ظفر نامہ تھا۔ اس میں شریف الدین نے نظام ہی کی تاریخ کی ساری باتیں لکھ دی تھیں مگر جا بجا اپنی رائے بھی ظاہر کرتا گیا تھا اور تیمور کی موت کے بعد کے واقعات بھی شامل کر دیئے تھے۔ چونکہ وہ شاہرخ کے دربار میں رہتا تھا اور اس نے اسی کی سرپرستی میں یہ تاریخ لکھی تھی، اس لئے اس کی کتاب میں یہ نقص ہے کہ تیمور کے ہر فعل کی تعریف کرتا ہے، اس کے علاوہ عبارت بھی بڑی مرصع اور دقیق لکھی ہے مگر اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ تیمور کے دور حکومت کے تمام حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب 1425ء میں مکمل ہوئی۔ اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں پیٹس ڈی لا کروئکس (Petis de la croix) نے کیا جو 1722ء میں پیرس سے

L' Histoire du Timur - Bec Connu Sons le nom du gran Tamerlane

کے نام سے شائع ہوا۔ 1723ء میں اس کا ترجمہ فرانسیسی سے انگریزی زبان میں کیا گیا اور

The History of Timur-Bec, known by the name of Tamerlane the Great, Emperor of the Moguls and Tatars

کے نام سے لندن سے شائع ہوا۔

اس سے قبل 1412ء -- 1414ء میں ایک شخص محمد ابن فضل اللہ موسوی نے احسن التواریخ کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی۔ اس کے بعد حافظ آبرو کی، جو تیمور کی آخری مہموں میں اس کے ساتھ تھا، زبدۃ التواریخ شائع ہوئی، جو اس نے تیمور کے ایک پوتے کے حکم سے 1423ء ---- 1424ء میں لکھی۔ یہ کتاب ضخیم ہے اور نہایت سادہ زبان میں لکھی گئی ہے مگر اس کا بھی اب تک ترجمہ نہیں ہوا۔

اس کے بعد احمد ابن عرب شاہ کی کتاب عجائب المقدور فی اخبار تیمور شائع ہوئی۔ وہ سلطان احمد کے دربار میں منشی ہوا کرتا تھا۔ تیمور اسے سمرقند لے آیا تھا۔ یہ کتاب تیمور کے بہت سخت خلاف ہے اور بعض مقامات پر تو صریحاً" ہجو ہے، البتہ انداز بیان صاف اور عبارت زوائد سے پاک اور مختصر ہے، اور یہ اس لحاظ سے مفید بھی ہے کہ اس میں تفصیلات ملتی ہیں اور تیمور کے کردار کی جانچ تول کی گئی ہے، خاص کر تیمور کی موت کے

بعد سمرقند کے حالات خوب بیان کئے گئے ہیں۔ اس کا لاطینی ترجمہ Arabsaidae Vitae Ahmedis کے نام سے مل جاتا ہے۔ یہ ترجمہ 1767 -- 1772 میں سیموئل مینجر (Samuel Manger) نے کیا تھا اور Leovardiae سے شائع ہوا تھا۔ فرانسیسی زبان میں اس کا غلط سلط ترجمہ Histoire du Gran Tamerlane Avee la suite de son histoire کے نام سے پیرس سے 1658ء میں شائع کیا گیا۔ اس کے مترجم کا نام Pierre Vattier ہے۔

ان چار تاریخوں کی بنیاد پر بعد کے ایشیائی مورخوں نے تاریخیں لکھیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور میرا خوند (متوفی 1498ء) کی کتاب روضۃ الصفا اور اس کے پوتے اخوند میر کی کتاب حبیب السیر (1525ء) ہیں۔ دوسری کتاب میں تیمور کے، خصوصاً مصر اور شام سے اس کے تعلقات کے بارے میں تازہ اور مفید معلومات درج ہیں۔ اس کا خلاصہ D'Herbelot کی La Bibliotheque (1780ء) میں ہے۔

تیمور کی 'تزک تیموری' اور 'ملفوظات' کے متعلق ابھی تک مستشرقین کچھ فیصلہ نہیں کر سکے ہیں اور مشرقیات کی تحقیق کا سب سے بڑا معما بنی ہوئی ہیں۔ یہ قصہ یوں ہے کہ سترھویں صدی کے شروع میں ایک شخص ابو طالب حسینی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس تیمور کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یادداشتیں (ملفوظات) اور حواشی (تزک تیموری) موجود ہیں۔ یہ ضخیم سی کتاب سادہ زبان میں لکھی ہوئی تھی اور اس میں مندرج واقعات بھی صحیح اور بظاہر مستند تھے۔ مگر ڈیڑھ سو برس گزر جانے کے بعد بھی اس کے مستند یا غیر مستند ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکا ہے۔

اس کے حق میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ اجمالاً" یہ ہیں کہ اس میں جو واقعات درج ہیں یہ تاریخی اعتبار سے صحیح ہیں، اور ابوطالب کو کیا پڑی تھی کہ اتنی ضخیم کتاب خود لکھ کر تیمور کے نام سے منسوب کر دیتا! ان دو دلیلوں کے علاوہ مزید دو دلیلیں یہ بھی ہیں کہ ایشیائی فضلا نے اسے درست تسلیم کرلیا تھا اور اس کا اسلوب بیان بھی جامع، دلکش اور سادہ ہے جو کسی ایرانی یا کسی اور ایشیائی مورخ نے اختیار نہیں کیا۔

اس کے خلاف دلائل یہ ہیں کہ اول تو تیمور کے ہمعصروں ----- نظام اور شریف الدین وغیرہ ----- نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ تیمور کی موت کے دو سو سال بعد تک اس کا مسودہ چھپا رہا تو بھی اتنے عرصے بعد جس کسی کے ہاتھ لگا وہ اسے منظر عام پر نہ لایا۔

یہ 'ملفوظات' اور 'تزک تیموری' ایک نقل شدہ مسودے کی شکل میں یورپ لائے گئے۔

1783ء میں اس مسودے کا میجر ڈیوی اور جوزف وائٹ نے انگریزی میں ترجمہ کرکے

Institutes Political and Military Written Originally in Mogul Language by the Great Timour, Improperly Called Tamerlane.

کے نام سے شائع کیا۔ 1787ء میں پروفیسر لنگلے نے اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی شائع کیا۔

اس کے بعد میجر چارلز اسٹیوارٹ نے 1830ء میں لندن سے ایک ترجمہ اس نام سے شائع کیا:

The Mulfuzate Timury or Autobiographical Memoirs of the Moghul Emperor Timur, Written in the Jagtay Turkey Language turned into Persian by Abu Talib Hussainy.

انیسوی صدی کے آخر تک تزک اور ملفوظات کو عموماً" مستند سمجھا جاتا رہا۔ آر مینس ویمبری اور لیون کہون نے ان پر کوئی اعتراض وارد نہ کیا۔ مگر پچھلے دس برس کے فضلا انہیں قبول نہیں کرتے۔ ریو نے انہیں رد کر دیا اور براؤن اور بوواٹ کو انہیں مستند ماننے میں تامل ہے۔

ان کے حق میں یا ان کے خلاف کوئی نیا ثبوت سامنے نہیں آیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تیمور نے خود اپنے سوانح لکھے اور (یہ تو قرین عقل ہی نہیں کہ) ان کا علم شریف الدین اور دیگر اہل قلم کو نہ ہوا۔ اگر انہیں علم ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ان کا ذکر نہ کرتے۔ ان کے مستند ہونے کی تین دلیلوں میں سے دو دلیلوں کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ابوطالب نے ان پر مشتمل کتاب شاہجہاں کے عہد میں لکھی' جو تیمور کا نام لیوا اور ایسے نوادر کا قدردان تھا۔ جہاں تک انداز بیان کا تعلق ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تزک بابری کی نقل کی جارہی ہے۔ تیسری دلیل' یعنی یہ کہ تزک کے واقعات اپنی افادیت کا ثبوت خود ہیں' قدرے محکم ہے اور اس کے رد میں ابھی تک کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تیمور کے وقائع نگاروں نے اصل مواد کا کچھ حصہ نظام کے حوالے کر دیا ہو مگر اب اس مواد کا دستیاب ہونا قریب قریب ناممکن ہے۔

راقم نے 'ملفوظات' کو 'تزک بابری' کے (ارسکین لیڈن) ترجمے سے ملا کو دیکھا تو بعض واقعات کے بیان کا اسلوب بالکل ایک سا پایا لیکن اگر ہم ان کو دو سو سال بعد کی اختراع سمجھیں تو دو باتیں' جو ان میں پائی جاتی ہیں' سمجھ میں نہیں آتیں۔ (1) بعض واقعات

دہرائے گئے ہیں۔ اگر ملفوظات کا راقم اختراع کررہا ہوتا تو اس طرح واقعات دہراتا نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کہیں سے ترجمہ کررہا ہے۔ (2) اس میں صفائی سے لکھ دیا گیا ہے کہ تیمور "طرا" یعنی حکمراں خاندان کا فرد نہیں تھا۔ یہ کسی ایسے شخص کی اختراع نہیں ہو سکتی جو ایک فرضی تزک تیموری لکھ کر تیمور کی اولاد کو خوش کرنا چاہتا ہو۔

پیش نظر کتاب میں ملفوظات سے منقول واقعات کو تیمور سے منسوب نہیں کیا گیا ہے اور جو واقعات بدیہی طور پر مستند معلوم ہوئے وہی درج کئے گئے ہیں۔

2- یورپی ماخذ اور سیاح

برگران' پیرے (Bergeron Pierre) - ملک تاتار کے سفر کا تذکرہ اور تاتاریوں کی اصل نسل' عادات' رسوم' مذہب' فتوحات اور مملکت وغیرہ کے حالات۔

(Relations des voyages en Tartarie plus un traicte des Tartares, de leur Origine, Moeurs, Religion, Conquests, Empire, Chams, Hordes Avec Ven de l' Historie des Sarasins)

یہ اپنے زمانے کے لحاظ سے نہایت اچھی کتاب تھی مگر اب تقریباً نایاب ہے البتہ راقم کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ پیش نظر فہرست کتب کی اکثر کتابیں راقم کے پاس موجود ہیں۔

کلاویہو' روئی گونزالز دی (Clavijo, Ruy Gonzalez De) روئی گونزالز دے کلاویہو کی سفارت بدربار تیمور بمقام سمرقند (1403 -- 1406ء) کا بیان:

(Narrative of the Embassy of Ruy Gonzalez de Clavijo to the Court of Timour, at Samarkand, A.D. 1403-6)

ترجمہ از کلیمنٹ مارخم۔ مطبوعہ ہیکلویٹ سوسائٹی۔ 1859ء۔

(ہسپانیہ کے ایک درباری کا بیان جس نے تیمور کے عہد حکومت کے اواخر میں سمرقند پہنچ کر اس کے دربار میں باریابی حاصل کی)

کانتارینی (Contarini) جوسافا بار بارو (Josafa Barbaro) اور امبروگیو کانتارینی (Ambrogio Contarini) کے تانا اور ایران کے سفر۔ مطبوعہ ہیکلویٹ سوسائٹی 1873ء۔

دی سیسی' سلوسترے (De Sacy Silvestre) تیمور اور چارلز ششم کی غیر مطبوعہ خط

و کتابت پر مبنی یادداشت۔

(Memoire sur une correspondence inedite de Tamerlane avec Charles VI --- Memoires de l' Academie des Inscriptions et Bells-Letters, Tome Sixieme).

(مطبوعہ ادبی اکادمی - چھٹی جلد) 1822ء میں پیرس میں چھپی۔

یہ ان خطوط کا تجزیہ ہے جو تیمور اور شاہ چارلز ششم نے ایک دوسرے کو بھیجے۔ دی سیسی کا خیال ہے کہ تیمور نے شاہ فرانس کو جو خط لکھا تھا یہ انقرہ کی جنگ سے پہلے لکھا گیا تھا۔

فروئے سارٹ (Froissart)۔ 'بیانات' (Croniques) مطبوعہ پیرس' 1835ء۔

یہ ترکوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا تفصیلی بیان ہے۔

ہیتھن' جان (Haithon, John)۔ "مشرقی دنیا کے حالات کی تاریخ"، مولفہ فریر ہیتھن جو آرمینیا کے بادشاہ کا چچیرا بھائی تھا۔

Les Fleurs des Histoires de la terre d' Orient Compillees par frere Hayton .... Cousin du Roy D'armenie.

ترجمہ از نکولس سالکن (Nicholas Salcon) مطبوعہ پیرس 1475ء۔

یہ اس زمانے کے مشرقی ممالک کے حالات کا بیان ہے۔ "تاتاری تاریخ" (Historia Tartarorum) (مسودات لیڈن)۔

پیرونڈینو پیٹرو (Perondino pietro) کی تمرلین پر کتاب

Magni Tamerlanis Seytharum Imeratoris Vita

مطبوعہ فلارنس' 1553ء۔

پوڈیسٹا بپٹسٹا (Podesta Baptista) کی کتاب Tamerlanis De gestis۔ پرانے یورپی تصورات نیز ترکی ماخذ پر مبنی ہے۔ یہ کچھ مفید نہیں۔

ریو - سی - پی ایچ (Rieu, C.P.H.)۔ "برٹش میوزیم میں فارسی زبان کے مسودوں کی فہرست"۔ مطبوعہ لندن (1879ء --- 1883ء) یہ وہ فارسی ماخذ اور تاریخیں ہیں جن پر بحث کی جا چکی ہے۔

شلٹ برگر' جوہنز (Sehiltberger, Johannes) "شلٹ برگر کا سفر اور اسیری

(Gefangenschaft in der Turckey)۔ مطبوعہ فرینکفرٹ۔ 1557ء۔

یہ ایک جرمن نوجوان کی بے ڈھنگی سی داستان ہے جو نکوپولس کی لڑائی میں قید ہوگیا تھا اور بعد میں تیمور کے بیٹے اور تاتاری خان ایدکو کا ملازم رہا۔

سعید الدین۔ تاج التواریخ۔ فرانسیسی زبان میں کولر (Kollar) نے اس نام سے ترجمہ کیا:

Seauddini annales Turcici usque ad Murad مطبوعہ وائنا' 1775ء۔

سیورک' جورڈین' کیٹالینی (Severac, Jourdain Catalani) کی کتاب

Mirabilia Descripta Sequitur de Mango Tartare

فرانسیسی ترجمہ از کاردیر (Cordier) مطبوعہ پیرس۔ 1925ء۔

ٹرنر' پی' ہڈسن۔ ایڈورڈ اول کے زمانے کے غیرمطبوعہ اعلانات اور روس کے مغل بادشاہوں سے تعلقات کا حال۔ آرچ جرنل جلد ہشتم۔ مطبوعہ لندن' 1851ء۔

3- ثانوی ایشیائی ماخذ

ابوالغازی بہادر خان کی کتاب بحیرۂ خزر کے خطے کے تاتاری خوانین کی تاریخ'

Historia Mongolorum et Tatarerum nune Tatarice Primum)

جو تیمور کی موت کے دو سو سال بعد ایک ازبک خان نے لکھی' کازن (Kazan) - 1825ء۔

بابر کی "تزک بابری' - ترجمہ لیڈن و ارسکن۔ لندن 1826ء۔

تیمور کے خلف اور ہند میں مغل سلطنت کے بانی بابر کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ اس میں تیمور کے کارناموں کا ذکر تو کہیں کہیں ہی آتا ہے البتہ تیمور کے بعد سمرقند نے علم و فن کی ترقی کا جو سنہری دور دیکھا اس کا بیان بڑا اہم ہے۔

حیدر مرزا کی "تاریخ راشدی"۔ تالیف: این - الیاس - ترجمہ: ای ڈینیسن رائس - مطبوعہ لندن' 1895ء

یہ ایک چغتائی یا جتہ مغل خان کے قلم سے اس کی قوم کے حالات ہیں۔ ترجمہ بہت خوب ہے۔

ابن بطوطہ کا سفرنامہ۔ ترجمہ ڈیفریمری (Defremery) اور سینگوئینیٹی (Sanguinetti) پیرس' 1853ء۔

ابن بطوطہ تیمور کی پیدائش کے قوت ایران اور ماوراء النہر سے گزرا تھا۔

ابن خلدون از بیرن دی سلین (Baron de Slane) جرنل ایشیا ٹک 4 - سلسلہ 3-
(دمشق میں تیمور اور مشہور زمانہ مورخ ابن خلدون کی ملاقات کا حال)۔ اخوند میر کی 'ماوراء النہر کے مغل خوانین کی تاریخ'۔ ڈیفریمیری نے فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ اس نام سے کیا۔

Histoire des Khans Moghuls de la Trans Oxiania
1853ء میں لندن میں چھپی۔

مینارڈ باربیئر دے (Menard Barbier De) کے 'منتخابات'
(Extraits de la Chronique persane D.Herat)
جرنل ایشیا ٹک 5- سلسلہ 17-
ان میں ہرات کے ملک خاندان کا تذکرہ ہے۔

میر شبیر نوائی کے 'منتجاب' (Extraits et traduction) جرنل ایشیا ئیٹک 5- سلسلہ -7

4- عام تاریخیں

بوودات' لوشین (Bouvat, Lucien) کی کتاب 'مغل مملکت' (2, em phase L' Empire Mongol) چنگیز خان کے بعد مغل مملکت کے واقعات کا تذکرہ ہے۔

کہون لیون (Cahun Leon) کی کتاب 'ایشیا کی تاریخ کا تعارف : ترک اور مغل' آغاز سے 1405ء تک'۔
(Introduction a la histoire de la Asie : Turcs et Mongols, des Origines a 1405

مطبوعہ پیرس۔
اس میں ایک بڑے عالم شخص کے نظریات درج ہیں مگر تیمور سے متعلق باب میں بار بار ترکوں کا ذکر آنے سے اس کی افادیت میں فرق آگیا ہے۔

دیح گونز (De Guignes)-کی کتاب 'ھنوں، ترکوں اور مغلوں کی عام تاریخ'
(Histoire Generale des Huns des Turcs des Mongols)
مطبوعہ پیرس۔ 1756ء اپنے دور کا سیر حاصل تذکرہ ہے۔

فرشتہ کی 'ہندوستان میں اسلامی سلطنتوں کے عروج و زوال کی تاریخ' 1612ء تک۔ (ترجمہ : جے۔ برگز - کلکتہ۔ 1910ء) میں ہندوستان کے حکمران خاندانوں کے مکمل حالات درج ہیں۔

'گبنز' ھربوٹ ایڈمز کی کتاب 'عثمانی مملکت کی بنیاد'
(The Foundation of the Ottoman Empire)
مطبوعہ نیویارک میں عثمانی بادشاہوں اور بازید کے حالات بڑی خوبی سے بیان کیے گئے ہیں۔

ھیمر - پرگ شال' جے وان (Hammer, Pergstall J. Von) کی 'عثمانی مملکت' (Geschichte des Osmanischen Rieches) مطبوعہ وائنا 1835ء اور 'سنہری غول کی تاریخ (Golden Horde Geschichte der)' مطبوعہ بوڈا - 1840ء - پہلی کتاب بازنطینی اور ترکی تذکروں پر مبنی ہے' دوسری میں سنہری غول کے خوانین کے حالات ہیں۔

ہوورتھ' سر ھنری کی کتاب 'مغلوں کی تاریخ' (History of the Moghuls) (مطبوعہ لندن 1876 --- 1888ء) اس کی دوسری جلد میں سنہری غول کے خوانین کا' اور تیسری جلد میں ایران کے مظفری شہزادوں اور سلطان احمد کا مفصل حال ہے۔

لین پول' اسٹلنے کی کتاب 'سلاطین اسلام' (The Mohammedan dynasties) (مطبوعہ لندن' 1894ء) میں مسلمان حکمراں خاندانوں کے شجرہ ہائے نسب ہیں۔ جہاں تک تاتاریوں کا تعلق ہے ہوورتھ سے مدد لی گئی ہے۔

لوچنے' الیکسز دی (Levehine Alexis, De) کی کتاب 'کرغز قازق سطح مرتفع اور غولوں کے حالات :
(Description des Hordes et des steppes des Kirghis Kazaks)
ایم - فیری دی پگنی (M. Ferry de Pigny) نے روسی زبان سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کی' اور 1841ء میں پیرس سے شائع ہوئی۔

مقریزی : مصر کے مملوک سلطانوں کی تاریخ۔ ایم کواٹرے میرے (M.Quatremiere) نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے 1837ء میں پیرس سے شائع کی۔

میلکم' سرجان : 'تاریخ ایران' - (لندن 1829ء) تیمور کے کردار کا بہترین اندازہ ہے۔

میور' سرولیم۔ 'خلافت --- اس کا عروج' زوال اور تباہی'۔

The Caliphate, its Rise , Decline and Fall.
(مطبوعہ لندن - 1892ء) میں تیمور سے قبل عرب طاقتوں کے حالات ہیں۔

پرائس - 'تاریخ وار جائزہ' (Chronological Retrospect)
(مطبوعہ لندن (1811ء -- 1821ء) کی تیسری جلد کے پہلے حصے میں تیمور کی مہمات کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔

رمبو ا یلفریڈ (Rambaud Alfred) کی کتاب 'روس کی تاریخ' (Histoire de la Russie) مطبوعہ پیرس - 1914ء - اس میں لتھوانیا اور پولینڈ کے والیان ریاست سے روس کے شہزادگان اعظم کے تعلقات کا تذکرہ ہے' جو بہت خوب ہے۔

سکرین (Skrine) اور ڈینیسن راس کی کتاب 'وسطی ایشیا' روسی ترکستان اور وسطی ایشیائی خوانین کی سلطنتوں کی تاریخ۔ قدیم ترین زمانہ سے'۔
(The Heart of Asia : A History of Russian Turkestan and the Central Asian Khanates from the earliest times).
اس میں وسطی ایشیا کے سیاسی تغیرات کا خلاصہ ہے۔

سائیکس' لفٹنٹ کرنل' پی ایم - تاریخ ایران (A History of Persia) (مطبوعہ لندن 1915ء) تیمور کی مہمات اور اس کے عہد کے فن تعمیر کا اچھا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ (اس گروہ کے مورخوں نے تیمور کے بارے میں بہت کم لکھا ہے' صرف میلکم اور ویمبری نے ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔)۔

ویمبری' آرمینیس کی کتاب 'بخارا کی تاریخ - عہد قدیم سے موجودہ دور تک'۔
History of Bokhara --- From the earliest Period down to the Present).
(مطبوعہ لندن 1873ء) تیمور سے متعلق دو باب ناہموار ہیں تاہم ان سے حالات کے صحیح فہم کا اظہار ہوتا ہے۔

ویل' گستاو (Veil Gustav) کی کتاب (Geschiehte der Chalifen) مطبوعہ مین ہیم - 1846ء -- 1866ء-

دلف (Wolf) کی کتاب (Geschichte der Mongolen) مطبوعہ بر سلاؤ - 1872ء-

5- سمرقند اور اس کے آثار ہائے قدیمہ

بلینک' ای - (Blane, E) کی کتاب:

Antiquites de Samarkande, Revue des Deux Mondes.
مطبوعہ 1893ء اور
Mausolee de Tamerlane a Samarkande Academie des Inscriptions et Belles Letters.
مطبوعہ 1896ء صفحات 272 -- 303-

کریسویل' کے - اے - سی (Cresswell, K.A.C) کی کتاب 'ایران میں گنبد کی تاریخ اور اس کا ارتقا'۔
The History and Evolution of the Dome in Persisa)
رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ' 1914ء

کرٹس' ولیم ایلی رائے (Kurtis William Eleroy) کی کتاب 'ایشیا کا قلب ---- ترکستان' (Turkestan -- The Heart of Asia)
مطبوعہ نیویارک 1911ء

کروزیئر (Crozier) 'سمرقند میں تیموری عہد کی یادگاریں'
(Les Monuments, du Samarkande de epoque des Temourides)
مطبوعہ 1891ء-

لیکلرک جولز (Leclerq Jules) کی کتاب 'سمرقند کے آثار قدیمہ' (Samarcande Lest Monuments des) رائل بلجیم جغرافیائی سوسائٹی کا بلیٹن 13 - 1890ء جلد 6 صفحات 613 تا 632-

لی اسٹرینج' گائی (Le Strange, Guy) کی کتاب 'خلافت مشرقی کے ممالک۔ عراق اور وسطی ایشیا۔ اسلامی فتوحات سے لے کر تیمور کے عہد تک'
The Lands of Eastern Caliphate --- Mesopotamia and Central Asia from the Moslem Conquest to the time of Timur)
مطبوعہ کیمبرج - 1905ء' بے حد کارآمد کتاب ہے۔ اس میں تیموری مملکت کے شمالی حصے کے علاوہ باقی سب شہروں اور سڑکوں نیز تجارت کا تفصیلی بیان ہے۔ اس کے ماخذ ایشیائی مصنف مثلاً ابن بطوطہ' مستوفی اور ابو الفدا وغیرہ ہیں۔

مارڈوٹزنف' ڈی (Mordowtzefe, D) کی کتاب 'تیمور کے دارالسلطنت میں ---- قابل دید روس'۔

(In the Capital of Tamerlane — Picturesque Russia)

1901ء (روسی زبان میں)۔ راقم کی خوش قسمتی ہے کہ اس مصنف کے کچھ غیر مطبوعہ مسودے اس کے حوالے کئے گئے۔

ریڈ لاف، ڈبلیو، ڈبلیو (Redloff, W.W.) کی کتاب 'سمرقند کی قدیم تاریخ عمارتیں۔'

(Ancient Architectural Remains in Samarkand)

امپیریل رشین جیوگرافیکل سوسائٹی 1880ء جلد 6 (روسی زبان میں)۔

شیولر یوجین (Schuyler Eugene) کی 'ترکستان، روسی ترکستان، خوخند، بخارا اور کلجا کے سفر کے حالات'

(Turkestan : Notes of a journey in Russian Turkestan, Khokhand, Bukhara, and Kuldja).

اس میں شیولر نے کھنڈروں کا تفصیلی حال بیان کرنے کے علاوہ ویمبری کی تاریخ پر بھی بڑی زندہ دلانہ تنقید کی ہے۔

6- متفرقات

بیزلی، چارلز ریمنڈ (Beazley Charles Raymond) کی کتاب 'جدید جغرافئے کی ابتدا' (The Dawn of Modern Geography) مطبوعہ لندن۔ 1897ء ___ 1906ء۔

اس میں ان سیاحوں کے حالات ہیں جنہوں نے چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں ایشیا میں سفر کیا۔ تھوڑا سا ذکر شہروں کا بھی ہے۔

بیل، ایم ایس (Bell, M.S.) - 'وسطی ایشیا کی پیکن سے کاشغر تک جانے والی عظیم تجارتی شاہراہ'

(The Great Central Asian Trade Rout from Peking to Kashgar).

رائل جیوگرافیکل سوسائٹی - 1890ء۔

بلو چیٹ، ای (Blochet, E) - 'فضل اللہ رشید الدین کی 'تاریخ مغل' کا تعارف'

(Introduction a l' histoire des Mongols de Fadlallah Rashiduddin).

مطبوعہ لیڈن - 1910ء (تیمور اور منگ خاندان کے درمیان خط و کتابت کی تفصیلات۔)

بریش نیڈر، ای (Bretch Niedr, E) کے 'وسطی و غربی ایشیا کی ازمنہ وسطی کی تاریخ اور جغرافئے پر حواشی'۔

(A History of Persian Literature under Tartar Dominion)

1265ء سے 1502ء تک (مطبوعہ کیمبرج۔ 1920ء) ایک انتہائی کارآمد کتاب ہے جس میں تاتاریوں اور ایرانیوں کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ تیمور پر بھی ایک مختصر سی بحث کی ہے۔

کہون، لیون۔

"Formation territoriale de l' Asie. Timur et le Second Empire Mongol" (L' Histoire Generale --E. Larisse and A. Rambaud).

زیپلیکا ایم - اے - (Czaplicka, M.A.) کی کتاب 'ترک وسطی ایشیا میں' (The Turks in Central Asia) مطبوعہ آکسفورڈ 1918ء - اس کا کتب نامہ نہایت مکمل ہے۔

ڈوبیو لوئی (Dubeux Louis) کی کتاب 'تاتاری' (Tartarie) مطبوعہ پیرس' 1840ء

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا۔ گیارھویں اشاعت (مغلوں، سنہری غول، ترکوں، سمرقند، انگلستان کے ہنری چہارم، بغداد اور ماسکو پر مضامین۔)

ہیلوالڈ، فریڈرک وان (Hellwald Fredrick Von) کی کتاب روسی وسطی ایشیا میں (The Russians in Central Asia) وسطی ایشیا کے جغرافئے اور تاریخ پر موجودہ زمانے تک تفصیلی تنقید ہے۔

انگریزی زبان میں ترجمہ تھیو ڈور ورگمین (Theodor Virgman) نے لندن سے 1874ء میں شائع کیا۔

ہولڈن، ایڈورڈ ایس (Holden, Edward S.) کی 'ہندوستان کے مغل شہنشاہ' - مطبوعہ نیویارک 1895ء

منوچی۔ 'تیمور اعظم - مغلوں اور تاتاریوں کے بادشاہ کی تاریخ مع حالات دربار' - لندن - 1722 (چنداں مفید نہیں)۔

مارگٹ (Margat) کی کتاب 'مغلوں کے بادشاہ اور ایشیا کے فاتح تیمور کی تاریخ'۔

Histoire de Tamerlane, Empereur des Mongols et
Conqtrerant de, L, Asie).

مطبوعہ پیرس' 1739ء - (عرب شاہ اور شریف الدین کی تاریخوں کو یکجا کرنے کی نیک نیتی سے کوشش کی گئی ہے۔

نیو فیلکس (Neve Felix) کی کتاب:

'Expose des guerres de Tamerlane et de Schah Rokh

dans l' Asie Centrale'.

مطبوعہ بروسلز' 1860ء -

اسے صرف اس لئے اہمیت دی جا سکتی ہے کہ یہ 'میزڈاف کے تھامس' کے بیانات پر مبنی ہے۔

پاپاوسکی (Popwski) کی کتاب 'وسطی ایشیا میں حریف طاقتیں' (The Rival Powers in Central Asia) مطبوعہ لندن' 1893ء-

رکمرس' ڈبلیو رکمر- (Rickmers, W.Rickmer) کی کتاب 'ترکستان کا دو آبہ' - مطبوعہ کیمبرج۔ 1913ء - تیمور کے ملک کا طبیعی جغرافیہ ہے۔

اسٹین ' سرمارکس کی سیرنڈیا (Serindia) مطبوعہ آکسفورڈ۔ 1291ء میں وسطی ایشیا اور مغربی چین کے آثار قدیمہ کے حالات ہیں۔

یول' سر ھنری (Yule , Sir Henry) 'خطا اور وہاں کا راستہ' (Cathay and Way thither) ہکلویٹ سوسائٹی۔ سلسلہ دوم۔ شمارے 33' 37' 38' 41 زمانہ قدیم کے سیاحوں اور راستوں پر ایک کارآمد بحث ہے۔

زمی نی ' ایل - (.Zimine, L) 'تیمور کی موت کی تفصیلات' ترکستان کی آثار قدیمہ کی سوسائٹی کے مراسلات و مسودات سال ہشتم۔

(خصوصی اشارات : بوواٹ کی کتاب میں ایرانی ماخذ پر بحث کی گئی ہے۔ ز۔پلیکا کی کتاب میں ترکوں اور تاتاریوں کی ابتدائی تاریخ اور سمرقند کے آثار قدیمہ کی تفصیلات درج ہیں۔ گبن نے اپنی کتاب میں عثمانی' مھموں نیز یورپ کے حالات کی تفصیل دی ہے۔ نقشوں کے معاملے میں لی اسٹرینج کی کتاب سب سے زیادہ کارآمد ہے۔ ہوورتھ کی کتاب کی پہلی جلد میں تیمور سے قبل کے عہد کا ایک عمومی نقشہ دیا گیا ہے۔ حیدر مرزا کی کتاب میں بھی اس عہد کے وسطی ایشیا کا ایک عمدہ نقشہ ہے)۔